اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کا ایک اور علمی تحفہ

عبقات

جلد دوم

سینکڑوں عنوانوں کے گرد گھومتی ہوئی
ایک علمی، تاریخی اور تحقیقی پیش کش

تالیف

محقق العصر
جسٹس (ر) ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب دامت برکاتہم
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

محمود پبلیکیشنز اسلامک ٹرسٹ
جامعہ ملیہ اسلامیہ محمود کالونی شاہدرہ لاہور

جلد دوم

سینکڑوں عنوانوں کے گرد گھومتی ہوئی
ایک علمی، تاریخی اور تحقیقی پیش کش

تالیف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

محمود پبلیکیشنز اسلامک ٹرسٹ
جامعہ ملیہ اسلامیہ محمود کالونی لاہور

نام کتاب ــــــــــــ عبقات جلد دوم

مولف ــــــــــــ ڈاکٹر علامہ خالد محمود (از مانچسٹر)

صفحات ــــــــــــ ۴۰۰

ناشر ــــــــــــ محمود پبلیکشنز اسلامک ٹرسٹ محمود کالونی لاہور

جامع مسجد ختم نبوت کلاں۔ محمود کالونی لاہور

Address In England:

Islamic Academy
Manchester-U.K. 0161 - 273 - 1145

Jamia Islamia
Stock Port Road Manchester. 0161 - 273 - 2422

مکتبہ قاسمیہ۔ اردو بازار لاہور

جیلانی میموریل اکیڈیمی۔ 81 نمبر بلاک علامہ اقبال ٹاؤن

فہرست عبقات جلد دوم

اسلام دینِ فطرت ہے

صراطِ مستقیم کی طلب اور دریافت

نظریہ وحدتِ ادیان

حضرت ابراہیمؑ کی آفاقی امامت

ختم نبوت کے علمی تقاضے

شریعت ایک اجتماعیت بھی لاتی ہے

فتح مکہ سے متعلق نو سوالات

خوارج فہم قرآن میں کس راہ پر چلے

ایک مفسد تاریخی شخصیت

مسلمانوں میں اختلافات کا آغاز

شیعہ کا اسمٰعیلی فرقہ

اسلام اور شیعیت

پرویزی عقائد کا ایک مختصر تعارف

شرک کی حقیقت

مذاہبِ اربعہ سے فرقہ بندی کم ہوتی ہے

اصولی اختلافات کے فاصلے

قرآن کا ترجمہ کنزالایمان کیوں مقبولِ عام نہ ہو سکا

کنزالایمان کو الہامی ترجمہ کہنا غلط ہے

کنزالایمان کے بارے میں ایک سوال

غیبی شخصیتوں کا اس دنیا میں ظہور

قرآن کریم میں پچیس علاماتِ منافقین

تقیہ کی اجازت صرف کمزوروں کو ہے

محرم میں سنیوں کے شہادتِ حسینؓ کے جلسے

متفرقات

اسلام کا پہلا تعارف
توحید و سنّت

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. اما بعد:

اسلام کے تعارف کے لیے توحید و سنّت کے دو لفظ کافی ہیں — یہ حاصل ہے کلمہ طیبہ کا — لا الٰہ الا اللہ سے عقیدۂ توحید قائم ہوتا ہے اور محمد رسول اللہ سے ہم سنّت کی روشن راہوں پر آتے ہیں. توحید و سنّت اصل اسلام ہیں اور باقی جملہ عنوان ان کی فروع ہیں. یہ اصل ہیں اور باقی سب ان کے آثار ہیں. توحید کے مقابل شرک کی نجاست ہے اور سنت کے خلاف بدعت کی سیاہی. اللہ تعالیٰ ہمیں ان دونوں سے بچائے.

توحید ایک واضح عقیدہ ہے اور سنّت وہ روشن راہ ہے جس میں امت کا قافلہ چودہ سو سال سے چل رہا ہے اس امت کے پہلے طبقہ کا نام صحابہ کرامؓ تھا اور اس لائن کے اس وقت کے مسلمان ہم ہیں — ہماری دعوت اب بھی آنے والی نسلوں کو اسی راہ میں چلنے کی ہے. یہ اس پرانے قافلہ کی اس وقت کی قطار ہے ؎

من کجا نغمہ کجا سازِ سخن بہانہ ایست
سوئے قطار مے کشم ناقۂ بے زمام را

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اسی لائن پر رکھے، ہم بھی خدا سے ڈرنے والے ہوں اور ہمارے بعد آنے والے بھی خدا سے ڈرنے والے ہوں. واجعلنا للمتقین اماما ای نقتدی بمن قبلنا و یقتدی بنا من بعدنا اور یہ قطار اسی طرح لگی رہے.

اس وقت میں آپ کے سامنے توحید و رسالت کا عنوان رکھتا ہوں اور بتانا چاہتا ہوں کہ ہم مسلمان اس سے کیا مراد لیتے ہیں اور اس راہ میں ہمیں کن کن مخالف حلقوں سے مقابلہ کرنے کی نوبت آتی ہے. ہمارے یہاں کے نوجوان بیشتر یہ بھی نہیں جانتے کہ توحید کو انگریزی میں کیا کہتے ہیں. جب ان میں (انگریزی میں) توحید ہے ہی نہیں تو اس کے لیے ان کے ہاں کوئی لفظ کیسے موجود ہو سکتا ہے — پہلے کوئی حقیقت موجود ہوتی ہے پھر اس کے لیے لفظ وضع ہوتے ہیں. جب کوئی معنی ہی سرے سے قائم نہ ہو تو اس کے لیے لفظ کیسے بنیں.

یہ لوگ توحید کے لیے کا لفظ لاتے ہیں ہمارے عقیدے میں خدا کوئی یونٹ نہیں ہے جو مختلف چیزوں سے بنے ـــ یونٹ کسے کہتے ہیں جو مختلف چیزوں سے بنا ہو. پاکستان میں جب پنجاب سندھ سرحد اور بلوچستان ملے ہوئے تھے تو اسے وَن یونٹ کہتے تھے. عیسائی لوگ باپ بیٹا اور روح القدس سے ایک خدا بناتے ہیں تو جب خدا تین اقانیم سے بنا تو وہ بے شک ایک یونٹ ہوا اور اسے ، وہ ایک خدا کہتے ہیں اور اس کا ترجمہ واقعی بنے گا مگر ہم مسلمان خدا کو حقیقت میں ایک مانتے ہیں اسے کہا جا سکتا ہے خدا کا کوئی بیٹا نہیں اور نہ اس میں روح القدس ملی ہے وہ اپنی ذات میں فرد و صمد ہے. ایسا یکتا ہے کہ وہ کسی سے نہیں بنا اور نہ اس سے کوئی آگے نکلا. اس جیسا کوئی اور نہیں کہ اس سے اس کی مثال لا سکیں. لیس کمثلہ شیء.

لوگ توحید کی پٹڑی سے کیسے اُترے؟

۱. کچھ لوگ ایسے ہوئے جنہوں نے خدا میں بشری صفات دیکھیں بیٹے والا ہونا انسان کی صفت بھی وہ انہیں خدا میں نظر آئی تو یسوع مسیح کو انہوں نے خدا کا بیٹا بنا لیا ـــــ پھر روح جسم میں اُترتی ہے تو جب روح القدس بھی اس میں اتری تو یہ ایک یونٹ ٹھہرا ـــ اور خدا نہ تو جسم ہے کہ وہ بیٹے کی صورت میں اُترے نہ وہ کوئی جسمانی چیز ہے ارواح اسکی تخلیق سے بنی ہیں وہ اسکی مخلوق ہیں کوئی روح اس کی ذات کا حصہ نہیں ہے. ارواح اس کی تخلیق سے بنیں. وہ اس کی مخلوق ہیں کوئی روح اس کی ذات کا حصہ نہیں ہے.

۲. ہندوؤں نے پرمیشر کو اجسام میں آتارا مٹی اور پتھروں کی مورتیاں بنالیں ان میں یہ خدا کو آتارتے ہیں اور زندہ انسانوں میں بھی خدا کا حلول مانتے ہیں جن میں خدا اُترا وہ انہیں اوتار کہتے ہیں نقل و حرکت خدا کی صفات نہیں. ہندوؤں نے خدا میں یہ بشری صفات مانیں اور وہ توحید پر نہ رہ سکے پرمیشر کو انہوں نے نرادھار نہ مانا ان کے عقیدہ میں مادہ اور زمانہ بھی قدیم ہیں یہ ان کی تثلیث ہے.

۳. مسلمانوں میں بھی ایک فرقہ مجسمہ ہوا اسے مشبہ بھی کہتے ہیں. یہ خدا کے لیے نقل و حرکت مانتے ہیں اور ظاہر ہے کہ نقل و حرکت جسم کی شان ہے. نقل و حرکت کے لیے کوئی حد اور نہایت ضرور ہوتی ہے کہ کہاں سے چلا اور کہاں پہنچا. اور ظاہر ہے کہ خدا نقل و حرکت سے پاک ہے. اس کے لیے نقل و حرکت ثابت کرنا اس کے لیے جسم ماننا ہے.

اس کے لیے اگر کہیں لفظ نزول ملے تو اسے اس کے ظاہری معنی میں اُترنا نہ مانا جائے گا

لیس کمثلہ شئی و سے اس کی نفی کرنی پڑے گی اور اس کا معنی مراد اللہ کے سپرد کیا جائے گا کہ وہی اس کی حقیقت جانتا ہے

یہ مجسمہ لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پیدا کرنے سے پہلے کہیں اور تھا پھر جب اس نے زمین و آسمان چھ دن میں بنا لیے تو ساتویں دن وہ عرش پر آ بیٹھا۔ اس کے لیے یہ لوگ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:۔

ان ربکم اللہ الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام ثم استویٰ علی العرش۔ (پ اعراف ۵۴)

ترجمہ۔ بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے پیدا کیے آسمان اور زمین چھ دنوں میں پھر وہ بلند ہوا عرش پر۔

ثم تراخی پر دلالت کرتا ہے (کہ یہ بعد میں ہوا) اس کا مطلب اس کے سوا کیا سمجھا جاتا ہے کہ پہلے عرش بنا تھا اور وہ اس پر نہ تھا پھر جب اس نے چھ دن میں زمین و آسمان بنا لیے تو اس نے عرش پر استواء فرمایا۔ استواء کے معنی بیٹھنے کے ہیں بیٹھتا کون ہے جو پہلے کھڑا ہو۔ کرسی پر کون آتا ہے جس کی کرسی پہلے خالی ہو۔

اس طرح کی نقل و حرکت مخلوق کی صفت ہے فرقہ مشبہہ کے لوگ خدا میں مخلوق کی صفات بتاتے ہیں اور آیت ثم استویٰ علی العرش کو اس کے ظاہر معنی میں محکم کہتے ہیں متشابہہ نہیں کہتے حالانکہ قرآن پاک میں استویٰ کا لفظ بندوں کے لیے بھی وارد ہے۔ اس صورت میں یہ آیت ثم استویٰ علی العرش متشابہات میں سے ہو گی۔ وہ الفاظ جو کبھی خدا کے لیے وارد ہوں اور کبھی بندوں کے لیے وہ متشابہات ہی ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے (پ بنی اسرائیل ۱) اور اس نے انسان کو بھی سمیع و بصیر بنایا (پ۲۹ الدہر ۲) سو یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے لیے محکم نہ ہوئے متشابہہ ٹھہرے۔ ثم استویٰ علی العرش میں لفظ استویٰ خدا کے لیے وارد ہے اور مندرجہ ذیل آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کے لیے بھی وارد ہے:۔

فاذا استویت انت ومن معک علی الفلک فقل الحمد للہ الذی نجٰنا من القوم الظالمین۔ (پ المومنون ۲۸)

ترجمہ۔ پھر جب تو چڑھ جائے اور جو تیرے ساتھ ہیں کشتی پر تو اللہ کا شکر ادا کر۔

جس نے چھڑایا ہمیں ظالم لوگوں سے۔

پھر موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:۔

ولما بلغ اشدہ واستویٰ اتیناہ حکماً وعلماً۔ (پ۲۰ القصص ۱۴)

ترجمہ پھر جب وہ پہنچ گیا اپنے زور پر اور سنبھل گیا دی ہم نے اس کو سمجھ اور علم۔

حضورؐ ایک دفعہ منبر پر چڑھے اور سامعین کو بیٹھنے کا حکم دیا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آ رہے تھے اور ابھی دروازہ مسجد پر پہنچے تھے کہ آپ نے حضورؐ کی یہ آواز سنی وہیں بیٹھ گئے۔ اسے حضرت جابر بن عبداللہؓ حضورؐ کے استوار سے تعبیر کرتے ہیں۔

عن جابر قال لما استویٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الجمعۃ علی المنبر قال اجلسوا فسمع ذلك ابن مسعود فجلس علی باب المسجد[1]

ترجمہ۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے آپ کہتے ہیں۔ جب حضورؐ جمعہ کے دن منبر پر بیٹھے آپ نے فرمایا سب بیٹھ جاؤ۔ ابن مسعودؓ نے بھی اسے سنا اور آپ دروازۂ مسجد پر ہی بیٹھ گئے۔

استویٰ کے معنی ہیں چڑھنا۔ سو فاستویٰ علی العرش کے معنی ہوں گے "وہ پھر وہ عرش پر چڑھا" اب کیا کوئی مسلمان اسے محکم کہہ سکتا ہے محکم تو اپنے ظاہری معنی پر محمول ہوتی ہے اور متشابہ وہ ہے جس کے لفظوں پر ایمان ہو مگر اس کا معنی و مفہوم اللہ کے سپرد کیا جائے۔ اس کے عرش پر بیٹھنے کو عقیدے کی بنیاد نہ بنایا جائے متشابہات پر عقیدے کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی متشابہات پر عقیدے کی بنیاد کون رکھتے ہیں؟ یہ ان لوگوں کا کام ہے جو اہل زیغ ہوں اہل حق کا یہ طریق نہیں ـــــ قرآن کریم میں یہ اصول اس طرح بیان کیا گیا ہے:۔

ھو الذی انزل علیك الکتاب منہ اٰیات محکمات ھنّ ام الکتاب و اخر متشٰبھات فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ وما یعلم تاویلہ الا اللہ۔ (پ۳ آل عمران)

ترجمہ۔ وہ ذات ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری اس میں بعض آیتیں محکمات ہیں اور وہ اصل ہیں کتاب کی اور بعض متشابہات ہیں سو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ پیروی کرتے ہیں متشابہات کی ان کی غرض ہوتی ہے فتنہ پیدا کرنا اور ان

---

[1] ابوداؤد جلد ۱ ص۱۵۸ جامع الاصول جلد ۵ ص۶۹۴

کے معنی متعین کرنا اور حق یہ ہے کہ ان کے معنی مراد ایک اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

قرآن کریم سے پتہ چلا کہ جو لوگ متشابہات پر عقیدے کی بنیاد رکھتے ہیں وہ فتنہ پھیلانے والے لوگ ہیں اور اہل تاویل میں سے ہیں وہ اہل توحید میں سے نہیں۔ پھر جب یہ لوگ جگہ جگہ کا نام لے کر کہتے ہیں کہ خدا یہاں نہیں وہاں نہیں تو یہ ان کی نفی بتلاتی ہے کہ وہ خدا کے عرش پر ہونے کو اس کی ذات کا مقر سمجھتے ہیں اسے آیات صفات میں سے نہیں جانتے۔ جب وہ جگہ جگہ کے متعلق کہتے ہیں کہ خدا یہاں نہیں وہاں نہیں تو یہ ان کی نفی بتلاتی ہے کہ وہ استویٰ علی العرش کی کیفیت جانتے ہیں اور اسی کے بل بوتے وہ کہتے ہیں کہ خدا یہاں نہیں ہے وہاں نہیں ہے ــــ وہ صرف عرش پر ہے (معاذ اللہ) اور یہ کہ آیت ثم استویٰ علی العرش اپنے ظاہر معنی میں محکمات میں سے ہے۔ (معاذ اللہ)

کیا خدا آسمانوں میں ہے؟

اپنے اس عقیدے کے لیے یہ لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت سے پوچھا۔ این اللہ (خدا کہاں ہے؟) اس نے کہا۔ فی السماء (وہ آسمان میں ہے) آپ نے فرمایا۔ انہا موھنۃ (یہ مومنہ ہے)

ان لوگوں سے جب پوچھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے یا عرش پر؟ تو کہہ دیتے ہیں کہ آسمان پر بھی ہے اور عرش پر بھی۔ پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے لیکن قرآن کی رو سے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ آسمان میں ہے آسمان اس پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔ (استغفر اللہ)

اللہ تعالیٰ اسی مضمون کو کہ تم خدا سے ڈرو۔ اس پیرایہ میں بیان فرماتے ہیں:۔

ءامنتم من فی السماء ان یخسف بکم الارض فاذا ھی تمور۔ ام امنتم من فی السماء ان یرسل علیکم حاصبًا۔ (پ ۲۹ الملک ۱۷)

ترجمہ۔ کیا تم بے خوف ہو گئے اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ دھنسا دے تمہیں زمین میں پھر وہ زمین لرزنے لگے یا تم نڈر ہو گئے اس سے جو آسمان میں ہے کہ تم پر اتار دے بارش پتھروں کی۔

کیا ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے آسمان میں ہونے کی صریح لفظوں میں خبر نہیں دی گئی؟ اور کیا یہ محکمات میں ہے؟ اگر خدا صرف عرش پر ہے آسمان میں نہیں تو قرآن کی ان آیات کا مطلب کیا ہو گا جب وہ عورت حضورؐ کی خدمت میں آئی اور آپ نے اس سے پوچھا خدا کہاں ہے؟ تو اس نے

کہا تھا فی السماء، یہ آسمان میں ہوتا ہے۔ اس عورت نے یہ نہ کہا تھا علی السماء۔ وہ آسمان پر ہے۔

سو ان آیات اور احادیث کو اگر ان کے ظاہر معنی میں مانا جائے تو پھر تفویض کے کیا معنی؟ تفویض تو یہ ہے کہ اس کے معنی مراد اللہ کے سپرد کر دیئے جائیں۔ ظاہر معنی کا لیس کمثلہ شیء کی رو سے انکار کیا جائے اس کا سننا ہمارے سننے کی طرح نہیں اور اس کا عرش پر ہونا ہمارے بیٹھنے کی طرح نہیں۔ ظاہری معنی کا اس درجہ میں انکار ضروری ہے کہ لیس کمثلہ شیء کا تقاضا پورا ہو جائے محض ظاہری معنی میں نفی کی تاویل نہیں لاتے جب ظاہری معنی اس طرح مراد لیے جائیں تو پھر یہ کہنا کہ ہم کیفیت نہیں جانتے ایک تحکم کے سوا کچھ نہیں رہتا۔

اس سے انکار نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس طرح عرش پر ہے وہ آسمان پر بھی ہے نصوص میں جو کہا گیا حق ہے ہم اس سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ یہ آیات متشابہات میں سے ہیں اور یہ بھی صحیح ہے۔ کہ متشابہات پر عقیدے کی بنا نہیں رکھی جا سکتی۔ سو جو لوگ محسوس طور پر خدا کے عرش پر ہونے کے قائل ہیں وہ مجسمہ یا مشبہہ کے بدعتی فرقوں میں سے ہیں اور یہ عقیدہ کفر ہے۔

اہل سنت کے ہاں اللہ رب العزت مکان اور جہت اور سمت سے نقل و حرکت اور حدود نہایت سے پاک ہے۔ ہم اس حدیث کو بھی مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں لیکن نزول سے حسی نقل و حرکت مراد نہیں لیتے۔ ینزل اللہ کل لیلۃ الی السماء الدنیا کو متشابہات میں شمار کرتے ہیں۔ ہم اس کے نزول کی کیفیت نہیں جانتے۔ بس اتنا جانتے ہیں کہ یہ ہمارے اترنے کی طرح نہیں۔ لیس کمثلہ شیء محکمات میں سے ہے۔ ہم کہتے ہیں اس کے نزول کو وہی جانتا ہے کہ کس طرح ہے اسی طرح اس کے استوا کی کیفیت بھی اسے ہی معلوم ہے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اس کی حقیقت معلوم کرنے اور اسے انسانی سوچ میں لانے کو ہم بدعت سمجھتے ہیں۔

ہم اس سے انکار نہیں کرتے کہ عربی میں استوا کے معنی علو اور ارتفاع کے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے لیے یہ علو جہت اور مکان کے اعتبار سے نہیں یہ اقرار بطور فطرت ہے۔ اہل سنت اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ و تقدیس پر ایمان رکھتے ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ اس میں مخلوق کی صفات حدود نہایت اور نقل و حرکت سے کوئی چیز پائی جائے اس کا علو ہمارے ہاں علو عظمت ہے علو مکان نہیں۔

حافظ ابوبکر بن فورک مشکل الحدیث میں لکھتے ہیں کہ جس نے خدا کے استوار علی العرش کو جگہ پکڑنے اور تمکن کے معنی میں لیا اس نے غلطی کی ہے یعنی علی سبیل القطع اس کا کوئی معنی نہ کیا جائے گو ترجمہ کرنے میں ہم یہ الفاظ اختیار کر لیں۔ تاہم ضروری ہے کہ انہیں ان کے ظاہری معنی میں اختیار نہ کیا جائے۔

حاضرین کرام : بات کہاں سے کہاں نکل گئی میں اسلام کے عقیدہ توحید کو بیان کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ میں صفات مخلوق میں سے کوئی صفت تجویز کرنا۔ ا۔ اس کے لیے بیٹا تجویز کرنا یا۔ ۲۔ اس کے لیے حسی حد و نہایت اور نقل و حرکت ماننا غلط ہے۔ یہ باتیں عیسائی کہیں یا مسلمان کہلانے والے جاہل اور محروم العلم بدعتی۔ غلط بات غلط ہے خواہ کوئی کہے۔ یہ دونوں گروہ مخلوق کی صفتیں خالق میں لاکر توحید کی پٹڑی سے اُتر گئے ہیں۔ جو لوگ اہلحدیث کہلا کر یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ عرش پر جما ہوا ہے وہ یقیناً عقیدہ توحید پر نہیں ہیں۔

پھر اہل بدعت کا ایک گروہ پیدا ہوا جو مخلوق میں صفاتِ خداوندی کے قائل ہوئے۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا نورِ ذات مانتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ذات واجب ہے اور حضورؐ اس کی مخلوق ہیں۔ ممکن الوجود واجب الوجود کا جزو کیسے ہو سکتا ہے۔ پھر انبیاء علیہم السلام کے علم غیب کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھتے ہیں۔ آپ کو مختارِ کل سمجھتے ہیں کہ جو چاہیں کریں یہ اہل بدعت سمجھتے ہیں کہ یہ کارخانہ کائنات کو پیدا خدا نے کیا ہے مگر اسے چلانے کا کام انبیاء و اولیاء کے سپرد ہے وہی مدبر کائنات ہیں اور بندوں کو چاہیئے کہ مصائب کے وقت اپنے بزرگوں کو پکاریں اور تکلیف کے وقت ان کی قبروں کی دہائی دیں یہ قبروں والے ان کی مدد کو پہنچتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے اپنے عقائد خمسہ میں یقیناً توحید کی پٹڑی سے اُتر چکے ہیں۔

اس وقت مجھے اہل توحید کے عقیدہ پر دلائل پیش کرنے نہیں نہ وقت اس کی اجازت دیتا ہے وقت مختصر ہے اس وقت میں اہل بدعت کے عقائد خمسہ کی اہل سنت کی طرف سے تردید نہ کر سکوں گا۔ ہاں یہ بات میں ضرور کہوں گا کہ یہ اہل بدعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی میں بہت دور جا چکے ہیں اور لوگوں میں اُلٹا یہ مشہور ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و عقیدت میں غلو کرتے ہیں۔ بات اس طرح نہیں۔ ام المومنین کی شان میں اس طرح کے شعر پڑھنا کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی بے ادبی نہیں ہے ؎

تنگ و چست ان کا لباس اور وہ جوبن کا اُبھار
مسکی جاتی ہے قبا سر سے کمر تک لے کر

ایک مثال لیجئے بچوں کی سکول میں حاضری لی جاتی ہے استاد بچوں کا نام لیتا چلا جاتا ہے اور ہر بچہ اپنے کو حاضر کہہ کر اپنی حاضری دیتا ہے۔ سو حاضر کون ہوا؟ چھوٹا اور جس کے پاس حاضری دی جائے اسے کہتے ہیں حضور بڑا۔ استاد شاگرد کو آواز دیتا ہے شاگرد کہتا ہے حضور

میں آیا شیخ مرید کو آواز دیتا ہے وہ کہتا ہے حضور میں آیا۔ تو حاضر کون ہوتا ہے جو چھوٹا ہو اور حضور کون جو بڑا ہو۔ باپ بیٹے کو بلائے تو فرمانبردار بیٹا باپ کو حضور کہتے اس کی طرف آتا ہے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی حضور کی تھی۔ امت کے گنہگار آپ کے پاس دعائے مغفرت کے لیے حاضری دیتے تھے۔ اب یہ اچھے باادب ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاں حاضر کرتے ہیں اور اپنی مجلسوں میں بلاتے رہتے ہیں۔

ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک ۔ (پ النساء ۶۴)

ترجمہ اور اگر وہ جب انہوں نے گناہ کیا تھا آپ کے پاس آجاتے۔
لوگ آج بھی حج کے بعد مدینہ منورہ جاکر حضورؐ کے روضہ انور پر حاضری دیتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کریمہ صدیوں سے حضور چلی آرہی تھی۔ اور غلام اور خدام حاضر ہو کر آتے تھے مگر افسوس کہ اہل بدعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضور کی بجائے حاضر قرار دے کر اپنے پاس بلانے کے خوگر ہو چکے ہیں۔ جہاں ان کے چند پیر یا مولوی بیٹھیں وہاں یہ چند منٹوں میں حضور کو حاضر کر دیتے ہیں اور صرف حاضر نہیں ناظر بھی (حکم کے منتظر) استغفر اللہ العظیم۔

سامعین کرام! آپ بتائیں آپ حضرت خاتم النبیین کو حضور مانتے ہیں یا حاضر و ناظر؟
(پورے مجمع سے حضور حضور کی آوازیں اٹھتی ہیں)
(ایک شخص نے سوال کیا) کیا ہم خدا کو حاضر و ناظر کہہ سکتے ہیں؟
ہاں اللہ تعالیٰ جنس و اشتراک سے پاک ہے وہ ایک ہی ہے اس کا کوئی شریک نہیں—
" اسے تو" کہہ کر بھی بلائیں تو بے ادبی نہیں۔ جہاں ایک جنس یا اشتراک کے دو افراد ہوں تو بڑا حضور اور چھوٹا حاضر ہو گا اور جو ایک ہی ہو اسے تو کہنا اس کی بے ادبی نہیں۔
کیا ہم اپنی دعاؤں میں اس طرح نہیں کہتے — اے اللہ! تو جانتا ہے تو ہماری بیکسی کو پہچانتا ہے — کوئی نہیں کہتا کہ ہم بے ادبی کر رہے ہیں — تو کیا کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو کہہ کر بلائے گا؟ ہرگز نہیں۔ آپ ہماری جنس سے ہیں ابنائے آدم میں سے ہیں صفاتِ انسانی میں ہمارے ساتھ شریک ہیں۔ یہاں چھوٹے بڑے کا امتیاز رکھنا ہو گا۔ چھوٹے کو حاضر کہا جائے گا اور بڑے کو حضور— باخدا دیوانہ و با مصطفےٰ ہوشیار باش
(ایک شخص نے سوال کیا)
کیا کسی بزرگ یا امام نے اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہا ہے؟ اور کیا کسی امام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کو حاضر ناظر کہنے کی بے ادبی کی ہے۔ ہاں سلسلہ نقشبندی کے بزرگ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رح ایک جگہ اللہ تعالیٰ کو اللہ کہنے کی بجائے حاضر و ناظر سے ذکر کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں از حاضر و ناظر شرم باید کرد۔ (مکتوبات دفتر اول مکتوب ۶۵)

اہل بدعت کے عقائد خمسہ کو آپ تفصیل سے سمجھنا چاہیں تو مطالعہ بریلویت حصہ پنجم کا مطالعہ کریں۔ آٹھ جلدوں کا سیٹ اپنے پاس رکھیں یہ آپ کو لندن سے مل سکے گا۔ نویں جلد زیر تالیف ہے اس کی تکمیل کے لیے دعا فرمائیں۔

الفاظ اپنی ضد سے پہچانے جاتے ہیں توحید کے مقابل لفظ شرک ہے۔ شرک دنیا میں کہیں وجود نہیں رکھتا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کہیں خدا کا کوئی شریک ہو۔ ہاں اشراک ضرور موجود ہے — یعنی خدا کے ساتھ شریک ٹھہرانے کی کوششیں — جو لوگ ان ناکام کوششوں میں لگے انہیں مشرک کہتے ہیں مسلمانوں میں بھی بعض ایسے بدنصیب ہیں جن کے عقائد اشراک کی عملی صورت ہیں۔

اب دوسرا لفظ سنت بھی سمجھ لیجیے۔ کسی کو اس کے مقابل لفظ سے پہچاننا آسان ہو جاتا ہے۔

۱۔ یہ لفظ کبھی فرض اور واجب کے مقابل آتا ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں یہ کام فرض ہے یا سنت؟

۲۔ یہ لفظ کبھی بدعت کے مقابل آتا ہے لوگ پوچھتے ہیں کہ فلاں کام کرنا بدعت ہے یا سنت؟

۳۔ یہ لفظ کبھی حدیث کے مقابل آتا ہے طلبہ پوچھتے ہیں کہ حضورؐ کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی روایت حدیث ہے یا سنت۔

۴۔ حضورؐ کا تراویح باجماعت کو چھوڑنا یہ حدیث ہے یا سنت۔

۵۔ نماز کی حالت میں کسی دوسرے سے کلام کرنے کی روایت حدیث ہے یا سنت۔

۶۔ حضور کا کسی قبر پر سبز ٹہنیاں رکھنا حدیث کہلائے گا یا سنت۔

۷۔ حدیث کا لفظ کبھی قدیم کے مقابل آتا ہے قرآن کریم (اللہ کا کلام) قدیم ہے حادث نہیں اس کے مقابل حضورؐ کی بات حدیث ہے۔

۸۔ سنت کا لفظ کبھی سنت نبوی کے معنی میں بولا جاتا ہے اس کے مقابل سنتِ راشدین اور سنتِ صحابہؓ کا لفظ آتا ہے۔

آج اس اجتماع میں لفظ سنت بدعت کے مقابلہ میں لیا جا رہا ہے۔ اللہ رب العزت کا حق دوسروں کو دینا شرک ہے تو حضورؐ کا حق پیروں کو دینا بدعت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا جس نے

دین اسلام میں کوئی نئی چیز پیدا کی اس کا وہ عمل مردود ہے۔
ہاں انسان دین میں کوئی نئی چیز پیدا نہ کرے دنیا میں نئی نئی چیزیں بے شک بنائے۔ جیسے گھڑیاں، پنکھے، عینکیں اور کاریں — تو یہ بدعت نہ ہوں گی۔ کوئی شخص انہیں دین کا عمل نہیں سمجھتا لیکن جو کام کارِ خیر سمجھ کر کیے جائیں ضروری ہے کہ وہ حضورؐ اور صحابہؓ سے منقول ہوں۔ جو نیکی کا کام حضور اور صحابہ سے منقول نہیں وہ بدعت ہے ہرگز کارِ خیر نہیں۔ لوگ جسے ثواب سمجھ کر کریں وہ دین کا کام سمجھا جا رہا ہوتا ہے۔
ایک شخص نے پوچھا کیا اذان میں صلوٰۃ و سلام کا اضافہ (شروع میں ہو یا آخر میں) جائز ہے میں نے کہا کہ جب تم نے خود ہی اسے اضافہ کہہ دیا ہے تو کیا اب بھی اس کے بدعت ہونے کے لیے کسی اور دلیل کی ضرورت ہے؟
دینِ اسلام اتنا کامل ہے کہ یہ اپنے اندر کسی چھوٹی سے چھوٹی زیادتی کو بھی قبول نہیں کرتا جو چیز دین ہے اسے اس سے نکالا نہیں جا سکتا اور جو چیز دین نہیں اسے اس میں لایا نہیں جا سکتا۔
کسی انسان کا جسم کتنا مضبوط اور قوی کیوں نہ ہو کیا وہ اپنے جسم میں ذرا سی پھانس یا لکڑی کے چھلکے کو برداشت کر سکے گا؟ نہیں پھانس جتنی چھوٹی ہوتی ہے اتنی تکلیف دہ ہوتی ہے۔ بدعت دین کے بدن پر اسی پھانس کی طرح ہے۔
جس طرح انسان کا جسم ذرا سی پھانس کو برداشت نہیں کرتا اسلام کا جسم ذرا سی بدعت کو قبول نہیں کرتا۔ چھوٹی سی بدعت بھی ہو اس کے لیے صحنِ اسلام میں کوئی پذیرائی نہیں۔
افسوس آج کل اہلِ بدعت نے ایک ایک سنت پر بدعتوں کے غلاف چڑھا رکھے ہیں۔ پھر تعجب ان مشائخ اور پیروں پر ہے جو مجددی کہلاتے ہوئے بھی اپنے لیے بدعتِ حسنہ کا دروازہ کھولتے ہیں۔ یاد رکھو بدعات میں ظلمت ہی ظلمت ہے اور اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ بدعت کیا اور حسن کیا۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:۔
"فقیر کسی بدعت میں کوئی چمک اور کوئی نور نہیں دیکھتا۔"
میں اپنے اہلِ سنت بھائیوں کی خدمت میں ایک گذارش کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ اہلِ بدعت کو کبھی اہلِ سنت نہ کہیں۔ بدعت کو سنت کہنا ایک بڑا گناہ ہے۔ جو ایسا کہے اس نے گویا سب بدعات کو اپنے اندر سمونے کی کوشش کی۔ جس طرح بدعت پر عمل کرنا گناہ ہے اسی طرح بدعت کو سنت یا اہلِ بدعت کو اہلِ سنت کہنا بھی بڑا گناہ ہے۔

اجلاس کے آخر میں سوال وجواب کا وقت دیا گیا۔ کھانے کے وقت کچھ نوجوان اور علمائے کرام مختلف سوالات لے آئے۔ انہیں بھی مع جوابات اس تقریر کا تتمہ بنا دیا گیا تاکہ قارئین اس پورے مضمون پر زیادہ سے زیادہ مطلع ہو سکیں۔

سوال۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے لیے یہ جو الفاظ فاستوی علی العرش وارد ہیں تو اگر ان کا کوئی ایسا مطلب بیان کیا جائے جو قرآن پاک کی کسی محکم آیت سے نہ ٹکرائے اور نہ دین اسلام کے کسی قطعی عقیدہ کے خلاف ہو اور اس میں بھی انسان کسی قطعیت کا مدعی نہ ہو۔ تو کیا اس درجے میں اس کی کوئی تاویل کی جا سکتی ہے اور محدثین میں سے کسی نے اسے کسی درجے میں روا رکھا ہے؟

جواب: قرآن کریم میں استوی علی العرش کے الفاظ کئی دفعہ ایک ہی سیاق میں لائے گئے ہیں:۔

۱۔ ان ربکم اللہ الذی خلق السمٰوات والارض فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش یغشی اللیل النھار یطلبہ حثیثاً والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ الا لہ الخلق والامر۔ (پ۸ اعراف ۵۴)

اللہ تعالیٰ نے زمانے کو ہفتوں مہینوں سالوں اور صدیوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ ہفتے کے سات دن ہوتے ہیں۔ چھ دن میں اس نے زمین و آسمان بنائے اسے خلق کہا۔ ساتویں دن ان پر فرمانروائی قائم کی۔ آخر میں فرمایا۔ خلق اور امر دونوں اس کی طرف سے ہیں۔ زمانے کو اس طرح چلایا کہ رات کو دن پہ اڑھایا۔ پھر دن رات کے پیچھے چلا آتا ہے دوڑتا۔ سورج اور چاند سے ان اوقات کی تقسیم کی۔

اس سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ ساتویں دن اسی نے تخت حکومت پر اجلال فرمایا۔ چھ دن میں تخلیق پوری ہو چکی۔ اب ساتویں دن اس نے کائنات کی تدبیر کی اور اس میں تصرف کیا۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ اسے اس طرح فرماتے ہیں:۔

۲۔ ان ربکم اللہ الذی خلق السمٰوات والارض فی ستۃ ایام ثم استوٰی علی العرش یدبر الامر ما من شفیع الا من بعد اذنہ۔ (پ۱۱ یونس ۳)

ثم استوٰی علی العرش کی خود ہی یدبر الامر سے تفسیر فرما دی۔ تدبیر کائنات اور تصرفِ عالم سے اپنی حاکمانہ شان کا اظہار فرمایا۔

پھر سورۃ الرعد میں بھی یدبر الامر سے اس کی تفسیر فرمائی:۔

۳۔ اللہ الذی رفع السمٰوات بغیر عمدٍ ترونھا ثم استوٰی علی العرش

وسخر الشمس والقمر کل یجری لاجل مسمّی یدبر الامر یفصّل
الاٰیات لعلکم بلقاء ربکم توقنون۔ (پ۱۳ الرعد۲)

۴۔ پھر سورۃ السجدہ میں بھی یدبر الامر سے اس کی تشریح فرمائی :۔
اللہ الذی خلق السمٰوات والارض وما بینہما فی ستۃ ایام ثم استویٰ
علی العرش مالکم من دونہ من ولیّ ولا شفیع افلا تتذکرون ٥ یدبر
الامر من السماء الی الارض۔ (پ۲۱ السجدہ ۵)

۵۔ پھر سورہ طٰہٰ میں بھی اس کی تفسیر اپنے مالکانہ تصرف سے کی :۔
تنزیلا ممن خلق الارض والسمٰوات العلیٰ ٥ الرحمٰن علی العرش استویٰ ٥
لہ ما فی السمٰوات وما فی الارض وما بینہما وما تحت الثریٰ۔ (پ۱۶ طٰہٰ ۶)

۶۔ پھر سورۃ الحدید میں بھی اس کی تفسیر میں اپنے مالکانہ تصرفات ذکر فرمائے :۔
ھو الذی خلق السمٰوات والارض فی ستۃ ایامٍ ثم استویٰ علی العرش
یعلم ما یلج فی الارض وما یخرج منہا وما ینزل من السماء وما یعرج
فیہا۔ (پ۲۷ الحدید۴)

ان چھ مقامات سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساتویں دن اپنے تختِ حکومت پر اجلال فرمایا۔ چھ دن میں خلق اور ساتویں دن امر کا ظہور ہوا۔
ہاں ایک مقام سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی حقیقت اللہ کے سپرد کریں :۔

۷۔ الذی خلق السمٰوات والارض وما بینہما فی ستۃ ایامٍ ثم استویٰ
علی العرش الرحمٰن فسئل بہ خبیرا۔ (پ۱۹ الفرقان ۵۹)
اس کا حاصل یہ ہے کہ پوچھ اسی سے جو اس کی خبر رکھتا ہو۔

ان سات مقامات کی روشنی میں علماء اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ خدا ہی اس کی حقیقت جانتا ہے بندے اس کی تشریح میں نہ جائیں :۔

حق تعالیٰ نے ہمیں اپنے معنی مرادی کی تعیین سے مطلع نہیں کیا پس ہم قطعی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ استواء کے یہ معنی مراد ہیں۔ وہ معنی مراد نہیں اس لیے مذہب اسلم تفویض وتسلیم ہے کہ ان کی مراد کو اللہ کے سپرد کیا جائے۔ پس استویٰ علی العرش جو قرآن سے ثابت ہے اس پر ایمان لانا واجب ہے مگر اسی معنی کے اعتبار سے

ایمان لانا واجب ہے جو خدا تعالیٰ کی شانِ تنزیہہ و تقدیس کے شایان ہوں ایسے معنی کے اعتبار سے استواء کو ثابت کرنا جس میں اجسام کی طرح خدا کے لیے مکان اور محل لازم آجائے یہ جائز نہیں [1]

اہلحدیث (باصطلاح جدید) نے استواء کے معنی یہ لیے ہیں کہ عرش پر بلند ہوا۔ یا بیٹھا۔ یا چڑھ گیا۔ یا جما۔ . . . استواء اس پروردگار عالم کی صفت ہے اور اس سے اس کا ظاہری معنی بلا تاویل مراد ہے۔ البتہ اس کی کیفیت مجہول ہے [2]

ان چار معنی سے اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کی وضاحت کی جا رہی ہے؛ یہ کہنا کہ وہ عرش پر چڑھ گیا یا اس سے جم گیا کیا آیاتِ صفات کی تشریح نہیں؟ پھر اس بات کے کیا معنی رہ گئے کیفیت مجہول ہے۔ جب انہوں نے ظاہری معنی مراد لے لیے اور ان معنی سے یہ الفاظ ہمیشہ اجسام کے لیے استعمال ہوتے آئے اور انہوں نے پھر ترجمہ میں چار الفاظ ایک دوسرے کی وضاحت میں اختیار بھی کر لیے تو کیا اب بھی ان میں اور مجسمہ کے عقیدہ میں کوئی فرق رہ جاتا ہے؟ کیا پھر بھی کیفیت مجہول رہی؟ جب یہ لوگ ظاہری معنی پر بلا تاویل جمے ہوئے ہیں تو اب ان کا کہنا کہ کیفیت مجہول ہے کچھ معنی نہیں رکھتا۔ انہوں نے ظاہری معنی پر ایمان رکھا جیسا کہ یہ الفاظ عام اپنے ماحول میں بولے جاتے ہیں لازم ٹھہرائے۔ (استغفر اللہ)

اللہ کے لیے علو ماننا تقاضائے فطرت ہے

اللہ رب العزت کے لیے علو ماننا اور ہے اور اسے اوپر کی جہت میں ماننا اور ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ ان کا قبلہ مسجد حرام ہو جائے۔ آپ اس امید میں آسمان کی طرف منہ کرتے اور دعا کرتے تھے۔ قرآن نے اس کی تصدیق کی ہے اور اس پر منع وارد نہیں ہے اللہ تعالیٰ کو ذات عالی ماننا فطرت کا تقاضا ہے [3] جو بھی اس کی طرف متوجہ ہوا اس نے اوپر ہی نظر کی۔

قد نریٰ تقلب وجھک فی السمآء۔ (پ۲ البقرہ ۱۴۴)

---

[1] معارف القرآن جلد ۳ صفحہ ۵۹ مکتبہ عثمانیہ [2] حاشیہ ترجمہ مولانا ثناء اللہ امرتسری صفحہ ۱۸۸

[3] ان ھذا الامر فطروا علیہ وجبلوا علیہ۔ (منہاج السنۃ جلد ۱ صفحہ ۲۹۳)

جہت میں ماننے کا مطلب یہ ہے کہ اسے اس جہت میں محصور و محاط مانا جائے یہ احاطے میں آنا مخلوق کی صفت ہے خالق کی نہیں وہ احاطہ و نہایات اور جہت سے پاک ذات ہے۔

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی لکھتے ہیں :۔

مکانی ہونا تب لازم آئے جب اسے محصور و محاط مانا جائے اور اگر اسے حد و احاطہ کے تصور کے بغیر فوق العرش اس کیفیت سے مانا جائے جو اس کی شان کے لائق ہے تو اس سے مکانی ہونا لازم نہیں آتا۔[1]

"جو اس کی شان کے لائق ہے" اس سے وہ معنی ذہن میں نہ رہیں گے جو لفظ استواء سے ظاہراً متبادر ہوتے ہیں سو یہ کہنا درست نہیں جیسا کہ ترجمہ قرآن مولانا ثناء اللہ امرتسری کے حاشیہ میں ہے :۔

اس سے اس کے ظاہری معنی بلا تاویل مراد ہیں۔ صـ۱۸۸

اتنی تاویل تو ضرور کرنی پڑے گی کہ یہ بلند ہونا ایسا نہیں جیسا کہ ہم کسی تخت پر بیٹھیں۔ اللہ تعالیٰ سے مخلوق کے سے بیٹھنے کی نفی کرنا ضرور لازم ہوگا۔

ان الفاظ سے جو ظاہر معنی ذہن میں آتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ان کی نفی ضروری ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ میں بلا تاویل تسلیم کرنا بدعتی فرقہ مشبہہ کا عقیدہ ہے۔

حافظ ابن کثیر الدمشقی کہتے ہیں :۔

والظاهر المتبادر الی اذهان المشبهين منفی عن الله فان الله لا يشبهه شیء من خلقه ... فمن اثبت لله ما وردت به الأيات الصريحة والاخبار الصحيحة علی الوجه الذی يليق بجلال الله و نفی عن الله تعالیٰ النقائص فقد سلك سبيل الهدیٰ۔[2]

ترجمہ۔ فرقہ مشبہہ کے ذہنوں میں ان الفاظ کے ظاہر معنی آتے ہیں ان کی اللہ تعالیٰ سے نفی کرنی چاہیئے اللہ کی مخلوق سے کوئی شئے اس کے مشابہ نہیں جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے لیے وہ تمام حقیقتیں جو آیاتِ صریحہ اور اخبارِ صحیحہ میں ذکر ہیں اس طرح ثابت کیں جو اس کی شان کے لائق ہے اور ان تمام امور کی اللہ تعالیٰ سے نفی کی جن میں کوئی کمی سمجھی جائے تو وہ بے شک ہدایت کی راہ پر چلا۔

---

[1] شہادۃ القرآن حصہ اول صـ۲۰ [2] تفسیر ابن کثیر سورۃ الاعراف صـ۵۲۶

رہی یہ بات کہ پھر اللہ کے لیے تعالیٰ کا لفظ کیا معنی دیتا ہے اس کے لفظی معنی تو بلند ہونے کے ہیں تو اس کی توجیہ یہ ہوگی وہ ذاتِ عالی بلند ہے جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔

افسوس کہ نئی اصلاح کے سلفی اللہ تعالیٰ کے لیے استواء اسی طرح بتاتے ہیں کہ خدا کے لیے مکان اور محل لازم آئے وہ اس بات کو بھی بھول جاتے ہیں کہ عرش مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے پیدا کرنے سے پہلے بھی یقیناً موجود تھے اسی طرح زمانہ بھی مخلوق ہے اور اللہ اس سے پہلے بھی موجود تھا جس طرح ہمیں اس کی کیفیت معلوم نہیں۔ استواء کی حقیقت بھی معلوم نہیں۔ چاہیئے کہ اس کی حقیقت اسی کے سپرد کریں۔

حضرت شیخ الاسلام لفظ استواء کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

یہ لفظ تختِ حکومت پر ایسی طرح قابض ہونے کو ظاہر کرتا ہے کہ اس کا کوئی حصہ اور گوشہ حیطہ نفوذ و اقتدار سے باہر نہ رہے اور نہ قبضہ و تسلط میں کسی قسم کی مزاحمت اور گڑبڑ پائی جائے سب کام اور انتظام برابر ہو۔ اب دنیا میں بادشاہوں کی تخت نشینی کا ایک تو مبدء اور ظاہری صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت یا غرض وغایت یا ملک پر پورا تسلط واقتدار اور نفوذ و تصرف حاصل ہونا۔ حق تعالیٰ کے استواء علی العرش میں یہ حقیقت اور غرض وغایت بدرجہ کمال موجود ہے۔ یعنی آسمان وزمین (کل علویات اور سفلیات) کو پیدا کرنے کے بعد ان پر کامل قبضہ واقتدار اور ہر قسم کے مالکانہ وشہنشاہانہ تصرفات کا حق بے روک وٹوک اسی کو حاصل ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ثم استوی علی العرش کے بعد یدبر الامر وغیرہ الفاظ اور یہاں یغشی اللیل النہار سے اسی مضمون پر متنبہ فرمایا۔ رہا استواء علی العرش کا مبدء اور ظاہری صورت اس کے متعلق وہی عقیدہ رکھنا چاہیئے جو ہم سمع وبصر وغیرہ صفات کے متعلق لکھ چکے ہیں کہ اس کی کوئی ایسی صورت نہیں ہوسکتی جس میں صفات مخلوقین اور سمات حدوث کا ذرا بھی شائبہ ہو پھر کیسی ہے؟ اس کا جواب وہی ہے۔[1]

اے برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم — وز ہر چہ گفتہ اند شنیدیم وخواندہ ایم
دفتر تمام گشت وبپایاں رسید عمر — ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

---

[1] فوائد القرآن ص

اللہ تعالیٰ نے اپنی کوئی صفت اپنی مخلوق کو نہیں دی

انسان کے سمیع وبصیر کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے سمیع وبصیر ہونے سے قطعاً مختلف ہیں یہ نہیں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ صفتیں اپنے بندوں کو دیں. افسوس کہ اہلحدیث (باصطلاح جدید) ہماری اس بات سے اتفاق نہیں کرتے. وہ کہتے ہیں کہ اپنی صرف دو صفتیں اس نے حضورؐ کو دی ہیں:۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک ناموں میں سے دو یعنی الرءوف اور الرحیم آنحضرتؐ کو دے دیئے یہ شرف اور کسی پیغبر کو عطا نہیں کیا.[1]

ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ان دو صفتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں. اس نے اپنی کوئی صفت اپنی کسی مخلوق کو نہیں دی. اس کی صفات رؤف ورحیم کی بھی کوئی ایسی صورت نہیں ہو سکتی کہ اس میں صفات مخلوقیں اور سمات حدوث کا ذرا بھی شائبہ ہو.

سوال. اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان بنائے پھر عرش پر استوار فرمایا. مگر قرآن کریم میں یہ بھی ہے ثم استوی الی السماء کہ یہ استوار آسمان کی طرف تھا. اب بتائیں کہ خدا عرش پہ ہے یا آسمان پر کہیں الیٰ ہے اور کہیں علیٰ. اس کی وجہ کیا ہے؟

الجواب. یہاں استوار سے مراد قصد کرنا ہے پہلے اس نے زمین بنائی. پھر آسمان کی طرف استوار فرمایا اور سات آسمان برابر کیے:۔

ثم استوىٰ الی السماء فسوّاھن سبع سمٰوات. (پ البقرہ ۲۹)

ترجمہ. سو قصد کیا اس نے آسمان کی طرف سو ٹھیک کیا انہیں سات آسمان.

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں حضرت ابوالعالیہ (۹۰ ھ) سے اس کی یہ تاویل نقل کی ہے:۔

قال ابوالعالیہ استوىٰ الی السماء ارتفع فسوّاھنّ خلقھن وقال مجاھد استوی علا علی العرش.[2]

یہاں دنیوی بادشاہوں کی طرح عرش پر بیٹھنا نہیں لیس کمثلہ شئی قرآن کریم کی محکم آیت ہے سو متشابہ کو اس کے تابع کیا جائے گا. پس امام بخاریؒ کے ہاں استوار سے علو شان اور رفعت مرتبت ہی مراد ہو سکتا ہے. اہل حق کے ہاں بس اتنی شرح کی گنجائش ہے لیکن اسے بھی قطعی نہ سمجھے ہم استوار کی حقیقی مراد اللہ ہی کے سپرد کرتے ہیں. حافظ ابن حجر نے یہاں تینوں معنوں کی گنجائش رکھی

---

[1] حاشیہ قرآن ترجمہ مولانا ثناء اللہ امرتسری صفحہ ۴۳ [2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۱۰۳

ہے. ۱. ارتفاع. ۲. علو. ۳. الملک والقدرۃ.

آپ فرماتے ہیں :۔

قال بعض اھل السنۃ معناہ ارتفع وبعضھم معناہ علا وبعضھم معناہ الملک والقدرۃ ومنہ استوت لہ الممالک یقال عن اطاعۃ اھل البلاد وقیل معنی الاستواء التمام والفراغ. [۱]

تمام اور فراغ سے مراد یہ لی جائے گی کہ اس نے اپنے فعل تخلیق کو اتمام بخشا اور یہ اتمام عرش پر ہوا یہ اس کے مخلوقات میں سے سب سے بڑی شئے ہے. اس پر اس نے اپنے عمل خلق کو تمام کیا — حقیقۃً اس سے کیا مراد ہے. سلامتی اسی میں ہے کہ اس پر ایمان ہو لیکن اس کے معنی اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں. زمین آسمان بنانے سے پہلے وہ اپنے عرش پر تھا. (پ۱۲ ہود)

سوال. فاستویٰ علی العرش کا اگر یہ معنی کیا جائے کہ پھر اس نے عرش پر قرار پکڑا تو اس میں کیا حرج ہے ؟

الجواب. یہ ترجمہ تو کیا جا سکتا ہے لیکن عقیدہ اس کے ظاہر معنی پر نہیں رکھا جا سکتا کیوں کہ تمکن اور استقرار مخلوق کی شان ہے. سو یہ آیت فاستویٰ علی العرش متشابہات میں سمجھی جائے گی. اور جو لوگ اس کے ظاہر معنی پر اسے استقرار اور تمکن کے معنی پر لیتے ہیں اور اسی پر عقیدہ رکھتے ہیں وہ مجسمہ میں سے ہیں اور مدعتی ہیں. فتح الباری میں ہے :۔

وقال الجسمیۃ معناہ الاستقرار [۲]

سوال. اگر اس کے یہ معنی کیے جائیں کہ اس نے عرش پر استیلاء فرمایا اور اب اپنے غلبہ اور قوت سے اس پر حکمران ہو تو کیا یہ صحیح ہے ؟

الجواب. آیت ثم استویٰ علی العرش میں لفظ ثم بتلاتا ہے کہ اب اس فعل (استواء) کی ابتداء ہوئی. عربی میں ثم تراخی کے لیے آتا ہے کہ اب اس فعل کی ابتداء ہوئی ہے یہ بات پہلے نہ تھی. ابن بطال کہتا ہے :۔

ثم استویٰ یقتضی افتتاح ھذا الوصف بعد ان لم یکن.

سو یہاں غلبہ اور حاکمانہ قوت کا اظہار مراد نہیں لیا جا سکتا. یہ شان تو اللہ تعالیٰ میں ہمیشہ سے ہے اور ثم کی تراخی سے جو عمل سامنے آیا ہے وہ اس کا اپنی مخلوقات میں تصرف ہے. خدا کا

---

[۱] فتح الباری جلد ۲۸ صفحہ ۱۸۴ [۲] ایضاً

عرش پر استقرار ماننا فرقہ مجسمہ کا عقیدہ ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں :-

واما قول المجسمة ففاسد ایضاً لان الاستقرار من صفات الاجسام ویلزم منہ الحلول والتناهی وهو محال فی حق اللہ تعالیٰ۔[1]

سو حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انہی اوصاف سے مانا جائے جو خود اس نے اپنے بارے میں فرمائے ہمیں ان کا شعور نہ ہو تو اسے اسی کے سپرد کیا جائے لیکن ایمان اس پہ ضرور ہو علو کی شان اس نے خود اپنے لیے بیان کی ہے۔ فرمایا :-

سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون۔ (پ۲۴ الزمر ۶۷)

اس سے علو ذات مراد ہے نہ وہ علو جو کسی حد و نہایت میں مانا جائے۔

امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے شاگرد امام مجاہد سے استویٰ کے یہ معنی نقل کیے ہیں :-

وقال مجاهد استوی علا علی العرش۔[2] وہ عرش پر بلند ہوا۔

ابوداؤد میں ہے :-

ان اللہ فوق عرشه وعرشه فوق السمٰوات۔

سوال۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض محدثین آیاتِ صفات میں تاویل کے قائل بھی رہے جیسا کہ امام بخاری نے حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے۔ ابوالعالیہ سے اس کے معنی انہوں نے ارتفع کے نقل کیے ہیں۔ (وہ بلند ہوا) ؟

الجواب۔ ہاں اہلحدیث (باصطلاح قدیم) کسی درجے میں اس کی مراد ضرور بیان کرتے رہے کہ کہیں لوگ فرقہ مجسمہ کے غلط عقیدے پر نہ آجائیں کہ خدا عرش پہ ہے یہاں نہیں ہے وہاں نہیں ہے۔ بعض بے دین لوگ یہاں تک بکتے ہیں کہ کیا خدا بیت الخلاء میں بھی ہے؟ افسوس انہوں نے اس آیت پر غور نہیں کیا ــــ اور اس منطق پر بھی وہ شرمندہ نہیں ہوتے کہ وہ علماً بیت الخلاء میں بھی ہے۔

وهو معكم اینما کنتم واللہ بما تعملون بصیر۔ (پ۲۷ الحدید ۴)

ترجمہ۔ اور (وہ) اللہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی ہو اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

اس پر یہ کہنے لگتے ہیں کہ وہ باعتبار علم ہمارے ساتھ ہے تو وہاں بھی ہوا تو کیا حرج ہے۔

---

[1] فتح الباری جلد ۲۵ صفحہ ۱۸۱ [2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۸۵

وہ وہاں باعتبار ذات نہیں اور یہ جاہل نہیں جانتے کہ اس کی صفات اس کی ذات کا غیر نہیں ہیں۔

اب جب تم کہتے ہو کہ کیا خدا بیت الخلاء میں بھی موجود ہے؟ تو کیا ہم تم سے پوچھ سکتے ہیں کہ کیا تم اس بات کا دعوےٰ کرتے ہو کہ اللہ کی صفت علم اور قدرت کا ظہور بیت الخلاء میں بھی ہے؟ کیا ایسا کہنا اس کی شان کے خلاف نہیں ہے؟ کیا تم کہہ سکتے کہ ہو کہ اس کی ذات کا بیت الخلاء سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ یہ تعلق ماننا اس کی شان کے خلاف ہے خدا کے فرشتے کراماً کاتبین جو پاک مخلوق ہیں وہ بھی وہاں نہیں جاتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

ونحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ اذ یتلقی المتلقیان عن الیمین و عن الشمال قعید۔ مایلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید۔ (پ ۲۶ ق ۱۸)

ترجمہ۔ اور ہم انسان کی دھڑکتی رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ جب لیتے جاتے ہیں دو لینے والے ایک داہنی طرف بیٹھتا ہے اور ایک بائیں طرف نہیں بولتا وہ کوئی بات مگر یہ کہ اس کے سامنے ہوتا ہے ایک راہ دیکھنے والا تیار۔

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی ؒ لکھتے ہیں :۔

اللہ اندر سے نزدیک ہے اور رگ آخر باہر ہے جان سے۔

اسی لیے فرمایا کہ ہم تمہارے تمہاری شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ اور ایک جگہ یہ بھی فرمایا۔ ایناتولوا فثم وجہ اللہ (پ البقرہ) تم جدھر منہ کرو ادھر اللہ کی ذات ہے۔ جیسی اس کی ذات بے مثال اس کا قرب بھی بے مثال۔ یہ قرب نہ حسی ہے نہ مکانی نہ ہماری۔ اس کی کیفیت ہم جان نہیں پاتے۔

اس جہان کے یہ جہات کے مادی فاصلے — صاف اور گندی جگہ کے فاصلے — پاک اور ناپاک جگہ کے فاصلے — خوشبو اور بدبو کے فاصلے — یہ سب انسانوں کے لیے ہیں اجسام کے لیے ہیں خدا کے لیے نہیں — جس گھر کتا یا تصویر ہو وہاں فرشتہ تو داخل نہیں ہوتا لیکن یہ نہیں کہ اللہ کا علم بھی اس سے دور رہتا ہے۔ علم الٰہی کسی پاک اور ناپاک جگہ میں فاصلہ نہیں رکھتا۔ یہ لوگ جب یہ پوچھتے ہیں کہ کیا خدا بیت الخلاء میں بھی موجود ہے؟ اور پھر ان سے یہ بھی پوچھا جاتا ہے کہ کیا خدا کا علم بیت الخلاء کے اندر بھی اسی طرح ہے جس طرح مسجد میں ہے تو یہ لوگ ششدر ہو کر رہ جاتے ہیں اور کچھ جواب نہیں پاتے۔

اہلحدیث (باصطلاح جدید) اپنے پہلے دور میں اس عقیدے کے نہ تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے کسی سمت اور جہت۔ زمان اور مکان اور کسی نقل و حرکت کا عقیدہ نہ رکھتے تھے۔

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رح لکھتے ہیں :۔

خداوند کریم کے لیے جہت فوق کی طرف ماننا تقاضائے فطرت ہے لیکن اسے کسی جہت میں ماننا اور ہے اور یہی کفر ہے۔[1]

افسوس کہ آج کل کے غیر مقلد اس مسلک سے ہٹ کر مجسمہ کے عقیدے پر آگئے ہیں اور جگہ جگہ کا نام لے کر کہتے ہیں کہ خدا یہاں نہیں ہے وہاں نہیں ہے زمین میں کہیں نہیں ہے آسمانوں میں بھی نہیں ہے وہ صرف عرش پر ہے اور وہیں سے اس کی صفات دنیا میں کام کر رہی ہیں وہ صرف ایک ہی جگہ ہے۔ خدا کو اس طرح کسی زمان یا مکان کے ساتھ خاص کرنا یہ ایک بدعتی عقیدہ ہے۔ فرقہ مجسمہ اپنے اس بدعتی عقیدہ کی بنا پر نہ یہاں ہدایت پر ہیں نہ وہاں فلاح پاسکیں گے ؛

اہلحدیث (باصطلاح جدید) سے ایک سوال

قرآن کریم میں جس طرح یہ کہا گیا ہے۔ ھومعکم اینما کنتم (وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی ہو۔) تو اگر کوئی کہے کہ ہم جب بیت الخلاء میں ہوتے ہیں کیا اس وقت بھی وہ باعتبار علم ہمارے ساتھ ہوتا ہے ؛ تو کیا اس میں اس پر کوئی گرفت آئیگی ؟ اگر وہ کہے کہ آیت میں اس کا علماً ہر جگہ ہونا ہے تو پھر اس سے پوچھا جائے کہ اگر کوئی اسی معنی سے کہے کہ وہ بیت الخلاء میں بھی علماً ہمارے ساتھ ہے تو کیا اس میں اسے ذات جل وعلیٰ کی بے ادبی کا الزام دیا جا سکے گا ؟ اگر خدا کے ہر جگہ ہونے کا عقیدہ پھیلانا مقصود نہ ہوتا تو قرآن کریم یہ نہ کہتا۔ ھو معکم اینما کنتم (گو اس میں علماً کی قید منطوی کیوں نہ ہو) سو اسے اس آیت کی رو سے اس کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کی برابر تعلیم دی جا سکے گی۔

سوال۔ استوار اس کی صفت ذات ہے یا صفت فعل ؟

الجواب ۔ ثم استویٰ علی العرش۔ جملہ فعلیہ ہے عرش پیدا کرنے سے پہلے وہ عرش پر نہ تھا۔ سو یہ استوار اس کی صفت ذات نہیں صفت فعل ہے۔ ہاں اس کے معنی عرش پر بیٹھنے کے نہ کیے جائیں بلند ہونے کے کیے جائیں تو یہ صفت ذات ہو سکتی ہے۔ امام بخاری رح نے امام مجاہد رح (ص۱۰۰)

---

[1] شہادۃ القرآن ص۱۶۶ ۔ صہ واللہ تعالیٰ لیس لا و لیتہ حد ولا منتہی وقد کان ولا لیتہ وحدہ ولا عرش معہ۔ عینی علی البخاری جلد ۲ ص۱۱۱

سے استوار کے معنی علا نقل کیے ہیں۔ اس اجمالی تاویل سے انسان تفویض سے نہیں نکلتا۔

حضرت علامہ عینی (۸۵۵ھ) نقل کرتے ہیں:۔

والصحیح تفسیر استویٰ بمعنی علا کما قال مجاھد علیٰ ما یأتی الاٰن و هو المذهب الحق وقول معظم اهل السنة لان الله سبحانه و تعالیٰ وصف نفسه بالعلیٰ واختلف اهل السنة هل الاستواء صفة ذات او صفة فعل فمن قال معناه علا قال هی صفة ذات ومن قال غیر ذلك قال هی صفة فعل[1]

ترجمہ۔ صحیح یہ ہے کہ استوار کی تفسیر علا (وہ بلند ہوا) سے ہو جیسا کہ (مشہور تابعی مفسر) امام مجاہد نے کی ہے جو صحیح بخاری میں دی گئی ہے اور وہی مذہب حق ہے اور اہل سنت کے بڑے اکابر سب اسی پر رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے علو خود اپنی صفت بتائی ہے (فرمایا سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون) ہاں اہل سنت کا اس میں اختلاف ہے کہ استوار اللہ تعالیٰ کی صفت ذات ہے یا صفت فعل؟ جس نے اس کے معنی بلند ہونے کے کیے اس نے کہا یہ صفت ذات ہے اور جنہوں نے اس کے اور معنی کیے وہ کہتے ہیں یہ صفت فعل ہے۔

حضرت جبیر بن مطعم اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں:۔

ان الله فوق عرشه و عرشه فوق السمٰوات۔[2]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ فوق العرش ہیں اور اس کا عرش آسمانوں کے اوپر ہے۔

اور حضورؐ نے یہ بھی فرمایا:۔

والذی نفس محمد بیده لو انکم دلیتم بحبل الی الارض السفلیٰ لهبط علی الله ثم قرء هو الاول والاٰخر والظاهر والباطن و هو بکل شیء علیم قال ابو عیسٰی قرأة رسول الله صلی الله علیه وسلم الاٰیة تدل علیٰ انه اراد لهبط علیٰ علم الله وقدرته وسلطانه وعلم الله و قدرته و سلطانه فی کل مکان و هو علی العرش کما وصف فی کتابه۔[3]

---

[1] عمدۃ القاری جلد ۵ ص ۱۱۱ [2] سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۹۴ جامع الاصول جلد ۴ ص ۲۳

[3] جامع ترمذی جلد ۲ ص ۴۳۶ مسند احمد جلد ۲ ص ۳۷۰ جامع الاصول جلد ۴ ص ۲۲

ترجمہ. قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کوئی رسی تم نیچے زمین کی طرف ڈالو تو وہ اللہ تک جا پہنچے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ وہ اول ہے وہ آخر ہے وہ ظاہر ہے اور وہ باطن ہے اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں حضورؐ کا اس موقع پر یہ آیت پڑھنا بتاتا ہے کہ آپ رسی کے اللہ تک پہنچنے سے مراد اس کا اللہ کے علم میں آ ملنے رہے ہیں کہ یہ اس کے علم میں ہے اس کی قدرت میں ہے اس کی سلطنت میں ہے اور بے شک اس کا علم اس کی قدرت اور اس کی سلطنت ہر جگہ ہے اور وہ خود عرش پر ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

حدیث کے الفاظ لہبط علی اللہ کے ہی ہیں اللہ سے یہاں علم اللہ مراد لینا اور کہنا کہ یہاں ذاتِ الٰہی سے مراد علم الٰہی ہے کیا یہ صفت الٰہی کی تاویل نہیں؟ جب یہ محدثین اتنی تاویل روا رکھتے ہیں تو اب تفویض کے کیا معنی رہ گئے۔ چاہیئے تھا کہ یہ محدثین بھی اسے آیاتِ صفات کی طرح بلا تاویل رکھتے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مراد بہتر جانتے ہیں۔

اہل ظاہر جس طرح اللہ رب العزت کے عرش پر ہونے سے مراد حسبِ ظاہر اس کا عرش پر بیٹھنا یا جمنا لے رہے ہیں چاہیئے تھا یہاں بھی (اس رسی کے اللہ تک پہنچنے سے مراد) ظاہری معنی ہی لیتے یہاں وہ تاویل کے گرد کیوں ہو گئے۔

تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کی کسی صفت میں اس کی شریک نہیں، یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم میں بندوں کے لیے بھی سمیع و بصیر کے الفاظ ملتے ہیں وجعلناہ سمیعًا بصیرًا لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ جب یہ نام اللہ تعالیٰ کے لیے آئیں تو اللہ کی ان صفات میں اور بندوں کی صفات سمیع و بصیر میں کوئی قدر مشترک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اور بندوں کی صفات میں کہیں اور کسی درجے میں اشتراک نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے کسی کو اپنی صفات میں شریک نہیں کیا لیکن اہلحدیث (باصطلاح جدید) کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف دو ناموں میں شریک کیا ہے اور کسی دوسرے پیغمبر کو نہیں۔ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کے ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر ہے:

اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک ناموں میں سے دو نام الرؤف اور الرحیم آنحضرت کو دے دیئے یہ شرف اور کسی پیغمبر کو عنایت نہیں کیا۔ [1]

---

[1] ایضاً ص ۲۴۸

سوال :عرش مخلوق ہے یا نہیں ؟ اللہ عرش پر ہے خالق اور مخلوق کا یہ جوڑ اتصال کا ہے یا علو ذات کا ؟

الجواب .ذاتِ واجب اور ذاتِ ممکن میں علاقہ اتصال نہیں. اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی اولیت نہیں اور عرش کی ایک اولیت ہے اس سے پہلے وہ نہ تھا اللہ وحدہ لاشریک اس سے پہلے بھی تھا سو یہ کہنا کہ وہ عرش پر جما ہوا ہے کسی طرح صحیح نہیں.

اہل حدیث نے استواء کے معنی یہ لیے ہیں کہ عرش پر بلند ہوا یا بیٹھا یا چڑھ گیا یا جما.... استواء اس پروردگار عالم کی ایک صفت ہے اور اس سے ظاہری معنی بلا تاویل مراد ہے۔[1]

جب ظاہری معنی بلا تاویل مراد ہیں پھر یہ کہنا کیسے درست رہے گا کہ اس کی کیفیت مجہول ہے ؟ اس سے تو مراد واضح ہو گئی .

حافظ بدرالدین العینیؒ (۸۵۵ھ) فرماتے ہیں :۔

واللّٰہ تعالیٰ لیس لاولیّتہ حد ولا منتھی وقد کان فی اولیّتہ وحدہ ولا عرش معہ .[2]

ترجمہ. اور اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی ابتدا نہیں ہے اور نہ اس کے لیے کوئی انتہا ہے وہ اپنی اولیت میں اکیلا تھا اور اس کے ساتھ عرش نہ تھا.

اور یہ بھی لکھتے ہیں :۔

وقد اتفقت اقاویل اھل التفسیر علی ان العرش ھو السریر وانّہ جسم ذو قوائم.... وھذا صفة المخلوق لدلائل قیام الحوادث بہ من التالیف وغیرہ . [3]

ترجمہ. اور اہل تفسیر سب اس بات پر متفق ہیں کہ عرش ایک تخت ہے اور وہ ایک جسم ہے جس کے پائے ہیں.... اور یہ مخلوق کی صفت ہے (خالق کی نہیں) عرش کے حادث ہونے کے دلائل اس پر قائم ہیں جیسے جوڑ بانا وغیرہ.

ہم نہیں سمجھتے کہ اہل حدیث (باصطلاح جدید) کا ظاہری معنی میں یہ عقیدہ کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ عرش پر جما ہوا ہے کیوں کر درست ہو سکتا ہے عرش تو اس لیے بنا تھا کہ اللہ کے فرشتے عبادت

---

[1] حاشیہ ترجمہ قرآن مولانا ثناء اللہ امرتسری ص۱۸۸ [2] عینی علی البخاری جلد ۲ ص۱۱۱ [3] ایضاً

میں اس طرف رُخ کریں بیت المعمور قبلہ ملائکہ ہے ۔[1]

زنگ لوہے پر جمتا ہے کیونکہ دونوں کی اصل ایک ہے ۔ ذاتِ واجب کا ممکن پر بیٹھنا یا جمنا کیسا ؟ اللہ تعالیٰ بلند و برتر ذات ہے اور اس کے حضور سمات حدوث کا کوئی شائبہ نہیں ۔

حاشیہ جمل علی الجلالین میں ہے :-

آیات صفات کو ظاہر معنی سے ہٹانا واجب ہے تاکہ وہ الفاظ ان معنی میں نہ سمجھے جائیں جس طرح وہ مخلوق کے لیے استعمال ہوتے ہیں آیت لیس کمثلہ شیء اس پر نص ہے ۔ سوا اسے ظاہری معنی سے ہٹا کر پھر اس کا علم اللہ کے سپرد کیا جائے یہ تفویض ہے ۔

اگر ان آیات صفات کے ظاہر معنی کی نفی نہ کی جائے تو ہم اہل تشبیہ سے ہو جائیں گے ۔ اہل تفویض سے نہیں اور ظاہر ہے کہ یہ حق کی راہ نہیں ہے ۔

اس تفصیل سے ہم یہ بتا رہے ہیں کہ اہل حدیث (باصطلاح جدید) کا یہ عقیدہ کہ استواء سے ظاہری معنی بلا تاویل مراد لیے جائیں ہرگز تفویض نہیں یہ تشبیہ ہے جو ہرگز درست نہیں ۔ جن معنی سے یہ لفظ مخلوق کے لیے استعمال ہوتا ہے ان ظاہر معنی سے اسے ہٹانا ضروری ہے ۔ پھر ان کی مراد اللہ کے سپرد کی جائے ۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم ۔ قاضی بیضاوی لکھتے ہیں :۔

والاولیٰ اتباع السلف فی الایمان بھا بعد نفی ما یقتضی التشبیہ والتجسیم والرد الی اللہ تعالیٰ ۔[2]

---

[1] اگر ہم دعا میں آسمان کی طرف دھیان کرتے ہیں تو یہ اس لیے نہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے بلکہ اس لیے کہ آسمان قبلہ دعا ہے اور یہ اسی طرح ہے جیسے کعبہ قبلہ نماز ہے یہ نہیں کہ خدا وہاں استقرار کیے ہیں ۔ شرح مواقف کے حاشیہ حسن چلپی میں ہے ۔

قد یستدل علی التغیر لشیوع رفع الایدی الی السماء عند الدعاء فانہ طریقۃ متوارثۃ من السلف والجواب ان ذلک الرفع لیس لان المدعو فی السماء تعالیٰ عن ذلک بل لان السماء قبلۃ الدعاء کما ان الکعبۃ شرفہما اللہ تعالیٰ قبلہ للصلوات ۔

(شرح مواقف جلد ۸ صـ۲۴)

[2] مطالع الانظار صـ۱۸۳ لابی الثناء شمس الدین (۷۴۹ ھ) طبع الخیریہ مصر ۔ تفسیر روح المعانی صـ۱۵۷ ج ۱۶

جلالین کے حاشیہ جمل میں مسلک تفویض کی پوری وضاحت کی گئی ہے

هذه طريقة السلف الذين يفوضون علم المتشابه الى الله بعد صرفه عن ظاهره وطريقة الخلف التاويل بتعيين محمل اللفظ فيؤولون الاستواء بالاستيلاء اى التمكن و التصرف بطريق الاختيار. (جمل على الجلالين جلد ۳ ص ۴۵)

اس سے پہلے اسی میں یہ بھی ہے کہ علماء اہل السنۃ کا اس پہ اجماع ہے کہ متشابہ کے ظاہر معنی یہاں ہرگز مراد نہیں۔

وعلماء السنة بعد اجماعهم على ان معانيها الظاهرة غير مرادة.

اس سے حقیقت کا انکار نہیں ہوتا حقائق اور ظواہر میں فرق ہے ظاہر معنی کی نفی سے حقیقی معنی کی نفی نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کے لیے حدیث میں لفظ نزول بھی آتا ہے اسے اس کے ظاہر معنی میں لیا جائے تو یہ مخلوق سے ایک کھلی تشبیہ ہو گی۔ العیاذ باللہ۔ اور یہ کھلا جہل ہے۔ روح المعانی میں استواء علی العرش کی بحث میں ہے۔

ثم ان هذا القول ان كان مع نفى اللوازم فالامر فيه هين وان كان مع القول بها والعياذ بالله تعالى فهو ضلال واى ضلال وجهل واى جهل بالملك المتعال.

ترجمہ پھر یہ بات اگر ظاہری معنی کی نفی سے کہی جائے تو اس کی بیشک گنجائش ہے اور اگر اسے اس کے ظاہری معنی پر رکھیں اور اللہ اس سے بچائے تو یہ ایک کھلی گمراہی اور جہالت ہے

وقد توسط ابن الهمام فى المسايرة وقد بلغ رتبة الاجتهاد... ما حاصله وجوب الايمان بانه تعالى استوى على العرش مع نفى التشبيه. (روح المعانی جلد ۱۶ ص ۱۵۶)

وبالجملة يجب تنزيهه تعالى عن مشابهة المخلوقين وتفويض ما جاء به من المتشابهات اليه عز شانه والايمان بها على الوجه الذى جاءت عليه. (الیغ جلد ۸ ص ۱۱۱)

ومتى قالوا بنفى اللوازم بالكلية اندفع عنهم ما تقدم من الاعتراضات وحفظوا عن سائر الآفات وهذه الطائفة قيل هم السلف الصالح وقيل ان السلف بعد نفى ما يتوهم من التشبيه يقولون لا ندرى ما معنى ذلك والله تعالى اعلم بمراده (پ ۱۲ ص ۱۵۹)

تمام اہم تفسیروں میں اس بحث میں مخلوق کی مراد اسے اللہ رب العزت کی تنزیہہ اور پاکی بیان کی گئی ہے۔ کوئی ایسا لفظ جو مخلوق کے لیے استعمال ہوتا ہو وہ اللہ کے لیے نفی تشبیہ کے بغیر نہیں لایا جا سکتا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اسے کنایہ پر محمول کرنے سے حقیقت کا انکار لازم نہیں آتا۔ اور جو تفسیر بعض سلف نے اس آیت سے سمجھی ہے ہم اس سے بھی انکار پر نہیں آتے ۔۔۔ وہ مجاز ہے جس سے حقیقت کی نفی ہوتی ہے نہ کہ کنایہ۔ اس میں حقیقت سے انکار نہیں ہوتا۔

فسرته بجملی ایاہ علی الکنایۃ عن تدبیر کما یؤیدہ قولہ تعالیٰ فی بعض الاٰیات بعد الاستواء یدبر الامر وانما حملته علیها لسهولة فهمه للعوام والارجح حمله علی الحقیقة وتفویض حقیقتها الی اللہ تعالیٰ ولا یرد ان الملک لم یزل للہ تعالیٰ فما معنی تأخرہ عن خلق العالم لانی اقول ان المراد التدبیر الخاص فی السمٰوٰت والارض ظاهر انه یتاخر عن خلقهما ولا یلزم منه حدوث الصفة بل حدوث الفعل ولا محذور فیه فافهم۔ [1]

ترجمہ میں نے کنایہ کے طور پر استوار کی تفسیر تدبیر امر سے کی ہے جیسا کہ یہ بات بعض آیات میں صفت استوار کے ساتھ ہی مذکور ہے۔ ثم استوی علی العرش یدبر الامر (پ یونس) میں نے اسے کنایہ پر اس لیے محمول کیا ہے کہ اسے عوام کے لیے کچھ سہل کر سکوں اور راجح یہی ہے کہ اسے صرف حقیقت پر حمل کیا جائے اور اس کی حقیقت اللہ رب العزت کے ہی سپرد کریں۔ یہی تفویض ہے یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ خدا کی یہ بادشاہی تو خدا کے لیے ہمیشہ سے چلی آرہی ہے۔ سو اس آیت میں اس کے خلق عالم سے متاخر ہونے کے کیا معنی؟ میں کہتا ہوں اس سے مراد اس کی وہ تدبیر خاص ہے جو اس نے آسمانوں اور زمین میں کی اور یہ واقعی خلق السمٰوات والارض سے متاخر ہے اس سے حدوث صفت کا شبہ نہ کیا جائے یہ حدوث فعل ہے جو اس تاخر میں وجود میں آیا ہے اور اس پر کوئی محذور لازم نہیں آتا نہ یہ بات کسی دوسری محکم آیت سے ٹکراتی ہے۔

---

[1] امداد الفتاویٰ جلد ۶ صہ ۲۶

یہ صرف مفسرین ہی نہیں کہتے کہ ظاہر متبادر معنی کی نفی ضروری ہے محدثین بھی یہی کہتے ہیں، علامہ ابوالطیب شرح ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث مرفوع ینزل ربنا عزوجل کل لیلة الیٰ سماء الدنیا کے تحت لکھتے ہیں :۔

نزوله تعالیٰ من المتشابهات فالتکلم فیه صعب الا ان فیه مذهبین فمذهب جمهور السلف وبعض المتکلمین الایمان بحقیقته علی ما یلیق بجنابه تعالیٰ وان ظاهره المتعارف غیر مراد ولا نتکلم فی تاویلها مع اعتقادنا تنزیه الله سبحانه وتعالیٰ عن سمات الحدوث وعلامات الامکان والثانی مذهب اکثر المتکلمین و جماعة قلیلة من السلف انها تؤول علی ما یلیق بحسب مواطنها[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کا آسمان دنیا پر اُترنا متشابہات میں سے ہے سو اس میں کلام کرنا بہت مشکل ہے ہاں اتنا معلوم ہے کہ اس میں دو مذہب ہیں۔ ایک مذہب جمہور سلف اور بعض متکلمین کا ہے وہ یہ کہ اس کی حقیقت جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے اس پر ایمان لایا جائے اور مانا جائے کہ اس کے ظاہر معنی جو سمجھ میں آتے ہیں وہ یہاں مراد نہیں اور نہ ہم اس کی یہ اعتقاد رکھتے ہوئے کہ وہ حدوث اور امکان کی تمام علامات سے بالا اور پاک ہے کوئی تاویل کریں گے اور دوسرا مذہب اکثر متکلمین اور سلف کے جید علماء کا ہے کہ ان متشابہات کی اپنے مواقع ورود کے مناسب کوئی تشریح کر لی جائے۔

سو اس دوسرے موقف میں بھی ملحوظ رہے کہ ان الفاظ کو ان کے ظاہر معنی سے بالا رکھا جائے کہ اس کے ظاہر معنی یہاں ہرگز مراد نہیں ہیں۔ اس طرح تفویض میں بھی اس کے ظاہر متبادر معنوں کی کھلے طور پر نفی ضروری ہے۔ اس کے ظاہر معنی پر جو لوگ ایمان رکھتے ہیں وہ فرقہ مجسمہ کے لوگ ہیں انہیں اہلحدیث سمجھنا ہرگز روا نہیں۔

---

[1] حاشیہ سنن ابی داؤد جلد ۲ ص۱۸۶ انقلاً عن التعلیق المحمود

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا

لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ

ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ (الروم ۳۰)

اسلام دینِ فطرت ہے

زندگی کے تمام دائروں میں اُن کے ماہرین پر اعتماد کرنا انسان کی فطرت ہے

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :۔

ایک تمدن میں رہنے والے انسان زندگی کے مختلف دائروں میں ایک دوسرے سے مدد لیتے ہیں اور ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ کسان شروع سے مٹی کے برتن کمہاروں سے لیتا رہا اور کمہار اپنے لیے غلہ کسانوں سے لیتے رہے۔ حکیم اور ڈاکٹر سلائی کا کام درزیوں سے لیتے رہے اور درزی سینے کے لیے کپڑا کلاتھ مرچینٹ سے یا کپڑا بننے والوں سے لیتے رہے اور دین میں یہ سب لوگ اپنی مساجد کے اماموں پر اعتماد کرتے رہے اور وہ اپنی ضرورتیں ان مختلف دائروں کے کارکنوں سے پوری کرتے رہے۔ اسلام نے اس طرح اسباب سے مدد لینے کو کبھی ایاك نعبد و ایاك نستعین کے خلاف نہیں کہا۔

اس دور میں بھی ڈاکٹروں انجینئروں بیرسٹروں معماروں اور اکاؤنٹنٹس پر لازم نہیں کہ وہ دین کے عالم بھی بنیں تاکہ دین پر عمل کر سکیں۔ ان کے لیے ازراہِ تقلید دین پر عمل کرنا جائز رکھا گیا۔ اگر ہر شخص کے لیے عالم بننا فرض کیا جائے تو پروفیشنلز کی یہ تمام لائنیں بیکار ہو جائیں گی اور زندگی کا کاروبار معطل ہو کر رہ جائے گا۔

ہر دائرہ زندگی میں اس موضوع کے جاننے والے دونوں طرح کے لوگ ملیں گے قرآن کریم نے دینی علم جاننے والوں اور نہ جاننے والوں دونوں کا وجود تسلیم کیا ہے۔ نہ جاننے والوں کو زندگی کے کسی عملی میدان سے لا باہر نہیں کیا۔ ہاں دونوں کو برابر تسلیم نہیں کیا۔

قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون ۔ (پ ۲۳ الزمر ۹)

ترجمہ۔ آپ ان سے پوچھیں کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے کبھی ایک ہو سکتے ہیں۔

پھر نہ جاننے والوں کو کہا کہ تم جاننے والوں سے پوچھ لیا کرو :۔

فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون۔ (پ ۱۷ الانبیاء ۷)

ترجمہ۔ سو اگر تم خود نہ جانو تو جاننے والوں سے پوچھ لیا کرو۔

مفتی کے لیے تو لازم کیا کہ وہ دین کا علم سیکھے ہوئے ہو لیکن اس کی پیروی کرنے والے کو

اس کے غلط عمل پر گنہگار نہ ٹھہرایا بلکہ اس کا گناہ اس مفتی پر ڈالا جو غلط مسئلہ بتائے۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا :۔

من افتی بغیر علم کان اثمه علی من افتاہ۔[1]

ترجمہ: جو شخص علم نہ رکھتا ہو اور وہ کسی سے فتوے حاصل کرے تو (فتوے غلط ہونے کی صورت میں) اس عامی کا گناہ فتوے دینے والے پر ہوگا۔

اگر دین کا علم جاننا ہر شخص پر فرض ہوتا تو غلط فتوے پر عمل کرنے والا بھی قصور وار ٹھہرایا جاتا جب اس کو قصور وار نہیں ٹھہرایا گیا تو معلوم ہوا کہ دین میں بھی دینی علم جاننے والوں پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور تقلید سے کوئی شخص گنہگار نہیں ہو جاتا۔

تقلید کس کی کی جائے؟ اس کی جو پختہ عالم ہو اور دین کو اس کے اُصولوں سے جانتا ہو کتاب وسنت سے اصالۃً اور یہاں مسئلہ نہ ملنے کی صورت میں اجماع وقیاس کے ذریعے مسئلے کو جان سکے۔ اس طرح مسائل جاننے والوں کو مجتہد کہتے ہیں اور مسلمان اس صورت عمل میں صرف دو ہی درجے کے ملیں گے۔ مقلد (عوام) اور مجتہد سو یاد رکھیے مقلد کا مقابل لفظ مجتہد ہے غیر مقلد علمی دنیا میں ایک بے معنی اصطلاح ہے کوئی سمجھ دار آدمی اس اصطلاح کے دامن میں لگ کر اپنے آپ کو بے آبرو کرلے کے لیے راضی نہ ہوگا۔

اسلام دینِ فطرت ہے زندگی کے تمام دائروں میں ان کے ماہرین پر اعتماد کرنا انسان کی فطرت ہے۔ جو لوگ یہ کہیں کہ علم ابدان میں ڈاکٹروں پر اعتماد کرو ان سے دلیل کی تحقیق تم نہ کر سکو گے۔ انجینئرنگ کے بارے میں انجینئرز پر اعتماد کرو خود اس فن میں فیصلے نہ کرو۔ مقدمات میں بیرسٹرز اور وکلاء پر اعتماد کرو ہر شخص قانون کا ترجمان نہ بنے لیکن دین کی لائن میں وہ کہیں کہ ہر شخص عالم بنے مسائل کو ان کے دلائل سے سیکھے تو یہ آواز کیا فطرت سے ایک کھلا تصادم نہ ہوگا ہر شخص اگر عالم بنے تو اس سے جملہ صنائع عالم کیا بیکار نہ ہو جائیں گی۔

بارھویں صدی کے مجدد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :۔

قلت الواجب الاصلی ھو ان یکون فی الامۃ من یعرف الاحکام الفرعیۃ من ادلتھا التفصیلیۃ اجمع علی ذالک اھل الحق۔[2]

ترجمہ: اصل ضروری چیز یہ ہے کہ امت میں ایسے لوگ ہوں جو فروعی احکام کو ان کے تفصیلی دلائل سے جانتے ہوں۔

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۵۹ [2] الانصاف ص۔۔۔

وعلی هذا ینبغی ان یقاس وجوب التقلید للامام بعینہ فانہ قد یکون واجبًا۔[1]

فاذا کان الانسان جاهلًا فی بلاد الهند او بلاد ماوراء النهر ولیس هناك عالم شافعی ولا مالکی ولا حنبلی ولا کتاب من کتب هذہ المذاهب وجب علیہ ان یقلد بمذهب ابی حنیفۃ ویحرم علیہ ان یخرج من مذهبہ لانہ حینئذ یخلع من عنقہ . . . . ربقۃ الشریعۃ۔[2]

اسلام دین فطرت ہے اس کی تیرہ صدیوں میں علم کی وراثت مجتہدین کے پاس رہی اور دینی علم کو اس کے کلیات سے نہ جاننے والے ان کی پیروی میں اسلام کے تقاضوں پر عمل کرتے رہے۔ علمی دنیا میں یہ دو ہی لفظ تھے مقلد اور مجتہد غیر مقلدین کا گروہ اسلام کی تیرہ صدیوں میں کہیں نہ پایا گیا۔ دین اسلام کا کوئی عمل ایسا نہیں جو کائنات کے فطری اصولوں سے ٹکرائے۔ اسلام کی کوئی بات جو نقل صحیح سے ثابت ہو کبھی عقل سلیم کے خلاف نہ ٹھہرے گی۔ اسلام کے دائرہ عمل میں نقل صحیح اور عقل سلیم میں کہیں تصادم نہ ہوگا۔

فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیها لا تبدیل لخلق اللّٰہ ذٰلك الدّین القیّم ولٰکن اکثر النّاس لا یعلمون. (پ۲۱ الروم ۳۰)

ترجمہ۔ وہ تراش اللہ کی جس پر تراشا اس نے لوگوں کو۔ بدلنا نہیں اللہ کے بنائے ہوئے کو۔ یہی ہے دین قیم لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

ایک دانشور نے مسئلہ پوچھا کہ ائمہ دین میں جس طرح اور کئی مسائل میں اختلافات ہیں کوئی نماز میں آمین آہستہ کہتا ہے کوئی آمین بالجہر کا قائل ہے تو کیا مسئلہ اذان میں بھی کوئی اختلاف ہے کہ کوئی شخص اذان آہستہ کہنے کا قائل ہو۔

ہم نے کہا تم خود سوچو کہ نماز کے لیے اذان کیوں دی جاتی ہے؟ اذان لوگوں کو نماز کے لیے بلانا ہے۔ اذان سے لوگ جان لیتے ہیں کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ اب آپ ہی سوچیں کیا اذان آہستہ کہنے سے یہ مقصد پورا ہو سکتا ہے؟ اذان بالسر کی یہ صورت ہے کہ اذان سننے والے لوگ یہی کلمات اذان اپنی زبان میں بھی دہراتے رہیں ظاہر ہے کہ اسے تو کوئی دوسرا سن نہیں رہا ہوتا لیکن اسے اصطلاحًا اذان دینا نہیں کہتے۔ یہ صرف اس حدیث پر عمل ہے:۔

اذا سمعتم الاذان فقولوا مثل ما یقول المؤذن ثم صلوا علیّ۔[3]

ترجمہ جب تم اذان سنو تو وہ کہو جو اذان دینے والا کہہ رہا ہے پھر مجھ پر درود پڑھو۔

---

[1] الانصاف صد [2] ایضًا ص۵۳ [3] صحیح مسلم جلد ۱ ص۱۸۸

اس کی تسلی ہو گئی مگر اس نے پوچھا کہ فرمائیے کہ مقتدی جب آمین بالجہر کہتے ہیں تو وہ کن کو سُنا رہے ہوتے ہیں؟ امام کا آمین بالجہر کہنا تو سمجھ میں آتا ہے کہ مقتدی سُن لیں لیکن مقتدیوں کا آمین بالجہر کہنا کس کو سنانے کے لیے ہوتا ہے۔ کیا آمین کا درجہ تکبیر سے بھی زیادہ ہے۔ مقتدی تکبیریں تو آہستہ کہتے ہیں بالجہر نہیں لیکن یہ آمین بالجہر کس لیے ہے؟ کیا یہ صحیح بخاری میں ہے کہ صحابہؓ آپ کے پیچھے بلند آواز سے آمین کہتے تھے؟

ایک اہلحدیث (باصطلاح جدید) پاس کھڑا تھا کہنے لگا ہم فرشتوں کو سنانے کے لیے آمین کہتے ہیں۔ فرشتے اونچا سنتے ہیں ان سے موافقت پیدا کرنے کے لیے آمین بالجہر کہی جاتی ہے؟ ہم نے کہا کیا ان کے لیے امام کا آمین بالجہر کہنا کافی نہ تھا؟ کیا یہ کسی حدیث میں ہے کہ فرشتے امام کا جہر نہیں سنتے صرف مقتدیوں کا جہر سنتے ہیں؟ اس اہلحدیث نے کہا نہیں یہ کسی حدیث میں نہیں ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ایک حدیث بھی نہیں کہ صحابہ کرامؓ حضورؐ کے پیچھے نماز میں آمین اونچی آواز سے کہتے تھے۔

فطرت تقاضا کرتی ہے کہ آواز اونچا کرنے کا کوئی منشاء ہونا چاہیئے۔ مقتدی جب آمین کہنے کے لیے آواز بلند کرتے ہیں تو کس لیے؟ کس کو سُنانے کے لیے؟ یہ فرشتوں کو سنانے کے لیے نہیں ہو سکتا۔ ہاں آمین کی غرض البتہ معلوم کی جا سکتی ہے۔ وہ یہ کہ مقتدی امام کی پڑھی سورت فاتحہ کو آمین کہہ کر اپنے کھاتے میں بھی ڈال لیں اس طرح فاتحہ ان کی نماز میں بھی آجائے گی۔ لیکن یہ اونچی آواز سے کہنا معلوم نہیں اس کی حکمت کیا ہے۔

ایک صاحب کہنے لگے نمازیوں کو جگانے کے لیے آمین اس طرح کہی جاتی ہے کہ مسجد گونج اٹھے۔ پھر ہم نے پوچھا جن کے نمازی نماز میں نہ سوتے ہوں وہ تو آمین بالجہر نہ کہیں؟ وہ کہنے لگے کہ آپ لوگ بھی تو عیدالاضحیٰ کے دنوں میں نماز کے بعد اونچی آواز سے تکبیرات کہتے ہیں؟ ہم نے کہا کہ شریعت کا یہ حکم ایام تشریق کے عام اعلان کے لیے بھی تو ہو سکتا ہے۔

جب پندرہ بیس آدمی اپنے طور پر سورۃ فاتحہ پڑھ رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ سب ایک رفتار سے تو نہیں پڑھ رہے ہوتے اب اگر آمین سورۃ فاتحہ ختم ہونے پر کہی جائے تو ظاہر ہے کہ ہر ایک کی فاتحہ اس کے اپنے پڑھنے پر ختم ہو گی۔ تو چاہیئے تھا کہ مقتدیوں کی آمین بھی اپنی اپنی ہو۔ جب ہر ایک کی سورۃ فاتحہ اپنی اپنی ہے تو آمین اپنی اپنی کیوں نہیں۔ یہ مشترکہ آمین امام کی آمین سے کیوں وابستہ کی گئی جب آمین سب کی ایک ہے تو معلوم ہوا کہ وہ اپنی اپنی فاتحہ پڑھنے والے نہ تھے ورنہ ان کی دو آمینیں ہو جائیں ایک اپنی سورۃ فاتحہ پڑھنے پہ اور ایک امام کی سورۃ فاتحہ

پڑھنے پر

ہم اس وقت اس مسئلے سے بحث نہیں کر رہے کہ یہ دو آمینیں کیسے کہی جا سکیں گی بات دینِ فطرت کی ہو رہی تھی. فطرت تقاضا کرتی ہے کہ جب کوئی شخص یا جماعت مل کر آواز نکالے تو اس کا کوئی مقصد ضرور ہونا چاہیئے. اگر کسی کو سُننا مقصود نہیں تو اتنا اونچا کہنا کہ مسجد گونج اُٹھے یہ آخر کس لیے ہے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار.

جہری نمازوں میں امام کا سُورۃ فاتحہ پڑھنا کیا بیکار عمل ہے؟

کیا دینِ فطرت اجازت دیتا ہے کہ امام بلند آواز سے سورۂ فاتحہ پڑھے اور مقتدیوں کو حکم ہو کہ تم نے سننا نہیں. یہ کیسا بے کار عمل ہے جو کسی مقصد کے لیے نہ ہو مقتدی اپنی اپنی سورۃ فاتحہ پڑھیں غور کیجیے پھر آخر امام کس لیے جہر سے فاتحہ پڑھ رہا ہے یہ کیسا غیر فطری عمل ہے کہ امام کو تو کہا جائے کہ اونچی آواز سے سورۃ فاتحہ پڑھ اور مقتدیوں کو کہا جائے تم نے سننا نہیں.

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

فالمقصود بالجهر استماع المامومين واذا يومنون على قرأة الامام فى الجهر دون السر فاذا كانوا مشغولين عنه بالقرأة فقد امروا ان يقرأ على قوم لا يستمعون لقرأته وهو بمنزلة من يحدث من لا يستمع لحديثه ويخطب من لا يستمع لخطبته وهذا سفه تنزه عنه الشريعة ولهذا روى فى الحديث مثل الذى يتكلم والامام يخطب كمثل الحمار يحمل اسفارا وهكذا اذا كان يقرأ والامام يقرأ عليه.[1]

ترجمہ. اونچی آواز نکالنے سے مقصد مقتدیوں کو سنانا ہے جب وہ جہری نمازوں میں امام کی قرأت پر آمین کہتے ہیں تو اگر وہ خود پڑھنے میں امام سے غیر متوجہ ہوں تو اس کا حاصل یہ ہوگا کہ امام ان لوگوں کے سامنے پڑھ رہا ہے جو اسے سننے کے لیے تیار نہیں (اپنی فاتحہ خود پڑھ رہا ہے) یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی اس شخص سے بات کرے جو اس شخص کی بات سننے کے لیے تیار نہ ہو اور اسے خطبہ دے رہا ہے جو اس کا خطبہ سننے کے لیے تیار نہیں یہ ایک کھلی بیوقوفی ہے جس سے شریعت پاک ہے اور اسی لیے حدیث میں وارد ہے کہ امام کے خطبہ دیتے

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۲۳ صـ ۲۷۹

وقت جو شخص اپنی بات کرتا ہے وہ اس گدھے کی طرح ہے جس نے کتابیں اٹھائی ہوئی ہوں اسی طرح وہ شخص ہے جو امام کے پیچھے (سورۃ فاتحہ) قرأت کرتا ہے اور امام اسے بلند آواز سے سورۃ فاتحہ اور سورت سُنا رہا ہے۔

پھر آمین کی اپنی فطرت ہے یہ وہیں کہی جاتی ہے کہ جب پہلے کچھ نہ کہا گیا ہو دوسرے کے کہے کو آمین کہہ کر لے لیا جائے۔ حضرت موسےؑ نے دعا کی اور حضرت ہارونؑ نے آمین کہی اللہ تعالیٰ نے دونوں کو کہا تمہاری دعا قبول کرلی گئی (قال قد اجیبت دعوتکما پ۱۱ یونس ۸۹) معلوم ہوا آمین کہنے والے کو دوسرے کا کہا پڑھا آمین کہنے سے مل جاتا ہے۔ مقتدیوں کے آمین کہنے سے امام کی پڑھی سورت فاتحہ انہیں مل جاتی ہے۔

غیر مقلدوں کی ایک غلط توجیہ

جب کوئی جواب نہیں بن پڑتا تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ مقتدی کی یہ آمین سورۃ فاتحہ کو اپنانے کے لیے نہیں (ما زاد علی الفاتحہ (بعد میں پڑھے جانے والے قرآن کے بارے میں ہے) اسے اپنے کھاتہ میں ڈالنے کے لیے ہے فاتحہ ہر کسی کو اپنی اپنی پڑھنی چاہیئے۔ ما زاد علی الفاتحہ۔ امام سے سُنی جاتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کو غیر المغضوب علیہم ولا الضالین سے جوڑا ہے بعد کی سورت کے لیے آمین کہنا سورت کے بعد ہونا چاہیئے تھا۔ حضورؐ نے تقسیم کار کرتے ہوئے فرمایا:۔

اذا قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا اٰمین۔ [۱]

ترجمہ۔ جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھ لے تو تم آمین کہو۔

اس سے واضح ہوا کہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین (سورت فاتحہ) امام پڑھے اور مقتدی آمین کہہ کر اس کی پڑھی سورۃ فاتحہ کو اپنی نماز میں لے آئے۔ سو امام کا پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہی ہوگا۔ جلیل القدر فقیہ صحابی حضرت زید بن ثابتؓ اس مقام کو پاگئے اور آپ نے فرمایا:۔

لا قرأۃ مع الامام فی شیء۔ [۲]

امام کے ساتھ کسی حصے میں قرآن نہیں پڑھنا نہ فاتحہ نہ ما زاد علی الفاتحہ۔

نماز کی غایت خدا کی یاد ہے حرکات اس کے تابع ہیں۔ قرآن کریم میں نماز کی یہ غایت بتائی گئی ہے:۔

انی انا اللہ لا الٰہ الا انا فاعبدنی واقم الصلوٰۃ لذکری۔ (پ۱۶ طٰہٰ ۱۴)

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۰۸ [۲] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۱۵

ترجمہ: میں ایک خدا ہوں میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ سو تو مجھ ایک ہی کی عبادت کر اور نماز قائم کر میرے ذکر کے لیے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ نماز میں گو حرکات بھی ہیں لیکن غلبہ ذکر کا رہنا چاہیئے۔ قرآن کریم پڑھنا اور تسبیحات اور التحیات کہنا سب اذکار ہیں اور قیام در کوع اور قعدہ و سجود اور وضع الیدین اور رفع الیدین یہ سب حرکات ہیں۔ آیت مذکورہ بتلاتی ہے کہ نماز ذکر کے لیے ہے سو حرکات اس سے کم اور اس کے ماتحت رہنی چاہئیں۔

نمازی ایک حرکت سے رکوع میں جائے دو حرکات سے نہیں

نمازی جب قیام سے فارغ ہوتا ہے تو ایک حرکت سے رکوع میں جاتا ہے اور تکبیر کہتا ہے ذکر بھی ایک اور حرکت بھی ایک اللہ اکبر کہنا ذکر ہے اور رکوع میں جانا حرکت ہے اب اگر رکوع میں جاتے بھی رفعیدین کرے تو ایک ذکر کے ساتھ دو حرکات آملتی ہیں اور یہ بظاہر اقم الصلوٰۃ لذکری کے مقتضی کے خلاف ہے۔ نماز میں پہلے زیادہ حرکات کی اجازت تھی۔ آپس میں بات کرنے کی بھی اجازت تھی لیکن آہستہ آہستہ اس میں اصلاح ہوتی رہی۔ حسب ذیل رفع یدین بالاتفاق ترک ہوئے سنن نسائی کے چند باب ملاحظہ ہوں۔ باب رفع الیدین للسجود۔ مالک بن حویرث ؓ کہتے ہیں:۔

رفع یدیہ فی صلوٰتہ اذا رکع واذا رفع رأسہ من الرکوع واذا سجد و اذا رفع رأسہ من السجود۔ آپ نے سجدہ جاتے اور سجدہ سے اٹھتے رفع یدین کیا۔

پھر باب باندھا ہے۔ ترک رفع الیدین للسجود۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کہتے ہیں:۔

وکان لا یفعل ذلک فی السجود۔[1] یہ رفع یدین ترک کر دیا گیا۔

اسی طرح باب باندھا ہے:۔

رفع الیدین حذاء المنکبین عند الرفع من الرکوع۔[2]

پھر آگے باب باندھا ہے۔ الرخصۃ فی ترک ذلک۔ اب اس نہ کرنے کی اجازت ہے۔

پھر باب باندھا ہے۔ رفع الیدین للرکوع حذاء فروع الاذنین۔ اس میں رکوع جاتے رفع یدین کا بیان ہے۔

پھر آگے باب ہے۔ ترک ذلک[3] رکوع میں جاتے رفع یدین نہ کرنے کا بیان

---

[1] سنن نسائی جلد ا صـ۱۲۳ [2] ایضاً صـ۱۲۱ [3] ایضاً صـ۱۱۷

امام نسائی کے شاگرد امام طحاوی نے بھی رکوع کے رفعیدین کو اسی قبیل تروک میں رکھا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ رفع یدین از قبیل حرکات بھی عبادات کے قبیل سے نہ تھی۔ یہ فعل عبادات کے قبیل سے ہوتا تو کسی نے ان تروک سے تقلیل عبادات پر بھی استدلال کیا ہوتا۔ روایات میں صرف تقلیل حرکات کا ذکر ہے اور پھر کسی نہ کسی حدیث میں خاص اس رفع یدین پر کسی بڑے ثواب کی بھی بشارت ہوتی۔ بدنی عبادات میں رکوع وسجود اور قیام وقعدہ تو ہیں لیکن ائمہ اربعہ میں سے کسی نے رفعیدین عندالرکوع پر کسی فضیلت کا دعوے نہیں کیا۔ یہ حرکات اگر از قبیل عبادات ہوتیں تو ان میں تدریجاً تقلیل عمل میں نہ لائی جاتی۔ دینِ فطرت یہی ہے کہ عبادات اپنی انواع سے ہوں رکوع کے وقت تطبیق بھی اسی قبیل سے تھی اس کی بھی فضیلت کہیں مروی نہیں پھر حضورؐ نے اس سے روک دیا۔ امام نسائیؒ نے اس پر بھی نسخ کا باب باندھا ہے۔

سو یاد رکھیے رفع یدین بھی ایک حرکت کا نام ہے جس سے نمازی ایک راحت محسوس کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اعتدال پسند اہلحدیث علماء رفعیدین عندالرکوع کو مستحب کے درجہ میں رکھتے ہیں سنت کے درجہ میں نہیں۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب لکھتے ہیں:۔

> ہمارا مذہب یہ ہے رفعیدین ایک مستحب امر ہے جس کے کرنے پر ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے سے نماز کی صحت میں کوئی خلل نہیں آتا۔ [1]

یہ صرف ترکِ سنت ہے جس کے قصداً چھوڑنے سے نماز بے نور ہو جاتی ہے۔ مستحب کے ترک کرنے سے نماز میں کوئی خلل نہیں آتا۔ پھر امر مستحب کی پابندی کہاں تک چاہیئے اس کے لیے اہلحدیث علماء کا یہ فتوے بھی لائق تحسین ہے۔

یاد رکھیے رفع یدین چھوڑنا ترک سنت نہیں رفعیدین کرنا اور رفعیدین چھوڑنا دونوں سنت ہیں۔

خطبہ کے وقت خطیب کے سامنے تحیۃ المسجد پڑھنا

حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) اسے انتہائی بے وقوفی قرار دیتے ہیں کہ امام اسے اپنے خطبہ میں شامل سمجھے جو اس کا خطبہ سننے کے لیے تیار نہیں۔

> ھو بمنزلۃ من یحدث من لا یستمع لحدیثہ ویخطب من لا یستمع لخطبتہ وھذا اسفہ تنزہ عنہ الشریعۃ۔ [2]

---

[1] فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۵۷۹ [2] فتاوےٰ جلد ۲۴ ص ۳۷۹

ترجمہ. سو وہ اس درجے میں ہوگا جیسے کوئی اس سے بات کرے جو اسے سن نہ رہا ہو اور اس سے خطاب کرے جو اس کی طرف دھیان ہی نہیں کر رہا. یہ ایسی بے وقوفی ہے جو شریعت حقہ میں نہیں ہو سکتی.

اس پر یہ بے وقوف کہتے ہیں کہ ایسا کرنے کا حکم خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے اور وہ یہ نہیں جانتے کہ ایسا حکم دے کر حضورؐ نے اپنا خطبہ روک لیا تھا چپ رہے تھے تاکہ کسی مسلمان کا یہ عمل خلاف فطرت نہ سمجھا جائے. خطبہ ہو تو حاضرین کا دھیان اسی طرف لگا رہے سمجھ آئے یا نہ آئے وہ عربی نہ بھی جانیں تو دھیان اسی طرف رکھیں. خطبہ ذکر ہے (فاسعوا الیٰ ذکر اللہ) تذکیر نہیں. یہ وعظ نہیں ذکر بھی تو مومنین کو نفع دیتا ہے. فان الذکریٰ تنفع المؤمنین.

ایک مستحب امر بعض حالتوں میں مکروہ بن جاتا ہے جب کہ امر مستحب کو اس کے درجہ استحباب سے بڑھا دیا جائے جو شخص ایک امر مستحب پر اصرار کرے اور افضل صورت پر عمل نہ کرے سمجھ لو کہ شیطان اسے گمراہ کرنے کے درپے ہے کیونکہ اس نے ایک امر مستحب کو اس کے رتبہ استحباب سے بڑھا دیا. [1]

یہ کیسے علماء حدیث ہیں جو اپنے فتاوے میں ایک فتوے پر ایک حدیث بھی نہیں لکھ پائے ان کی دین کی سمجھ اس سے واضح ہو جاتی ہے کہ مستحب کو افضل کے مقابلہ میں لے آئے ہیں. تاہم اصولاً ہم اس سے اتفاق کرتے ہیں کہ جو اہلحدیث (باصطلاح جدید) حضرات رفع یدین عندالرکوع پر اتنا اصرار کرتے ہیں کہ اسے واجب کے درجہ میں لے آتے ہیں اور لبا اوقات یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی تو ان کے ماحول میں رکوع کے وقت رفع الیدین نہ کرنا کیا زیادہ بہتر ہونا چاہیئے. کہ اس سے ایک بداعتقادی ختم ہوتی ہے.

نماز میں زیادہ سے زیادہ سکون چاہیئے

نماز میں حضورؐ نے بتدریج حرکات کم کیں اور علی الاطلاق نماز میں زیادہ سے زیادہ سکون کی ترغیب دی. رفع (ہاتھ اٹھانا) ایک حرکت کا نام ہے. حضورؐ نے بعض صحابہؓ کو سلام سے پہلے ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو انہیں صرف منع فرمایا بلکہ انہیں نماز کے مبنی پر سکون ہونے کی تعلیم دی جس سے پتہ چلتا ہے کہ نماز کا مزاج یہ ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ سکون ہو اور

---

[1] فتاوے علمائے اہلحدیث جلد ۵ صـ۱۱۲

اور جہاں تک ہو سکے رفع یدین سے گریز کیا جائے۔

ملحوظ رہے کہ نماز کے شروع میں جو رفع یدین کیا جاتا ہے وہ نماز کے اندر نہیں نماز کے شروع میں ہے جس سے کوئی نماز میں داخل ہوتا ہے۔ حضورؐ نے یہ سکون کی تعلیم فی الصلوٰۃ کے الفاظ میں دی تاکہ اس سے اس رفع یدین کو ممنوع نہ سمجھا جائے جو للصلوٰۃ ہوتا ہے فی الصلوٰۃ نہیں ہوتا۔ حضرت جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا:۔

مالی اراکم رافعی ایدیکم کانها اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوٰۃ۔[1]

ترجمہ: میں تمہیں رفع یدین کرتے کیوں دیکھتا ہوں جیسے یہ سرکش گھوڑوں کی دمیں ہوں۔ نماز میں سکون درکار ہے۔

انتہا سے ماقبل کا تمام عمل فی الصلوٰۃ کا ہے۔ اس روایت میں حضورؐ نے رفع یدین سے روکنے کی علت بھی بیان کر دی اور مطلق رفع یدین کو سکون کے خلاف ٹھہرایا اور بتلایا ہے کہ نماز میں سکون مطلوب ہے۔ سو نماز کے اندر جہاں بھی رفع یدین ہوگا وہ حضورؐ کی بیان کردہ علت سکون سے متصادم ہونے کے باعث پسندیدہ نہ سمجھا جائے گا۔

نوٹ: وتر کی نماز میں اصل رکعت وتر وہ ہے جس میں دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے اسے پہلی نماز کے ساتھ ملا کر اس نماز کو نماز وتر بنایا جاتا ہے۔ اس میں بھی رفع یدین دعائے قنوت کے شروع میں ہے یہ صورۃً نماز کے اندر ہے مگر اس سے عمل قنوت شروع ہے۔ گو ان تین رکعات میں خارجی فاصلہ نہیں ہوتا۔

اس تفصیل میں اختلاف بھی ہو سکتا ہے۔ تاہم اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضورؐ نے نماز میں رفع یدین کو خلاف سکون قرار دیا ہے۔ سو جہاں تک ہو سکے نماز کے اندر رفع یدین سے احتراز کیا جائے۔

خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) بھی تقلید کو انسان کا ایک فطری تقاضا سمجھتے ہیں:۔

ولو منعنا التقلید فی هذه المسائل التی هی من فروع الدین لاحتاج کل احد ان یتعلم ذلك وفی ایجاب ذلك قطع عن المعایش وهلاك الحرث والماشیة فوجب ان یسقط۔[2]

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۸۱ [2] الفقیہ والمتفقہ جلد ۲ صفحہ ۶۸

ترجمہ۔ اگر ہم ان مسائل میں جو دین کی فروعات میں سے ہیں لوگوں کو تقلید سے منع کریں تو الزام آئے گا کہ ہر شخص دین کے ان مسائل کو تحقیق سے جاننے اور ہر شخص پر مسائل کی تحقیق کو واجب ٹھہرانا معیشت (روزی کمانے) کی دوسری راہوں کو یکسر روک دے گا اس میں کھیتوں والے فصلیں ضائع کر دیں گے کوئی مویشیوں کی دیکھ بھال پر نہ رہ سکے گا۔ پس ضروری ہے کہ ہر شخص پر مسائل کو تحقیق سے جاننے کی ذمہ داری ساقط کی جائے اور عام لوگوں کو تقلید کی راہ سے دین پر چلنے کی اجازت دی جائے۔

یہ پانچویں صدی کی دینی آواز ہے جو ہم نے آپ کو سنادی ہے۔ یہ آواز دینے والا کوئی معروف فقہ کا امام نہیں ہے خطیب بغدادی ہے۔ دین کا یہ ایک فطری تقاضا ہے کہ لوگ ہر شعبہ زندگی میں اس کے ماہرین کی پیروی میں چلیں اور ہر شخص پر دین کا عالم بننے کی ذمہ داری نہ ڈالی جائے۔

خطیب بغدادی کی ہی بات ہم بارہویں صدی میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے سن رہے ہیں۔ اس امت میں علم دین کے ماہرین ائمہ اور فقہاء سمجھے گئے ہیں اور عام احاد امت میں ان کی پیروی میں اپنے دینی تقاضوں کو پورا کرنے کا عمل جاری رہا سو اس میں کوئی شک نہیں کہ فروعی مسائل میں اماموں اور فقہاء کی تقلید امت کا ایک فطری تقاضا ہے اور جو حضرات عام لوگوں کو تقلید سے روکتے ہیں وہ دین کو ایک غیر فطری روش پر چلانا چاہتے ہیں۔

اثنا عشری شیعوں کا موقف یہ ہے کہ تقلید صرف زندہ عالموں کی کی جا سکتی ہے، فوت شدگان کی نہیں۔ انہوں نے بھی تقلید کے صرف ایک پیرائے کا انکار کیا ہے مطلق تقلید کا نہیں ہمیں افسوس ان غیر مقلدین پر ہے جو مطلق تقلید کا انکار کر کے ہر شخص پر تحقیق سے مسائل جاننے کو لازم کر رہے ہیں۔ ایسا ہوتا تو قرآن کریم کبھی اس کی اجازت نہ دیتا کہ اگر تم جانتے نہیں تو تم اہل علم سے پوچھ کر ان کے اعتماد پر ان کے فتووں پر عمل کر سکتے ہو۔

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔

اور حضورؐ نے بھی علماء کے اعتماد پر ان کے فتووں پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے اور فرمایا:۔

من افتی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ۔

ترجمہ جسے کوئی غلط فتوےٰ دے تو اس کا گناہ (عمل کرنے والے پر نہیں)
فتوےٰ دینے والے پر ہوگا۔

معلوم ہوا کہ اس شخص کا اس عالم پر اعتماد کرتے ہوئے اس کے فتوے پر عمل درست تھا۔ اسے اس راہِ عمل سے نہیں روکا گیا۔ صرف غلط فتوےٰ دینے والے کو موردِ الزام ٹھہرایا گیا ہے اور وہ بھی اس صورت میں کہ وہ عالم مجتہد درجے کا نہ ہو۔ کیونکہ مجتہد اجتہاد میں خطا بھی کرے تو وہ ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے نہ کہ وہ دوسرے کے گناہ کا بوجھ اٹھائے۔

مجتہد بھی وہ ہو جو امت میں مجمع علیہ مجتہد مانا گیا ہو۔ اس دور کا کوئی مولوی مجتہد کہلائے تو اس کی خطا اس پر ضرور گناہ کا بار لائے گی کیونکہ وہ اصل مجتہد نہیں ہے۔

شیعہ کا اعتقاد ہے کہ تقلید صرف زندہ مجتہد کی ہوتی ہے ان کا کوئی مجتہد مرے تو اس کے مقلدین اپنے کسی دوسرے مجتہد کے رجسٹر میں آجاتے ہیں۔ اہلحدیث جدید بھی اپنے زندہ مجتہد کی تقلید کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ہمارے ان پڑھ بھائی کہ جو تحقیق نہیں کر سکتے وہ ہم پر دین میں اعتماد کرتے ہیں۔ اس مسئلہ میں یہ اہلحدیث اہلسنت کی نسبت شیعہ کے زیادہ قریب ہیں جس طرح مسئلہ طلاق میں اہلحدیث (باصطلاحِ جدید) ائمہ اربعہ کے متفقہ موقف کے خلاف شیعہ کے ساتھ ہیں۔

شیعہ تراویح کا بھی انکار کرتے ہیں یہ اہلحدیث بھی کہتے ہیں حضور رمضان میں کوئی نماز زیادہ نہ کرتے۔ رمضان میں یہ لوگ تہجد کی نماز عشاء کے بعد پڑھ لیتے ہیں اور غلط طور پر اس کا نام آٹھ رکعت تراویح رکھتے ہیں حقیقت یہ ہے یہ ہے کہ یہ سرے سے نماز تراویح کے قائل نہیں۔ حضورؐ نے رمضان کی اس نماز کی یوں رغبت دلائی اور فرمایا:۔

من قام رمضان ایمانا واحتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ جس نے رمضان کی نماز ایمان و احتساب سے پڑھی اس کے تمام پہلے گناہ بخشے گئے۔

سو اس میں کوئی شک نہیں کہ مسئلہ تقلید، مسئلہ طلاق اور مسئلہ تراویح میں یہ اہلحدیث (باصطلاحِ جدید) شیعہ مسلک پر ہیں اور اسی لیے مولانا ثناء اللہ امرتسری انہیں چھوٹے شیعہ کہا کرتے تھے۔

مقلدین ائمہ اربعہ ان تینوں مسئلوں میں دینِ فطرت پر ہیں اور فطرت ہی کہتی ہے کہ کسی کی پیروی کرنی ہے تو فوت شدہ کی کرو۔ ان کے جو زندہ امام ہیں معلوم نہیں ان میں سے کون کسی وقت قادیانی ہو جائے۔ سیدنا اور سندنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔

من کان مستنا فلیستن بمن قد مات فان الحی لا تؤمن علیه الفتنة۔

ترجمہ جس نے کسی کے پیچھے ہی چلنا ہے تو وہ کسی فوت شدہ کے پیچھے چلے زندہ کا کیا پتہ؟

اقتضاء الصراط المستقیم

صراطِ مُستقیم کی طلب اور دریافت

سوال: قرآن کریم میں ہے۔ ان الصلوٰۃ تنھٰی عن الفحشآء والمنکر (پ العنکبوت ۴۵) بے شک نماز بے حیائی اور منکرات (غلط باتوں) سے روکتی ہے اس سے زیادہ منکر چیز کیا ہوگی کہ نمازی خود مسجدوں میں ایک دوسرے سے کٹے ہوں بلکہ مسجدیں بھی فرقہ وارانہ بنیادوں پر بنی ہوں کیا یہ صورتِ عمل منکرات میں سے نہیں؟ یا نماز مسلمانوں کو فرقہ بندی سے نہیں روکتی؟ کیا قرآن پاک کی یہ آیت نماز کی یہ صفت نہیں بتلاتی کہ نماز برائیوں سے روکتی ہے؟ یا ان لوگوں کی نمازیں حقیقت میں نمازیں ہی نہیں، ورنہ مسجدوں میں یہ سرپھٹول نہ ہوتی اور مسجدوں پر یہ اپنے اپنے فرقے کے بورڈ نہ لگتے؟

الجواب ومن اللہ الصدق والصواب:

بے شک نماز بے حیائی اور منکرات سے روکتی ہے۔ نمازیں سب سے اہم عمل سورت فاتحہ کا پڑھنا ہے اس کے بغیر نماز ہی نہیں ہوتی۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ نماز کا منکرات سے روکنا سورت فاتحہ پر عمل کی بدولت ہی ہوگا۔ سورۃ فاتحہ میں ہم اللہ تعالیٰ سے صراطِ مستقیم پر چلنا مانگتے ہیں صراطِ مستقیم اسلام کی وہ سیدھی راہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ لوگ پہلے چل چکے اور وہ صرف نبی اور رسول ہی نہ تھے صدیقین شہداء اور صالحین بھی بے شک ان لوگوں میں سے ہیں جن پر اللہ رب العزت نے بڑے بڑے انعام کیے اور ہم ان کی راہ پر چلنا بھی صراطِ مستقیم کا اقتضاء سمجھتے ہیں۔

اگر مسلمان اسلام کی اس جرنیلی سڑک پر رہتے جو دورِ اول میں ہی سبیل المومنین کا نام پاچکی تھی (دیکھیے پ النساء ۱۱۵) تو یہ امت آپس میں مسلسل رہتی اور ہر بعد میں آنے والا طبقہ اپنے سے پہلے طبقہ کے تابع رہتا۔ مسلمان ہرگز اس فرقہ بندی کا شکار نہ ہوتے۔ یہ سب تباہی اس لیے آئی کہ یہ نمازی صراطِ مستقیم میں رہنا بھول گئے اور پہلوں کی راہ پر چلنا اپنے لیے سعادت نہ جانا۔

صراط رستے کو کہتے ہیں جس پر پہلے چلا جاچکا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو راہ عمل قائم کی اور صحابہ کرام رضہ کو اس پر چلایا وہ بے شک اسلام کی ایک جرنیلی سڑک تھی جس کے پہلے راہرو سابقین اولین تھے ان میں مہاجرین بھی تھے اور انصار بھی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی خوبی سے کی گئی اتباع کی تحسین فرمائی ہے اور صحابہ رض کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جوڑ کر سلسلہ امت کو آگے

لے جانا اس امت کی دولتِ عظمیٰ قرار دیا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ اس امت کی سب سے بڑی آفت بھی یہی ہوگی کہ صحابہ کرامؓ کو جس طرح بھی بن پڑے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ظاہر کیا جائے اور صراطِ مستقیم امت کے تسلسل سے نہیں اسے صرف ایک علمی صورت میں ذہن میں رکھا جائے جس کے تصور کے ساتھ تصدیق کی کوئی صف نہ بچھی ہو نہ سے راہ صرف ایک مجازی معنی میں کہا جائے اور حقیقت میں یہ کوئی صراط (راہ) نہ ہو جس پر پہلے چلنے والے چلے اور بعد میں آنے والے ان کے نقشِ پا سے اپنے قدم ملائیں۔ امت کا یہ تسلسل دشمنانِ اسلام کسی صورت میں نہ دیکھنا چاہتے تھے۔ سو انہوں نے مسلمانوں میں ایسی گروہ بندیاں قائم کیں کہ صحابہ کرامؓ و تابعین عظام کو نظر انداز کر کے امت کو براہِ راست کتاب و سنت کا نعرہ دے دیا جائے اور یہ ایک مسلسل دین نہ رہے نہ صراطِ مستقیم جس پر اللہ کے انعام یافتہ لوگ پہلے سے چلے آرہے ہوں اور یہ امت جب اپنے آپ سے بیگانہ ہو جائے گی تو اس کی کوئی مشترکہ آواز نہ رہے گی اور ان کی سیاسی ریاستیں بھی کئی ہوں گی اور علمی راہیں بھی کئی ہوں گی اور ہر گروہ کتاب و سنت کے معصوم نعرے سے اپنی پوری خرافات امت کی جھولی میں ڈال دے گا۔ قادیانی بھی اپنی خرافات اسی معصوم نعرے سے امت میں لائے ہیں اور جہاں بات کرتے ہیں اپنے کو ہی کتاب و سنت کا صحیح ترجمان کہتے ہیں اور چودہ سو سال سے چلے آتی والی امت کو یکسر اسلام سے لا باہر کرتے ہیں اور کوئی ان سے نہیں کہتا کہ تم کروڑوں کلمہ گو لوگوں کو کیوں کافر کہتے ہو۔ اگر کوئی تمہیں کافر کہے تو تم اپنے آپ کو مظلوم کہتے ہو اور خود نہیں جانتے کہ تمہارے ظلم کے لمبے ہاتھوں نے کتنی مسلم آبادیاں تاراج کی ہیں۔

تسلسل امت کو توڑنے کی دو بڑی تحریکیں

ایک تحریکِ صحابہؓ کو حضورؐ کے خلاف ظاہر کرنے کے اس عنوان سے چلی کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ خلفاء کے راشدین نہ تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کا قرآن کریم کو خلاف ترتیب نزول جمع کرانا غلط تھا۔ حضرت عمرؓ کا پورا رمضان امت کو تراویح پہ جمع کرنا اور قرآن ختم کرنا غلط تھا اور حضرت عثمانؓ کا قرآن کریم کو ایک لغتِ قریش پر بند کرنا غلط تھا۔ یہ تینوں باتیں قرآن کے عنوان سے سامنے لائی گئیں اور جو امت ان خلفاء راشدین کی پیروی میں چلی اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹی ایک دوسری لائن پہ چلتا قرار دیا گیا۔ یہ تسلسل امت کو توڑنے کی پہلی بڑی تحریک تھی۔ اس کی روک تھام کے لیے مسلسل اسلام کے راہرو اسی عنوان سے آگے بڑھے کہ اسلام کے علمی ماخذ چار ہیں۔ ۱۔ کتاب۔ ۲۔ سنت۔

۳. اجماعِ امت اور ۴. اجتہاد (جس کے سایہ تلے ایک دوسرے کے علمی اختلافات کو برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے)۔

تسلسلِ امت کو توڑنے کی دوسری تحریک ہندوستان میں انگریزی عہد میں تحریک اہلحدیث کے نام سے چلی انہوں نے اصولِ اسلام چار کی بجائے دو بتلانے کا عنوان اختیار کیا اور اجماعِ امت کو اور غیر منصوص مسائل میں مجتہد کی پیروی کو درمیان سے نکال دیا۔ یہ لوگ ہر جگہ صرف کتاب و سنت کے عنوان سے دعوت کا کام کرنے لگے اور اجتہاد کی راہ سے کشید کیے گئے اسلام (فقہ) کا یکسر انکار ہونے لگا۔

حاصل ان دونوں تحریکوں کا ایک ہی تھا کہ تسلسلِ امت باقی نہ رہے۔ پہلی تحریک کے لوگ صحابہ کرامؓ کے خلاف بڑی بدتمیزی سے اٹھے اور ان کے چھوٹے بھائی دوسری تحریک میں صحابہؓ سے گو مر اخذ کئے ان کے خلاف نہ اٹھے نہ ان کے ایمان و اخلاص کو انہوں نے چیلنج کیا۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ یہ چھوٹے بھائی بھی تسلسلِ امت میں امت کے ساتھ نہ رہے۔

ان دونوں تحریکوں میں صرف ان چار باتوں میں عملی اشتراک رہا تسلسلِ امت سے دونوں برابر نکلے:

۱. ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوں انہیں تین نہ تسلیم کیا جائے۔
۲. فوت شدہ عالم کی تقلید جائز نہیں تقلید صرف زندہ علماء کی ہی کی جا سکتی ہے۔
۳. رمضان میں حضورؐ نے تراویح کے طور پر کوئی زائد عبادت نہیں کی صرف تہجد کو مقدم کیا جسے پہلے پچھلے پہر پڑھتے تھے۔
۴. سنت کے نام سے اپنا مسلکی امتیاز نہ رہنے دیا جائے نہ جماعت سے وابستگی رہے۔

ان دونوں گروہوں کے برعکس اہل السنۃ والجماعۃ نے اسلام کی ایک جرنیلی سڑک صراطِ مستقیم کو اختیار کیا۔ وہ ایک عقیدہ رکھتے ہیں وہ حنفی ہوں یا مالکی شافعی ہوں یا حنبلی سب اہل السنۃ والجماعۃ ہیں۔ ایک مسلسل اسلام کے قائل ہیں۔ ان کے ہاں یہ چار رستے ہیں چار فرقے نہیں اور رستے بھی اس حد تک ہیں جس حد تک صحابہؓ اپنے دور میں کئی مختلف راہوں پر رہے اور وہ اس اختلاف کو رحمت سمجھتے رہے وہ اسے نقمہ (مصیبت) نہ جانتے تھے۔

اب دیکھنا چاہیے کہ کیا قرآن کریم ہمیں ایک مسلسل راہ پر چلنے کا حکم دیتا ہے یا ہمیں وہ براہِ راست قرآن و حدیث کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن کریم میں اتباعِ سابقین اولین کی بڑے واضح الفاظ میں تحسین کی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ صرف انبیاء و رسل کی راہ نہیں صحابہؓ کے دونوں طبقے مہاجرین اور انصار سب ان میں شامل ہیں اور انہی سے اسلام کا تسلسل قائم ہوتا ہے۔

قرآن میں اتباع سابقین اوّلین کی تحسین

(۱) والسابقون الاوّلون من المہاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ واعدّ لہم جنّت تجری تحتہا الانہار (پ۱۱ التوبہ ۱۰۰)

ترجمہ۔ اور جو لوگ سابقین اولین میں سے ہیں مہاجرین ہوں یا انصار اور جو اُن کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ راضی ہوا اللہ ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے اور اس نے تیار کر رکھے ہیں ان کے لیے باغات بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی ہے بڑی کامیابی۔

کیا اس آیت میں سابقین اولین کی پیروی پر رضائے الہٰی کی خبر نہیں دی گئی یہ وہی راہ عمل ہے جسے قرآن کریم نے ایک دوسرے مقام پر سبیل المومنین کہا ہے:-

(۲) ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبیّن لہ الھدٰی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولّہٖ ما تولّٰی ونصلہ جہنم وساءت مصیرًا۔ (پ۵ النساء ۱۱۵)

ترجمہ۔ اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جب کہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ اور چلے سب مسلمانوں کے رستے کے خلاف ہم پھیر دیں گے اسے ادھر ہی جدھر وہ پھرا اور ڈالیں گے اس کو دوزخ میں اور جہاں وہ پہنچا وہ بڑی بُری جگہ رہی۔

قرآن کریم نے اس آیت میں اتباع کو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص نہیں رکھا اسے اس وقت کے جملہ مومنین تک وسیع کیا جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ جو بھی اللہ رب العزت کے آگے جھکا دوسروں کے لیے اس کی پیروی میں ہی سعادت ہے۔

(۳) واتبع سبیل من اناب الیّ۔ (پ۲۱ لقمان ۱۵)

ترجمہ۔ اور راہ چل اس کی جس نے بھی میری طرف رجوع کیا۔

اللہ کی طرف رجوع کرنے والے منیبین کا اللہ تعالیٰ نے پ۲۱ الروم ۳۱ میں بھی ذکر فرمایا ہے ہر پچھلا پہلوں کے پیچھے چلے تو اس سے پوری امت بعد میں آنے والوں کے لیے امام بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں عباد الرحمٰن کی یہ شان بتلائی ہے کہ وہ اللہ کے حضور اس مقام امامت کی طلب کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ سارے پیغمبر نہیں کہ امت میں صرف پیغمبروں کی اتباع ہی جاری ہو۔

④ ربّنا هب لنا من ازواجنا وذرّیّتنا قرّۃ اعینٍ واجعلنا للمتّقین اماماً۔

(پ ۱۹ الفرقان ۷۴)

ترجمہ: اے رب دے ہم کو اپنی بیویوں سے اور اپنی اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور کر ہمیں پرہیزگاروں کے پیشوا۔

اگر یہ دعا کبھی حضرت امام ابوحنیفہؒ نے بھی کی ہو امام مالکؒ نے بھی کی ہے تو کیا وہ کبھی اگلوں کو کہہ سکتے تھے کہ تم ہماری پیروی میں نہ چلو۔ اگر وہ اپنی پیروی نہ چاہتے تھے تو مختلف مسائل پر وہ کیوں جواب دیتے رہے۔ جواب کا تو تقاضا تھا کہ لوگ ان کے جواب پر عمل کر سکیں۔ سو جن روایات میں بظاہر محسوس یہ ملتا ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی پیروی سے روکتے تھے یہ روایات قرآن کے خلاف ہیں اور جو روایت قرآن کے خلاف ہو اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اگر ان حضرات نے اپنے ان شاگردوں کو اپنی تقلید سے روکا ہو جو مقام اجتہاد پر پہنچے ہوئے تھے جیسے امام زفر، امام ابویوسف، امام محمد، امام شافعی، امام احمد اور امام طحاوی وغیرہم تو یہ اور بات ہے۔ اس صورت میں یہ روایات قرآن کریم کے خلاف نہ سمجھی جائیں گی۔ اور ان میں ان ائمہ کو تقلید نہ کرنے کی ترغیب ہو گی

صحابہ کرامؓ تو بطور طبقہ کے امت کے مقتدا ٹھہرے اور ائمہ اربعہ بطور مجتہد امت کے علمی امام قرار پائے۔ امت کا تسلسل اسی طرح آگے چلا اور اسی سے امت کی شاہراہ عمل قائم ہوئی صحابہؓ کے علمی اختلافات بھی اس امت میں رحمت سمجھے گئے اور ائمہ اربعہ کے اختلافات بھی کسی دور میں نقمہ (مصیبت) نہیں سمجھے گئے۔ صحیح بخاری میں شاہراہ اسلام اسی کو بتلایا گیا ہے کہ ہم اپنے سے پہلوں کے پیچھے چلیں اور امت کا تسلسل کہیں نہ ٹوٹے۔

نقتدی بمن قبلنا و یقتدی بنا من بعدنا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۸۰)

ترجمہ: ہم پہلوں کے پیچھے چلیں اور ہمارے بعد والے ہمارے پیچھے چلیں۔

کیا صحابہؓ نے بھی اپنے آپ کو کبھی امت کا پیشوا جانا

صحابہ کرامؓ میں حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ممتاز علمی شخصیتیں ہیں۔ یہ حضرات صحابہؓ کو آسمان ہدایت کے ستارے سمجھتے تھے اور برابر اس کوشش میں رہتے کہ کسی صحابیؓ سے کوئی غلط بات صادر نہ ہو پائے ورنہ امت میں وہ غلطی ایک اسلامی دفعہ بن جائے گی۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ صحابہؓ کو بقاء علی الخطاء کا الزام دینے کے لیے بھی تیار نہ ہوں۔

حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ حضرت طلحہؓ کو رنگ دار چادر میں احرام باندھے دیکھا۔ آپ نے انہیں کہا کہ اپنی پیشوا حیثیت کو پہچانو۔ لوگ اسے مسئلہ بنالیں گے۔ آپ نے فرمایا :-

انکم ایھا الرھط ائمۃ یقتدی بکم الناس فلو ان رجلا جاھلا رای ھذا الثوب لقال ان طلحہ بن عبید اللہ قد کان یلبس الثیاب المصبغۃ فی الاحرام فلا تلبسوا ایھا الرھط شیئا من ھذہ۔[1]

ترجمہ۔ اے جماعت تم بے شک امام ہو لوگ تمہاری پیروی کریں گے۔ اگر کوئی جاہل اس کپڑے کو دیکھے تو وہ سمجھے گا کہ طلحہ بن عبید اللہ احرام میں رنگین کپڑے پہنتے تھے سو تم نہ پہنو ان رنگ دار کپڑوں میں سے کچھ بھی۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ ایک واضح راہ پہ تھے اور وہ سبیل المومنین ایک روشن راہ تھی امت کے لیے عملی طور پر وہی صراطِ مستقیم تھا جس پر رہنے کی وہ دن رات اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے آخر عمر میں امت کے نام یہ پیغام چھوڑا :-

ایھا الناس قد سنت لکم السنن و فرضت لکم الفرائض و ترکتم علی الواضحۃ الا ان تضلوا بالناس یمینا و شمالا۔[2]

ترجمہ۔ اے لوگو! راہیں آپ کے لیے طے ہو چکیں اور فرائض تمہارے لیے تعین پا چکے اور تم ایک روشن راہ پر چھوڑے گئے ہو۔ خبردار کہ تم لوگوں کے ساتھ اِدھر اُدھر گمراہ ہو جاؤ۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں :-

من کان مستنا فلیستن بمن قد مات فان الحی لا تؤمن علیہ الفتنۃ اولئک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔[3]

ترجمہ۔ جس نے کسی راہ پر چلنا ہے تو ان لوگوں کی راہ اختیار کرو جو دُنیا سے جا چکے کسی زندہ پر امن کی ضمانت نہیں دی جا سکتی وہ لوگ حضورؐ کے صحابہ ہیں جن کی پیروی میں تمہیں چلنا چاہیئے ان حضرات کا علم بہت گہرا تھا۔

ان روایات میں پیروی صرف نبوت پر بند نہیں کی گئی۔ حضورؐ کے بعد اگلے طبقے کو اسلام کے تسلسل میں رکھا گیا ہے۔

---

[1] موطا امام مالک ص۳۲ [2] ایضاً ص [3] مشکوٰۃ ص

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک اور شہادت

امام ابواسحٰق ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی الغرناطی (۹۰، ھ) حضرت حذیفہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) نے فرمایا:-

اتبعوا آثارنا ولا تبتدعوا فقد کفیتم۔[1]

ترجمہ۔ تم ہم صحابہؓ کے پیچھے چلو اور دین میں کوئی نئی راہیں نہ نکالو۔ تمہارے لیے پچھلوں کی پیروی کافی ہے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ صحابہؓ کا کوئی عمل بدعت کی زد میں نہیں آتا۔ ان کے کسی فیصلے میں صواب اور خطا کی گنجائش تو ہو سکتی ہے لیکن ان کے کسی عمل کو بدعت نہیں کہا جا سکتا بلکہ بدعت ہے ہی وہ جو ان سے درجہ ثبوت نہ پائے۔ یہاں ابتداع کو اتباع کے مقابل میں رکھا گیا ہے۔

حضرت حذیفہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی شہادت

صاحب سر رسول حضرت حذیفہ بن الیمانؓ اور ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی اس تسلسل امت کے داعی تھے۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں:-

خذوا بطریق من کان قبلکم۔[2]

ترجمہ۔ تم دین اپنے سے پہلے لوگوں سے لو۔

یہاں قرآن و حدیث پر چلنے کی دعوت نہیں دی۔ آپ فرماتے ہیں کہ اب تمہیں قرآن و حدیث کی پیروی (ہماری اتباع سے) اس تسلسل امت میں ہی ملے گی۔

آپ نے یہ بھی فرمایا:-

یا معشر القراء استقیموا فقد سبقتم سبقاً بعیداً ولئن اخذتم یمیناً وشمالاً لقد ضللتم ضلالاً بعیداً۔[3]

ترجمہ۔ اے دین کے طلبگارو استقامت میں رہو تم سے بہت پہلے دین حق میں سبقت کی جا چکی تم بھی اسی لائن میں چلتے آؤ اور اگر تم دائیں اور بائیں ذرا بھی چل نکلے تو تم دین سے بہت ہی دور نکل جاؤ گے۔

---

[1] الاعتصام جلد ۱ ص ۵۹ کہ مکرمہ [2] ایضاً جلد ۲ ص ۳۶۶ [3] ایضاً جلد ۱ ص ۵۸

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں :۔

علیکم بالاستفاضۃ والاثر وایاکم والبدع ۔[1]

ترجمہ۔ تم چلتے دین کے پیچھے چلو اسے پہلوں سے لو اور خبردار بدعات سے بچنا۔

صحابہؓ سے مسلسل رہنا اسلام کی جرنیلی سڑک پر چلنا ہے

ہم نے مسلسل اسلام کی ضرورت پر قرآن کریم کی چار آیتیں اور چار صحابہ کرامؓ کی ہدایات ہدیہ قارئین کر دی ہیں۔ محدثین میں حضرت امام بخاری (۲۵۶ھ) کی گواہی بھی آپ کے سامنے آچکی ہے۔ اب امام ابوداؤد (۲۷۵ھ) کی شہادت بھی ملاحظہ فرمادیں۔ ان کے بعد ہم ان شاء اللہ العزیز دو عہد متاخر کے محدثین کی شہادت بھی سامنے لائیں گے ایک حافظ ابن تیمیہؒ کی اور دوسری حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی۔ ان بارہ دلالتوں کی روشنی میں واضح ہو جاتا ہے کہ ہماری نماز میں اللہ رب العزت سے صراط مستقیم پر رہنے کی دعا امت میں کس طرح کا تسلسل چاہتی ہے۔

امام ابوداؤد کی شہادت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر شریعت تیئس[23] سال میں مکمل ہوئی۔ اس دوران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے کئی عمل کیے اور پھر چھوڑ دیئے اس شریعت نے تدریجاً تکمیل پائی۔ اب کیسے پتہ چلے کہ آپ کا کون سا عمل بطور سنت چلے گا اور کون سا نہیں۔ اس کے لیے صحابہؓ آپ کے تازہ ترین عمل کی تلاش میں رہتے۔ محدثین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی روایت سند صحیح سے بھی ملے تو وہ تلاش کرتے کہ آپ سے کیا کوئی روایت اس کے معارض بھی مروی ہے یا نہیں۔ بصورت اثبات کیا وہ روایت امت کو اس مسئلے میں وسعت عمل پر لائے گی یا ان میں سے کسی کو ترک پر محمول کیا جائے گا؟ اس پہلو سے صحابہ کرامؓ کا عمل ہی فیصلہ دے سکتا ہے کہ اب کون سی راہ اختیار کی جائے۔

امام ابوداؤد اپنی سنن میں لکھتے ہیں :۔

قال ابوداؤد اذا تنازع الخبران عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نظر الی ما عمل به اصحابه من بعده ۔[2]

---

[1] الاعتصام جلد ۱ صفحہ ۶۱ [2] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۱۰۲

ترجمہ. جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حدیثیں آپس میں ٹکرا رہی ہوں تو دیکھا جائے گا کہ آپ کے صحابہؓ نے کس پر عمل کیا۔

صحابہؓ کی بھی عادت رہی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک عمل اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود اس مسئلے میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عمل کو ساتھ روایت کرتے تاکہ امت جان سکے کہ سنت اسلام کیا چلی آ رہی ہے کہیں حضورؐ کا وہ عمل بعد کے کسی دوسرے عمل سے ترک تو نہیں سمجھا گیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اس مسئلے میں کہ امام نماز میں الحمد شریف سے پہلے بسم اللہ جہر سے پڑھے یا آہستہ. حضور اکرمؐ کا عمل اس طرح روایت کرتے ہیں۔

عن انس قال صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وابى بكر وعمر وعثمان فلم اسمع احداً منهم يقرأ ببسم الله الرحمٰن الرحيم.[1]

دین اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک تسلسل سے چلا. سنت رسول کے ساتھ ساتھ خلفاء راشدینؓ کی سنت بھی واجب التمسک ٹھہرائی گئی. سبیل رسول کے ساتھ ساتھ سبیل المومنین بھی ایک عملی شاہراہ کی صورت میں آئندہ آنے والوں کے لیے رکھی گئی. یہ تقاضائے صالحین امت میں تیسرا اسلامی ماخذ ٹھہرا. اجتہاد اس کے آگے چوتھی اصل ٹھہری. اس تفصیل سے یہ امت اپنے دینی سرمایہ میں بڑی سرمایہ دار رہی اور مسلمانوں کو علوم اسلامی کے چشمے چاروں سمتوں سے ملنے لگے سارے کلمہ گو مسلمان دین کے ان اصول اربعہ پر متفق تھے کہ ہندوستان میں انگریزی دور میں اچانک چار کو دو کرنے کی تحریک بڑی تیزی سے اٹھی. اس تحریک کے ایک داعی ہندوستان کے مشہور اہلحدیث عالم (باصطلاح جدید) مولانا مختار احمد مدیر الدار السلفیہ بمبئی چار کو اس طرح دو کرتے ہیں:۔

> کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ دین کی اصل بنیاد قرار پائیں سارے ہی کلمہ گو مسلمان ان دونوں ماخذ دین پر متحد اور متفق ہو گئے اور یہی دو چیزیں ملت اسلامیہ کی حقیقی بنیاد قرار پائیں انہی کی روشنی میں قیامت تک ملت کے سارے مسائل کا حل تلاش کیا جائے گا. ملت اسلامیہ اپنے دینی سرمایہ کے اعتبار سے بڑی سرمایہ دار قرار پائی کہ اسے مستقبل میں کہیں کسی موڑ پر علمی افلاس اور دینی راہنمائی کے فقدان کا احساس نہیں ہو گا کیونکہ اللہ نے ہر

---

[1] صحیح مسلم جلد ا صـ۱۷۲

چھوٹی بڑی بات اپنی کتاب میں بیان فرمادی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عملی اور قولی تشریح فرمادی اس طرح دین علمی اور عملی ہر اعتبار سے کامل اور مکمل ہوگیا۔[1]

مصنف کا یہ کہنا کہ ملت کو کہیں کسی موڑ پر علمی افلاس اور دینی راہنمائی کے فقدان کا احساس نہیں ہوگا ایک بڑا دعوے ہے۔ سوال یہ ہے کہ امام بخاریؒ کو ہاتھی دانت کے استعمال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی عملی یا قولی رہنمائی ملی یا انہیں امام ابوحنیفہؒ کے استاذ الاستاذ امام ابراہیم نخعیؒ کے قول پر فیصلہ دینا پڑا۔ یہ مجتہدین امت کے اقوال میں جن کی وجہ سے امام بخاریؒ یہاں دینی راہنمائی کا کوئی فقدان محسوس نہیں کر رہے وہ اہلحدیث (باصطلاح جدید) طرز پر چلتے تو یہاں گھٹنے ٹیک دیتے کہ اس مسئلہ میں حضورؐ کی کوئی عملی یا قولی شرح ہم تک نہیں پہنچی۔ مولانا مختار احمد اگر حق بات معلوم کرنا چاہتے تو وہ قطر کے شیخ احمد بن حجر کی اس کتاب کے ص۳۶ پر دیکھ سکتے تھے۔

شیخ احمد بن حجر قطری لکھتے ہیں:۔

ایک مجتہد شخص ہر مشکل مسئلہ کو حل کر سکتا ہے اور ہر پیش آمدہ معاملہ کا شرعی حکم تلاش کر سکتا ہے اگرچہ وہ مشکل مسئلہ و پیش آمدہ معاملہ ۱۔ عہد نبویؐ، ۲۔ زمانہ صحابہؓ اور ۳۔ صحابہؓ کے بعد والے ازمنہ اسلاف میں نہ واقع ہوا ہو کیونکہ دین اسلام تمام انسانی ضرورات کا کفیل ہے۔

اب اس کے مقابل مولانا مختار احمد ندوی کی یہ سطور بھی ملاحظہ فرمادیں:۔

"اللہ نے ہر چھوٹی بڑی بات اپنی کتاب میں بیان فرمادی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عملی اور قولی تشریح فرمادی"

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عملی اور قولی تشریح کتب حدیث میں دستیاب تھی تو شیخ احمد بن حجر قطری تین زمانوں کی تصریح سے یہ نہ کہتے کہ گو وہ ان ادوار میں سرے سے واقع ہی نہ ہوا ہو۔ معلوم نہیں اہلحدیث علماء من گھڑت باتوں کو کتاب و سنت کے ذمہ لگانے میں اس قدر جری اور دلیر کیوں ہیں؟ مولانا مختار احمد مدیر الدار السلفیہ بمبئی نے اپنے مذکورہ بیان پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالے سے یہ حدیث پیش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله و سنتی۔

---

[1] بدعات اور ان کا شرعی پوسٹ مارٹم ص۲۱

ترجمہ: میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں جب تک تم ان سے تمسک کرو گے تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔

ہمیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں کہیں یہ حدیث نہیں ملی۔ امام بخاری اور امام مسلم کے ذمہ اس حدیث کو لگانا ایک کھلا جھوٹ ہے صحاح ستہ کی اور کسی کتاب میں بھی یہ حدیث ہمیں کسی متصل سند سے نہیں مل سکی :

جس پیغمبر نے فرقہ ناجیہ کی نشاندہی ما انا علیہ اصحابی سے فرمائی ہو کیا وہ صرف اپنی سنت کو امت کی شاہراہ قرار دیں گے یا اپنے خلفاء راشدینؓ کے طریقوں کو بھی مضبوطی سے اپنے دانتوں میں دبانے کی تلقین کریں گے ؟ قرآن کریم نے سبیل رسول کے ساتھ سبیل المومنین کے ساتھ اسلام کی جرنیلی سڑک کی نشاندہی کی ہے اور اس راہ سے ہٹنے کو جہنم کی راہ بتلایا ہے۔ (دیکھئے پ النساء ۱۱۵)

صحابہؓ اگر آسمان ہدایت کے ستارے نہ ہوتے تو شریعت ان کے ان دینی کاموں کو جو کہ قرآن کریم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں نہیں ملتے بدعت ٹھہراتی۔ اس کے خلاف بدعت کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ صحابہؓ نے اسے دینی کام سمجھ کر نہ کیا ہو۔

۱۔ حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں :۔

کل عبادۃ لم یتعبدھا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تعبدوھا۔[۱]

ترجمہ۔ ہر نیکی جسے صحابی نے اختیار نہیں کیا تم اسے نیکی سمجھتے عمل میں نہ لاؤ۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ شہادت آپ پہلے پڑھ آئے ہیں ۔

اتبعوا آثارنا ولا تبتدعوا فقد کفیتم۔[۲]

ترجمہ۔ تم ہم صحابہ کی پیروی کرو اور دین میں کوئی نئی راہ اختیار نہ کرو تمہارے لیے ہمارا پیش کردہ دین کافی ہے۔

اس سے بھی یہی پتہ چلا کہ بدعت کی حد صحابہؓ کے بعد سے شروع ہوتی ہے۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ہر وہ عمل جسے انہوں نے نیکی سمجھ کر اختیار کیا وہ سنت سے کشید سمجھا جائے نہ کہ بدعت۔

شیخ احمد بن حجر بھی کھلے بندوں کہتے ہیں :۔

خلفاء راشدینؓ کے افعال بدعت نہیں ہیں.... نماز تراویح باجماعت کی تحسین حضرت عمرؓ نے اس لیے کی تھی کہ تمام صحابہ نے اجماعی طور پر اس کی تحسین کی تھی

---

[۱] الاعتصام جلد ۲ صفحہ ۳۲۲ لابی اسحٰق بن ابراہیم بن موسیٰ (۷۹۰ھ) [۲] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۵۹

اور متفقہ طور پر سب نے اس کو عمل صالح قرار دیا تھا اس کا تعلق بدعات سے نہیں ہے..... جن باتوں پر صحابہؓ کا اجماع ہو وہ حجت ہیں اور حضرت ابو بکرؓ کی تدوین قرآن پر تمام صحابہ کا اجماع ہے اسی طرح اذان عثمانی پر بھی۔[1]

پھر آپ یہ بھی لکھتے ہیں :-

جمعہ جیسی عظیم الشان عبادت کے لیے لوگوں کو جمع کرنے کی ضرورت کے پیشِ نظر جو اذانِ عثمانی رائج ہوئی یہ شعائر اسلام میں سے ہے۔[2]

اس سے یہ بات اور کھل گئی کہ اسلام میں صحابہؓ کے اعمال نہ صرف اعمالِ صالحہ ہیں بلکہ انہیں بایں طور شعائر اسلام کا درجہ بھی حاصل ہے کہ وہ سبیل المؤمنین میں ہیں اور ان کی راہ سے ہٹنا اور ان کے عمل سے کنارہ کشی کرنا اپنے آپ کو جہنم میں لے جانے کی ایک تحریک ہے گو وہ سنّتِ رسول کے نام سے ہی کیوں نہ چلائی گئی ہو۔

اسلام کا تسلسل اسی طرح جاری ہوا ہے اسے سنّتِ رسول سے مقید کرنا اور سبیل المؤمنین کو اس کے ساتھ نہ رکھنا یقیناً صراطِ مستقیم نہیں ہے۔ سو اسلام کے ماخذ چار ہی مانے جائیں گے ۱۔ کتاب اللہ۔ ۲۔ سنّتِ رسول اللہ۔ ۳۔ عمل صلحائے امت۔ ۴۔ اجتہاد (قیاس مجتہد)

یہ دعوےٰ کرنا کہ ہر پیش آنے والے نئے مسئلہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم عملی اور قولی تشریح کر چکے ہیں۔ تاریخ کے طالب علم اتنے کھلے جھوٹ کو کسی طرح تسلیم نہیں کر سکتے۔ اسلام کے چار اصول کو دو کرنے کی یہ تحریک جو ہندوستان میں انگریزی عہد میں اٹھی یہ خود ایک بدعت ہے اور ایک نئی راہ ہے جو پہلے نہ تھی۔ حضرت امام بخاریؒ جیسے عظیم محدث بھی سنتِ رسول کے ساتھ اقوالِ رجال کو ساتھ لے کر چلے ہیں۔ ان کی فقہ کو دیکھنا چاہیں تو ان کے تراجم میں دیکھیں۔ ہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ ائمہ صحاح ستہ کے اجتہادات ائمہ اربعہ کے اجتہاد کو نہیں پہنچتے۔ ائمہ اربعہ کا درجہ بطور مجتہد کے ان ائمہ حدیث سے کہیں اونچا تھا۔

مولانا حافظ عبداللہ روپڑی لکھتے ہیں :-

محدثین صحاح ستہ کے اجتہاد کو ائمہ کے اجتہاد پر ترجیح نہیں ہے۔[3]

حضرت امام ترمذی نے خود بھی فقہاء کے زیادہ علم ہونے کا اقرار کیا ہے۔

---

[1] بدعات اور ان کا شرعی پوسٹ مارٹم ص۱۶۷ [2] ایضاً ص۱۸۱ [3] فتاویٰ اہلحدیث جلد اص

حافظ ابن تیمیہؒ تسلسل امت کی گواہی میں

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) شیخ طریقت کی ضرورت پر بحث کرتے ہوئے اس امت کا تسلسل اس طرح آگے لے جاتے ہیں:-

واما انتساب الطائفة الی شیخ معین فلا ریب ان النّاس یحتاجون من یتلقون عنه الایمان والقرآن کما تلقی الصحابة ذٰلك عن النبی صلی الله علیه وسلم وتلقاه عنهم التابعون وبذلك یحصل اتباع السابقین الاولین باحسان فکما ان المرء له من یعلمه القرآن ونحوه فکذلك له من یعلمه الدین الباطن والظاهر۔[1]

ترجمہ۔ اور یہ بات کہ لوگ کسی خاص بزرگ سے نسبت قائم کریں سو اس میں شک نہیں کہ لوگ ایسے شخص کے محتاج ہیں جس سے وہ ایمان اور قرآن حاصل کریں۔ جیسا کہ صحابہؓ نے اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا تھا اور ان سے تابعین نے اور اسی سے سابقین اولین کی اچھے پیرائے کی اتباع میسر ہوتی آئی۔ سو جیسے اس شخص کی ضرورت در پیش رہی جو دوسرے کو قرآن اور دوسری دینی تعلیم دے اسی طرح اس شخص کی بھی ضرورت رہی جو اسے دین کو ظاہر اور باطن (شریعت اور طریقت) کے پیرایوں میں سکھائے۔

یہ صرف شیخ طریقت کی ضرورت کا بیان نہیں۔ شریعت میں بھی مسائل غیر منصوصہ میں یا ان مسائل منصوصہ میں جن میں کچھ ایسا ظاہری تعارض ہو اور ان کی تقدیم و تاخیر واضح طور پر معلوم نہ ہو کسی امام مجتہد کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت واضح ہو جاتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دین اپنے ہر پیرایہ میں طبقہ بہ طبقہ آگے بڑھا ہے اور پچھلوں کو پہلوں پر اعتماد کرنے سے ہی وہ اتباع سابقین اولین نصیب ہوتی ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں تحسین فرمائی اور ایسا کرنے والوں کو اپنی رضا کی سند دے دی ہے۔

آپ اپنی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم میں یہ بھی لکھتے ہیں:-

صراط مستقیم دل کے اندر پائے جانے والے کچھ باطنی امور مثلاً عقائد اور ارادوں

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۱۱ صفحہ ۵۱۰

وغیرہ پر اور کچھ ظاہری امور پر بھی مشتمل ہے۔ مثلاً اقوال و افعال۔ افعال و اقوال عبادت سے بھی تعلق رکھتے ہیں اور کھانے پینے نکاح گھر اجتماع و افتراق سفر و اقامت اور سواری وغیرہ جیسے فطری امور اور عادات سے بھی تعلق رکھتے ہیں اور ان ظاہری اور باطنی امور کے مابین ربط و مناسبت کا ہونا ضروری ہے۔ دل کے اندر جو شعوری امور اور احوال پائے جاتے ہیں وہ کچھ ظاہری امور کے بھی موجب اور مقتضی ہوتے ہیں اور جو ظاہری اعمال سرانجام پاتے ہیں وہ قلب میں کسی شعور اور حال کے موجب اور باعث ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکمت کے ساتھ مبعوث فرمایا حکمت میں سے یہ بات بھی ہے کہ ایسے اعمال و اقوال مشروع کیے جائیں جو مغضوب علیہم اور ضالین کے طور و طریق سے مختلف ہوں۔ [1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حافظ ابن تیمیہؒ سورۃ فاتحہ کی دعا اھدنا الصراط المستقیم کو ہی امت کی ایک شاہراہ بتلا رہے ہیں جس میں مومنین کا ظاہر و باطن بھی ایک دوسرے سے ملا ہوا ہو اور ان کی راہ بھی مسلسل چل رہی ہو۔

اس مضمون کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) نے مذاہب اربعہ کی ضرورت کے عنوان سے اس پیرایہ میں بیان کیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تسلسل امت کی شہادت

ان الامۃ اجمعت علی ان یعتمدوا علی السلف فی معرفۃ الشریعۃ فالتابعون اعتمدوا فی ذلک علی الصحابۃ وتبع التابعین اعتمدوا علی التابعین ..... ولیس مذھب فی ھذہ الازمنۃ المتاخرۃ بھذہ الصفۃ الا ھذہ المذاھب الاربعۃ ..... ولما اندرست مذاھب الحقۃ الا ھذہ المذاھب الاربعۃ کان اتباعھا اتباعًا للسواد الاعظم والخروج عنھا خروجًا عن السواد الاعظم۔ [2]

ترجمہ۔ اس امت نے اس پر اجماع کیا ہے کہ وہ معرفت شریعت میں پہلوں پر اعتماد

---

[1] ماخوذ از الشیخ احمد بن حجر ص۳۴۲ [2] العقد الجید ص۵۶

کریں تابعین نے معرفت شریعت میں صحابہ پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر اور ان آخری زمانوں میں مذاہب حقہ میں سے اس صفت (اتباع علی السلف) سے موصوف کوئی مذہب نہیں سوائے ان چار مذاہب کے . . . سو جب ان چار مذاہب کے سواسب مذاہب حقہ مٹ گئے سوائے ان چار کے تو ان چار کی اتباع ہی سواد اعظم کی اتباع ہے اور ان چار سے نکلنا سواد اعظم (اہل السنۃ والجماعۃ) سے نکلنا سمجھا جائے گا۔

وہ مذاہب حقہ کون سے تھے جواب نہیں رہے۔ ۱۔ امام سفیان الثوری (۱۶۱ھ) کے مقلدین ۲۔ امام اوزاعی (۱۵۷ھ) کے مقلدین۔ ۳۔ امام لیث بن سعد (۱۷۵ھ) کے مقلدین اور۔ ۴۔ اسحٰق بن راہویہ (۲۳۸ھ) کے مقلدین وغیرہم۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے دور میں اہلحدیث (باصطلاح جدید) ہرگز موجود نہ تھے۔ مقلدین ائمہ اربعہ کے سوا کوئی نہ تھا۔ غیر مقلدین کہیں نہ تھے اور اگر کہیں ان کے ہم خیال لوگ خال خال موجود تھے تو وہ اہل حق میں سے نہ تھے وہ اہل السنۃ والجماعۃ کے فرقہ ناجیہ میں شمار نہیں پاتے تھے۔

جماعت میں ایک سورۃ فاتحہ ہی پوری قوم کو ایک رکھ سکتی ہے

جب ہم نماز میں اللہ رب العزت سے ایک راہ پر چلنا مانگتے ہیں اور اهدنا الصراط المستقيم میں اللہ تعالیٰ سے اسی ایک شاہراہ پر رہنے کی طلب کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ نماز میں پوری قوم ایک سورۃ فاتحہ کے تحت کھڑی ہو۔ جب ہر ایک کی سورۃ فاتحہ اپنی اپنی ہوگی تو ظاہر ہے کہ پھر ہر ایک کی راہ بھی اپنی اپنی ہوگی پوری امت میں ایک اتحاد نہ آسکے گا۔ امام ایاك نعبد وایاك نستعين کہے تو سب کی طرف سے کہے اهدنا الصراط المستقيم کہے تو سب کی طرف سے کہے اور باقی سب اس کے اختتام پر آمین کہہ کر اس میں شامل ہو جائیں۔

جب سری نمازوں میں امام اور مقتدی دونوں سورۃ فاتحہ پڑھتے ہوں تو کیا ایسا عام نہ ہوتا ہوگا کہ مقتدی بعض کلمات اور آیات میں امام سے آگے نکل جائے اور دونوں کی سورۃ فاتحہ آپس میں ٹکراتی ہے۔ کبھی وہ آگے نکل گیا کبھی وہ۔ اب ظاہر ہے کہ اس صورت حال میں امام کہاں تک امام رہ سکے گا۔ مقتدی کا آمین کہنا اس لیے تھا کہ وہ امام کے پڑھے کو خود پڑھنے کی بجائے آمین کہہ کر

لے لے۔ یہ وہ وجوہ ہیں جن کی وجہ سے نماز مسلمانوں کو ایک شیرازے میں نہیں رکھ سکی ہم صراط مستقیم کے طلب گار ہو کر ایک راہ پر نہیں رہ سکے۔ نماز بے شک منکرات سے روکتی ہے لیکن اگر نماز خود اپنے مزاج پر نہ رہے مسلمانوں میں ایک دوسرے کے پیچھے چلنے اور ایک راہ پہ چلنے کا جذبہ پیدا نہ کرے تو ظاہر ہے کہ وہ فحشاء و منکر کو روکنے میں اتنی ہی کمزور رہے گی جیسا کہ ہم اس دور میں دیکھ رہے ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رح لکھتے ہیں:۔

دوا کے لیے ضروری نہیں کہ اس کی ایک ہی خوراک بیماری کو روکنے کے لیے کافی ہو بعض دوائیں کافی مقدار میں مدت تک التزام کے ساتھ کھائی جاتی ہیں اس وقت ان کا نمایاں اثر ظاہر ہوتا ہے بشرطیکہ مریض کسی ایسی چیز کا استعمال نہ کرے جو اس دوا کی خاصیت کے منافی ہو۔ پس نماز بھی بلاشبہ بڑی قوی التاثیر دوا ہے جو روحانی بیماریوں کو روکنے میں اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ ہاں ضرورت اس کی ہے کہ ٹھیک ٹھاک مقدار میں اس احتیاط اور بدرقہ کے ساتھ جو اطبائے روحانی نے تجویز کیا ہو خاصی دیر تک اس پر مواظبت کی جائے اس کے بعد مریض خود محسوس کرے گا کہ نماز کس طرح اس کی پرانی بیماریوں اور برسوں کے روگ دور کرتی ہے۔ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ نماز کا برائیوں سے روکنا بطور اقتضا ہو۔[1]

نماز کا ایک اپنا ڈسپلن ہے ڈسپلن کس لیے ہوتا ہے بے راہ روی اور آزاد روی کو روکنے کے لیے اور ایک نظام میں لانے کے لیے۔ امام اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدار کی جائے اور اگر صبح و شام یہ کہا جائے کہ اسلام میں امام کی کیا ضرورت ہے سب اپنی اپنی سورۃ فاتحہ پڑھیں وہاں مسجدوں میں یہی کچھ ہوتا ہے کہ کوئی کسی کو دل سے امام نہ مانے گا۔ یہ عجیب بات ہے کہ جہری نمازوں میں امام کو تو یہ کہا جائے کہ تم سورۃ فاتحہ بلند آواز سے پڑھو اور مقتدیوں کو کہا جائے کہ تم نے سننا نہیں تم اپنی اپنی سورۃ فاتحہ پڑھو۔ کیا اس سے یہ بات بہتر نہ تھی کہ امام کو سرے سے فاتحہ جہراً پڑھنے کے لیے نہ کہا جاتا۔ وہ سبحانک اللّٰہم کی طرح اسے بھی سراً پڑھتا اور جب سورت شروع کرتا وہ جہر کرتا اور مقتدی اسے سنتے۔ یہ کیسی بے معنی صدا ہے کہ امام کو تو کہا جائے کہ تو سورت فاتحہ بلند آواز سے پڑھ اور مقتدیوں سے کہا جائے کہ تم نے سننا نہیں۔

یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حکم دیا ہے:۔

---

[1] فوائد القرآن ص ۵۳۵

واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون ۔ (پ۹ الاعراف ۲۰۴)

ترجمہ. جب قرآن پڑھا جائے تو تم اسے پوری توجہ سے سنو اور خود خاموش رہو ہوسکتا ہے تم رحم الٰہی پا سکو.

اگر کہہ دیا جائے کہ یہ حکم کافروں کے لیے ہے مسلمانوں کے لیے نہیں مشہور اہلحدیث عالم مولانا محمد ابراہیم میر نے تفسیر واضح البیان میں یہی جواب دیا ہے جو حکم دوسروں کو دیا جا رہا ہے اس سے اپنوں کو محروم رکھنا بڑی دلیری ہے. اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے اور نماز کا ڈسپلن قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے.

سلف میں امام کی سورۃ فاتحہ نہ پانے والے کو یہی سمجھا جاتا تھا کہ اس کی سورۃ فاتحہ جاتی رہی یہ نہ کہا جاتا تھا کہ وہ اپنی سورۃ فاتحہ خود پڑھ لے. مقتدی اپنی سورۃ فاتحہ پڑھتے تو موطا مالک میں ہمیں عمل کا یہ پیمانہ نہ ملتا. حضرت ابوہریرہؓ نے کہا:-

من ادرك الركعة فقد ادرك السجدة ومن فاته ام القرآن فقد فاته خير كثير. [1]

ترجمہ. جس نے رکوع پالیا اس کا سجدہ بھی شمار میں آگیا اس کی رکعت ہو گئی اور جس کی سورۃ فاتحہ فوت ہو گئی اس کا خیر کثیر اس سے جاتا رہا.

حضورؐ کے پیچھے اگر کسی نے قرآن کریم پڑھا تو آپ نے نماز پوری کرنے کے بعد اس کی باز پرس کی اور اس کے پڑھنے کو اپنے پڑھنے میں مداخلت فرمایا. اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام کے پیچھے قرآن کریم (وہ فاتحہ ہو یا مازاد علی الفاتحہ) نہ پڑھنے سے پوری امت کا سکون وابستہ ہے اور یہ صراطِ مستقیم ہے جسے ہم اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں اور یہ سب کے لیے ایک راہ ہے.

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں امام کے پیچھے اپنی علیحدہ سورت فاتحہ پڑھنے کا عام رواج نہ تھا. ایسا ہوتا تو امام کے سورۃ فاتحہ پڑھ چکنے کو مقتدی کی سورۃ فاتحہ فوت ہوجانا نہ کہا جاتا. یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ امام والی فاتحہ ہی مقتدی کی سورۃ فاتحہ ہو

اس سے زیادہ لغو اور خلافِ فطرت اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ امام تو سورۃ فاتحہ جہراً پڑھے اور مقتدی کو حکم ہو کہ تم اسے نہ سنو اپنی پڑھو.

واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم.

---

[1] موطا ص۲۸

قال الامام الطحاویؒ

ودین اللہ فی الارض والسماء واحد وھو دین الاسلام

قال تعالیٰ ان الدین عند اللہ الاسلام

وقال ابن حزم کل دین سواہ باطل المحلی جلد ۱ ص ۱۰۲

نظریہ وحدتِ ادیان

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد :

ہندوستان میں برصغیر کی تقسیم سے قبل نظریہ وحدتِ ادیان بڑے شد ومد سے پیش کیا گیا تھا، اب بھی یورپ اور امریکہ کے بعض خطوں میں اس پر محنت کی جارہی ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں جتنے بھی مذاہب وادیان موجود ہیں ان پر ان کے پیرو اگر خلوص دل سے عمل کریں ان کے بتلائے معروفات کو اپنائیں اور ان کے بتائے منکرات سے بچیں تو آخرت میں ان پر سب کی نجات ہو سکے گی، یہ سب ادیان نجات کے لائق ہیں، یہ آواز بظاہر سب قوموں اور حلقوں کو اکٹھا کرنے کے لیے ایک بہت مؤثر آواز لگتی ہے۔ لیکن اس سے ہر عقیدہ و دین کو اپنے حلقے میں اپنے اساسی نظریات کھو دینے پڑتے ہیں جو مسلمان اس دام فریب میں آئے وہ اس آیت سے اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں :۔

ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا والنصارٰی والصابئین من اٰمن باللہ و الیوم الاٰخر وعمل صالحاً فلھم اجرھم عند ربھم ولاخوف علیھم ولا ھم یحزنون ۔ (پ البقرہ ۶۲ پ المائدہ ۶۱)

ترجمہ: بے شک جو لوگ مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین جو ایمان لایا ان میں سے اللہ پر اور روز قیامت پر اور کام کیے نیک تو ان کے لیے ہے ان کا ثواب ان کے رب کے پاس اور نہیں ان پر کوئی خوف اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

یہاں دو باتیں ملحوظ رہیں اور انہیں ایک علمی ضابطہ کے طور پر ذہن میں رکھیں :

۱۔ ایک ہی جگہ جب کوئی لفظ دو دفعہ آئے تو اس کے دو علیحدہ علیحدہ معنی ہوں گے ایک جگہ اس کے ظاہری معنی مراد ہوں گے اور دوسری جگہ اس کا حقیقی اقتضا مراد ہوگا۔ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت میں لفظ اٰمنوا اس ضابطے کا پتہ دیتا ہے :۔

یاایھا الذین اٰمنوا اٰمنوا باللہ ورسولہ والکتاب الذی نزل علیٰ رسولہ والکتاب الذی انزل من قبل ۔ (پ النساء ۱۳۶)

ترجمہ۔ اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے اس خاص رسول پر اور

اس کتاب پر جو اللہ نے نازل کی اپنے اس رسول پر اور اس کتاب پر بھی
جو نازل کی تھی پہلے۔

یہاں پہلے آمنوا سے ظاہر دعوئی اسلام مراد ہے اور دوسرے آمنوا سے ایمان
کا حقیقی مفہوم اللہ رب العزت اور یوم الآخرت پر دل سے یقین کرنا مراد ہے۔ اور اس میں بھی
اسی طرح جب ایمان اور اسلام کے الفاظ اکٹھے آئیں تو ان دونوں کے اپنے اپنے
معنی مراد ہوں گے جیسے ایک حدیث میں حضرت جبریل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان
اسلام اور احسان کے بارے میں سوالات کیے۔ موقع بیان ایک تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم
نے ایمان اور اسلام کے دو علیحدہ علیحدہ معنی بیان کیے اور جب یہ الفاظ علیحدہ علیحدہ مواقع
میں ہوں تو یہ ایک معنی کے ترجمان ہو سکتے ہیں :-

فاخرجنا من کان فیہا من المومنین ٥ فما وجدنا فیہا غیر بیت من
المسلمین. (پ۲۷ الذاریات ۳۵، ۳۶)

ترجمہ. پھر بچا نکالا ہم نے جو تھا وہاں ایمان والا۔ پھر نہ پایا ہم نے وہاں
سوائے ایک گھر کے مسلمانوں سے۔

یہاں ایمان اور اسلام کے الفاظ علیحدہ علیحدہ آئے ہیں اور دونوں ایک معنی میں
ہیں۔ ایمان اور اسلام یہاں ایک مورد میں ہیں۔ محدثین نے حدیث جبریل میں یہ ضابطہ بیان
کیا ہے کہ جہاں یہ دو لفظ ایک جگہ آئیں تو دو معنی میں ہوں گے اور جہاں علیحدہ علیحدہ آئیں
تو ایک معنی میں ہوں گے۔ اذا اجتمعا افترقا واذا افترقا اجتمعا۔

پوری صراحت سے رسالتِ محمدی اور قرآن پر ایمان لانے کا حکم موجود ہے۔

سورۃ البقرہ کی آیت ۶۲ و المائدہ کی آیت ۶۹ میں پہلے ایمان سے مراد دعوئی اسلام ہے
اور دوسری جگہ ایمان کا حقیقی تقاضا مراد لیا جائے گا۔ مندرجہ ذیل آیت میں بھی ایمان کا لفظ دو
جگہ علیحدہ علیحدہ معنی دے رہا ہے۔

یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم ھزوًا ولعبًا من الذین
اوتوا الکتاب من قبلکم والکفار اولیاء واتقوا اللہ ان کنتم مؤمنین۔
(پ۶ المائدہ ۵۷)

ترجمہ. اے ایمان والو! نہ بناؤ ان لوگوں کو دوست جنہوں نے تمہارے دین

کو ہنسی اور کھیل ٹھہرا رکھا ہے جو دیئے گئے تھے کتاب تم سے پہلے اور نہ مطلق کافروں کو اور ڈرو اللہ سے اگر تم واقعی ایمان والے ہو۔

یہاں بھی پہلے ایمان سے ظاہری انقیاد اسلام مراد ہے اور دوسرے لفظ ایمان سے ایمان کا حقیقی اقتضاء مراد ہے (اگر تم واقعی ایمان والے ہو)۔

مندرجہ ذیل آیت میں بھی لفظ علم دو علیحدہ علیحدہ مورد میں وارد ہے۔

ولقد علموا لمن اشتراہ مالہ فی الآخرۃ من خلاق ۔ ولبئس ما شروا بہ انفسھم لو کانوا یعلمون۔ (پ البقرہ ۱۰۲)

ترجمہ۔ اور وہ خوب جان چکے ہیں کہ جس نے اختیار کیا اسے (جادو کو) اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور بُرا ہے سودا جو انہوں نے اپنی جانوں کے بدلے کیا کاش کہ وہ جانتے ہوتے۔

اس آیت میں ایک درجے میں علم کا اثبات ہے اور ایک درجے میں اس کی نفی ہے۔ سو البقرہ کی آیت ۶۲ میں بھی ان الذین اٰمنوا اور آخر کے الفاظ من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر میں بھی یہ قاعدہ کارفرما ہے گا کہ پہلے اٰمنوا سے مراد دعویٰ اسلام ہے اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کے حکموں پر دل سے ایمان لانا مراد ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے ترجمہ قرآن میں البقرہ کی آیت ۶۲ اور المائدہ کی آیت ۶۹ میں دونوں جگہ ان الذین اٰمنوا سے ان کا ایمان لانا مراد لیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

جو اسلام قبول کرے اس کو ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام حکموں پر دل سے ایمان لائے۔

سو پہلے لفظ اٰمنوا سے مراد ظاہری انقیاد اسلام ہے اور من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر سے ایمان کا حقیقی اقتضاء مراد ہے۔

۲۔ قرآن پاک میں من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر سے مراد بھی صرف اللہ اور یوم آخر پر ایمان لانا مراد نہیں۔ یہ قرآن پاک کی ایک اصطلاح ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کے حکموں پر دل سے ایمان لانا مراد ہے۔ ایمان بالرسالۃ اور ایمان بالقرآن اور ایمان بختم نبوت محمدیہ سب ضروریات دین اس دعویٰ ایمان میں برابر جمع ہیں اسے قرآن پاک کی اصطلاح کے طور پر جانئے۔

ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر پورے اسلام کا عنوان ہیں۔ منافقین جب حضورؐ کی خدمت میں آئے اور انہوں نے یہ ظاہر کرنا چاہا کہ وہ آپ کی رسالت ایمان لائے تو انہوں نے اسی عنوان سے اپنے عنوان بالرسالۃ کی کذباً خبر دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعویٰ ایمان کی تردید کی۔ حالانکہ وہ منافق اللہ تعالیٰ اور یوم آخر کے تو کبھی منکر نہ کہے گئے تھے۔

۱۔ ومن الناس من یقول اٰمنا باللہ وبالیوم الاٰخر وما ھم بمؤمنین۔ (پ البقرہ)

ترجمہ۔ اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور وہ ہرگز مومن نہیں ہیں۔

اس سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ اس عنوان سے ان کی مراد پورا اسلام تھا نہ کہ صرف ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر وہ آئے ہی حضورؐ کو یہ بتلانے کے لیے تھے کہ ہم آپ کو اللہ کا پیغمبر مانتے ہیں۔

ان آیتوں میں بھی آپ ان دو لفظوں کا یہی مفہوم دیکھیں گے :۔

۲۔ وماذا علیھم لو اٰمنوا باللہ والیوم الاٰخر وانفقوا مما رزقھم اللہ وکان اللہ بھم علیما۔ (پ النساء ۳۹)

ترجمہ۔ اور ان کا کیا بگڑتا اگر وہ ایمان لے آتے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور خرچ کرتے اللہ کے اپنے دیئے میں سے، اور اللہ انہیں خوب جانتا ہے۔

۳۔ انما یعمر مساجد اللہ من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ ولم یخش الا اللہ فعسٰی اولٰئک ان یکونوا مؤمنین۔ (پ التوبہ ۱۸)

ترجمہ۔ اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو ایمان لا چکے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور انہوں نے نماز قائم کی اور دی زکوٰۃ اور نہ ڈرے اللہ کے سوا کسی سے تو قریب ہے کہ یہ لوگ ہو جائیں ان میں سے جو ہدایت پائے ہوئے ہیں۔

۴۔ ولا یحل لھن ان یکتمن ما خلق اللہ فی ارحامھن ان کن یؤمن باللہ والیوم الاٰخر۔ (پ البقرہ ۲۲۸)

ترجمہ۔ اور انہیں جائز نہیں کہ چھپائیں اسے جو اللہ نے ان کے رحم میں پیدا کر دیا ہے اگر وہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں۔

سو یاد رکھیے قرآن کی اصطلاح میں ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر پورے اسلام کا عنوان ہے۔ جو لوگ ظاہری طور پر ایمان کا دعویٰ کیے ہوئے ہیں مگر دل سے وہ مومن نہیں وہ بھی اسی طرح غیر مسلم ہیں جس طرح یہودی اور عیسائی۔ ان سب میں جو شخص حقیقی طور پر ایمان نہ لائے، حضورؐ کی رسالت کو نہ مانے وہ ہرگز نجات کا مستحق نہیں۔ نجات اسی کے لیے ہے جو دل سے حضورؐ کی رسالت پر جملہ ضروریاتِ دین کے ساتھ ایمان لائے ہوئے ہو۔ اس کا تعلق آخرت سے ہے۔ دنیوی حساب میں ہم اسے مومن ہی سمجھیں گے۔ کیونکہ کسی کے دل تک پہنچنا ہمارے بس میں نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو کسی کے دل کی حالت پر مطلع کر دے تو یہ امر دیگر ہے۔

سورۃ البقرہ اور المائدہ کی مذکورہ بالا آیات آخرت کی فلاح سے متعلق ہیں یہ دنیوی احکام سے متعلق نہیں ہیں۔

نظریہ وحدتِ ادیان کے پیروان دو لفظوں ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر سے ان کے لغوی معنی مراد لیتے ہیں اور انہیں قرآن کریم کی ایک اصطلاح کے طور پر نہیں سمجھتے۔ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور نیک اعمال کرے تو آخرت میں نجات پا سکے گا۔ رسالت محمدی کا اقرار نجات کے لیے ضروری نہیں یہ درست نہیں۔ قرآن کریم اللہ پر ایمان اور نیک اعمال کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری قرار دیتا ہے اور اسے ہی سچا دین قرار دیتا ہے۔

والذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت واٰمنوا بما نزّل علی محمد وھو الحق من ربھم کفر عنھم سیاٰتھم واصلح بالھم۔ (پ ۲۶ محمد)

ترجمہ۔ اللہ پر جو ایمان لائے اور کیے انہوں نے بھلے کام اور اس پہ ایمان لائے جو محمد پر اتارا گیا اور وہی ہے سچا دین ان کے رب کی طرف سے۔ ان پر سے اتاریں ان کی برائیاں اور سنوار دیا ان کا حال۔

سو اگر البقرہ کی آیت ۶۲ سے ہر دین والوں کو لائق نجات ٹھہرایا جائے تو یہ صریح طور پر سورۂ محمد کی اس آیت سے ٹکرائے گی۔ سورۂ محمد کی اس آیت میں صاف طور پر حضور پر ایمان لانے کو ہی اللہ رب العزت کی طرف سے سچا دین کہا گیا ہے۔ سو اس رفع تعارض کے لیے ضروری ہے کہ ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر کو قرآن کریم کی ایک اصطلاح

مانا جائے اور ان الفاظ سے ان کے لغوی معنی مراد نہ لیے جائیں۔

پھر یہ بات بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ اگر اسے وحدتِ ادیان کی حمایت میں لایا جائے تو اس سے قرآن کریم کی دوسری کئی تصریحات میں بڑی بڑی مشکلات پیش آئیں گی مناسب ہوگا کہ انہیں ایک ترتیب سے سمجھ لیا جائے۔

۱۔ اس سے لازم ٹھہرتا ہے کہ حضورؐ کی رسالت کل بنی آدم کے لیے نہ ہو

اس نظریہ سے لازم آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کل بنی آدم کے لیے نہ ہو۔ جب اپنے اپنے مذہب پر رہ کر وہ سب مستحق نجات ہو لیے تو اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول ماننے کی کیا ضرورت رہے گی؟ لیکن قرآن تو آپ کی رسالت ہر اس شخص کے لیے لازم ٹھہراتا ہے جسے بھی آپ کی بات پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا:۔

۱۔ قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا الذی لہ ملک السموٰت الارض .... فاٰمنوا باللہ ورسولہ النبی الامیّ۔ (پ۹ الاعراف ۱۵۸)

ترجمہ۔ آپ کہہ دیں اے لوگو! میں سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ اس اللہ کا جس کی حکومت سارے آسمانوں اور زمین پر ہے ..... سو تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس نبی امّی پر جو یقین رکھتا ہے اللہ پر۔

۲۔ اوحی الی ھذا القراٰن لانذرکم بہ ومن بلغ۔ (پ۷ الانعام ۱۹)

ترجمہ۔ اور اتارا گیا میری طرف یہ قرآن تاکہ میں تمہیں اس سے خبردار کروں اور ہر اس شخص کو جسے میری یہ دعوت پہنچے۔

۳۔ وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس بشیرًا ونذیرًا۔ (پ۲۲ السبا ۲۸)

ترجمہ۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور (اس کی پکڑ سے) ڈرانے والا۔

والمعنی انک مبعوث الی الناس کافۃ وکلھم مامورون باتباعک والتدین بشرعک ودینک .... فکل الناس امتک۔[1]

---

[1] شیخ زادہ جلد ۳ صفحہ ۲۹۳

۴. تبارک الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہ لیکون للعالمین نذیراً (پ۱۸ الفرقان)
ترجمہ. برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل کیا تاکہ
آپ تمام جہانوں کے لیے (کل دنیا کے لیے) اللہ سے ڈرانیوالے ہو جائیں.

۵. والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالاٰخرۃ ھم یوقنون.
(پ۱ البقرہ)
ترجمہ. اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اس وحی پر جو آپ کی طرف اتاری گئی
اور وہ آخرت پر یقین لائے ہوئے ہیں.
اس میں پوری صراحت سے یہ بات کہی گئی ہے کہ آخرت کی نجات صرف انہی لوگوں
کا نصیب ہے جو حضورؐ کی پیش کردہ وحی پر ایمان لا چکے.

۶. وارسلناک للناس رسولاً وکفیٰ باللہ شہیداً. (پ۵ النساء ۷۹)
ترجمہ. اور ہم نے بھیجا آپ کو تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر اور اس پر اللہ کی
گواہی کافی ہے.
جب آپ کو تمام لوگوں کے لیے جو خدا کے حضور میں موجود ہیں رسول بنا کر بھیجا گیا تو
اب نظریہ وحدت ادیان کی کیا صورت رہی؟

۷. ولقد ضربنا للناس فی ھذا القراٰن من کل مثل لعلھم یتذکرون. (پ۲۳ الزمر۲۷)
ترجمہ. اور ہم نے بیان کر دیں سب لوگوں کے واسطے اس قرآن میں ہر چیز کی
مثل تاکہ وہ سمجھ پائیں.

۸. ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل
المؤمنین نولہ ما تولیٰ ونصلہ جہنم وساءت مصیراً. (پ۵ النساء ۱۱۵)
ترجمہ. اور جو مخالفت کرے اس رسول کی بعد اس کے کہ کھل چکی اس پر سیدھی
راہ اور چلے مسلمانوں کے رستے کے خلاف تو ہم اسے پھیر دیں گے اس طرف
جدھر وہ پھرا اور ڈالیں گے اس کو دوزخ میں اور وہ بہت بری جگہ ہے پہنچنے کی
اگر ہر دین اپنی جگہ ضامن نجات ہوتا تو یہود کو انجیل کی تعلیم کیسے لازم کی جا سکتی تھی
اور قرآن کریم اہل کتاب کو مخاطب کر کے کیوں تمام رسولوں پر ایمان لانے کی دعوت دیتا.

۹. قل یا اھل الکتاب لستم علیٰ شیءٍ حتیٰ تقیموا التوراۃ والانجیل وما انزل

الیکم من ربکم۔ (پ۶ المائدہ ۶۸)

ترجمہ۔ آپ کہہ دیں اے اہل کتاب تم کسی راہ پر نہیں جب تک تم تورات انجیل اور قرآن کو قائم نہ کرو۔

قرآن چونکہ پہلی سب کتابوں کا مہیمن ہے سب کے احکام باقیہ اپنے میں لیے ہوئے ہے اس لیے اسے قائم کرنا تورات و انجیل اور سب صحف سماویہ کو قائم کرنا ہے اس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ تورات۔ انجیل اور قرآن ان سب کی علمبردار ایک ہی ملت ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ علیحدہ علیحدہ ملتیں ہرگز کسی درجہ میں شمار نہیں۔

اس کے بعد وہ آیت ہے جسے وحدت ادیان کے حامی اپنے دعویٰ پر بطور دلیل کے پیش کرتے ہیں ہم اسے ماقبل سے کسی طرح بے تعلق نہیں کر سکتے۔

۱۰۔ یاایھا النّاس قد جاء کم الرسول من ربکم فاٰمنوا خیرًا لکم۔ (پ۶ النساء ۱۷۰)

ترجمہ۔ اے لوگو! تمہارے پاس یہ رسول آچکا حق بات لے کر اس پر ایمان لے آؤ یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔

یاایھا النّاس کے اس خطاب عام میں اہل کتاب بھی شامل ہیں اور انہیں کہا گیا کہ سب رسولوں پر ایمان لاؤ اور تثلیث چھوڑ دو۔ اگر ہر دین میں نجات موعود ہوتی تو انہیں تثلیث چھوڑنے کی دعوت کیوں دی جاتی۔

یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللّٰہ الا الحق ۔ ۔ ۔ فاٰمنوا باللّٰہ ورسلہ ولا تقولوا ثلٰثۃ انتھوا خیرًا لکم انما اللّٰہ الٰہ واحد سبحانہ ان یکون لہ ولد ۔ (پ۶ النساء ۱۷۱)

ترجمہ۔ اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو اور نہ کہو اللہ کی شان میں مگر سچی بات .... مانو اللہ کو اور اس کے سب رسولوں کو اور نہ کہو کہ خدا تین ہیں اس بات سے رک جاؤ یہ بات تمہارے لیے بہتر ہے اللہ ایک ہی ہے عبادت کے لائق۔ وہ پاک ہے اس سے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔

احادیث میں بھی نہایت صراحت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو سارے جہان کے لیے ایک رسول بتلایا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

۱۔ ارسلت الی الخلق کافۃ۔[1]

ترجمہ: میں تمام لوگوں کی طرف بطور رسول بھیجا گیا ہوں۔

۲۔ یہود و نصاریٰ اپنے پیغمبروں پر ایمان لانے کے باوجود خدا کی بادشاہی میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک اس نبی اُمی پر ایمان نہ لائیں جو سب جہانوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

والذی نفس محمد بیدہ لا یسمع بی احد من ھذہ الامۃ یھودی ولا نصرانی ثم یموت ولم یومن بالذی ارسلت بہ الا کان من اصحاب النار۔[2]

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے (اس امت) میں کوئی یہودی اور نصرانی نہیں جسے میری بات پہنچی اور وہ اس بات پر ایمان نہ لایا جو میں دے کر بھیجا گیا ہوں مگر یہ کہ وہ آخرت میں نجات نہ پا سکے گا۔

۳۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

انا رسول من ادرکنی حیاً ومن یولد بعدی۔[3]

ترجمہ: میں ہر اس شخص کے لیے رسول ہوں جس نے مجھے پایا اور اس کے لیے بھی جو میرے بعد پیدا ہو۔

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں تورات پڑھنے کی اجازت نہ دی ہر ایک پر اپنی پیروی کو لازم ٹھہرایا یہاں تک فرمایا کہ آج (زمین پر) اگر خود صاحب تورات بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی راہ میری اتباع میں ملتی۔ حضرت عیسیٰ کے نام پر بھی کوئی امت خدا کی راہ میں قائم نہ رہ سکے گی۔ اب سب قوموں کی امامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں:۔

والذی نفس محمد بیدہ لو بدا لکم موسیٰ فاتبعتموہ وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولو کان حیاً وادرک نبوتی لاتبعنی۔[4]

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر موسیٰ تمہارے سامنے آ حاضر ہوتے اور تم ان کی پیروی میں لگ جاتے اور مجھے چھوڑ دیتے تو تم سیدھی راہ سے بھٹک جاتے اور اگر آپ بھی زندہ ہوتے اور میری نبوت کا دور پا لیتے تو وہ میری پیروی کرتے۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۹۹ [2] ایضاً صفحہ ۸۶ [3] رواہ ابن سعد [4] رواہ الدارمی۔

۵. حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ الاسراء میں بیت المقدس میں سب پیغمبروں کی امامت فرمائی اور اپنے ساتھ کسی دوسرے پیغمبر کو کسی درجہ امامت میں ساتھ نہ رکھا۔
اس سے واضح ہے کہ اب حضرت موسیٰ کی امامت نہ رہے گی اور نہ حضرت عیسیٰ کے نام پر کوئی امت خدا کی راہ کی آواز دے سکے گی۔

۶. حدیث شفاعت میں شفاعت کبریٰ صرف آپ کے ہاتھ میں دی جائے گی۔
اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ کے سوا اور کوئی نہیں کہ اس سے وابستگی اس دن کسی کے لیے سبب نجات بن سکے۔ رسالت محمدی اور اطاعت محمدی کے سوا کوئی راہ خدا کی بادشاہی میں جانے کی نہیں۔

ان آیات اور احادیث سے یہ عقیدہ قطعی درجہ میں قائم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائے بغیر کسی کی اس دن نجات نہ ہو سکے گی۔ سو البقرہ کی پیش کردہ مذکورہ بالا آیت کا مطلب وہ مدعا ہی ہونا چاہیئے جو ان دوسری آیات سے منطبق ہو سکے۔ اس کی کوئی ایسی تشریح کرنا جو اتنی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے ٹکرائے کبھی مراد الٰہی نہیں ہو سکتی۔ نہ کبھی دو آیتوں میں کبھی حقیقی تعارض ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مختلف مذاہب ادیان میں فیصلہ حساب کے دن سنائیں گے

اگر سارے مذاہب وادیان اللہ تعالیٰ کے ہاں لائق نجات و فلاح ہوں اور انسان کسی بھی زینہ سے رضائے الٰہی کا حقدار ہو سکے تو اللہ تعالیٰ ان سب کے مابین فیصلہ کیوں فرمائیں گے۔ یہ بات تو پہلے سے طے شدہ ہونی چاہیئے کہ اگر اخلاص دل سے اپنے دینی اعمال بجا لائیں تو اس دن ہر دین والے لائق فلاح ہوں گے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم کے بارے میں مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ میں جتنے بھی اختلافات ہوئے علمی طور پر ان کی وضاحت اور اتمام حجت تو دنیا میں ہو چکی تھی تاہم بایں وجہ کہ کچھ لوگ اس علمی فیصلے کو اپنی ضد کے باعث نہ ماننے۔ اللہ تعالیٰ ان مختلف حلقوں میں اس دن فیصلہ فرمائے گا۔ اس دن اس فیصلہ کے آگے کسی کی کٹ حجتی حجت نہ بن سکے گی۔

۱. اللہ تعالیٰ نے جب حضرت عیسیٰ کو تسلی دی تھی کہ یہودیوں کے ہاتھ تجھ تک نہ پہنچ سکیں گے۔ تو یہ بھی فرمایا کہ میں تیرے ماننے والوں کو تیرے دشمنوں پر ہمیشہ غالب رکھوں

گا۔ تو فرمایا :-

۱۔ وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ ثم الی مرجعکم فاحکم فیما کنتم فیہ تختلفون ۔ (پ۳ آل عمران ۵۵)

ترجمہ: میں ان لوگوں کو جو تیرے تابع ہوں گے ان لوگوں پر جو تیرے منکر ہوئے قیامت تک غالب رکھوں گا۔ پھر تم سب کا میری طرف ہی آنا ہے۔ میں پھر ان امور میں فیصلہ کروں گا جن میں تم آپس میں مختلف ہو رہے تھے۔

اگر سارے مذاہب و ادیان اپنی جگہ برحق ہوتے اور ان سے تمسک اس دن کی فلاح و نجات کے لیے کافی ہے تو پھر اس دن فیصلہ کر لینے کا کیا مطلب؟

۲۔ وقالت الیہود لیست النصاریٰ علیٰ شیٔ وقالت النصاریٰ لیست الیہود علیٰ شیٔ وھم یتلون الکتاب کذلک قال الذین لا یعلمون مثل قولھم فاللہ یحکم بینھم یوم القیٰمۃ فیما کانوا فیہ یختلفون ۔ (پ۱ البقرہ ۱۱۳)

ترجمہ: اور یہود نے کہا نصاریٰ کسی بات پر نہیں اور نصاریٰ نے کہا یہودی کسی بات پر قائم نہیں حالانکہ وہ سب کتاب (تورات) پڑھتے ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں نے بھی کہا جو مکہ کے رہنے والے تھے سو خدا تعالیٰ ہی ان سب میں قیامت کے دن فیصلہ کریں گے کہ ان میں حق پر کون تھا۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحج میں ایک مقام پر چھ مختلف عقائد کا ذکر فرمایا۔ ۱۔ مسلمانوں کا۔ ۲۔ یہودیوں کا۔ ۳۔ صابئین کا۔ ۴۔ عیسائیوں کا۔ ۵۔ مجوسیوں کا اور ۶۔ مشرکین (ہندوؤں) کا۔ اور پھر کہا کہ میں ان کے مابین قیامت کے دن فیصلہ کروں گا۔

۳۔ ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا والصابئین والنصاریٰ والمجوس والذین اشرکوا ان اللہ یفصل بینھم یوم القیٰمۃ ان اللہ علیٰ کل شیء قدیر ۔

(پ۱۷ الحج ۱۷)

ترجمہ: بے شک جو لوگ مدعی اسلام ہوئے اور جو یہود ہیں اور ستارہ پرست ہیں اور عیسائی ہیں اور مجوس (آتش پرست) ہیں اور مشرک ہیں اللہ ان سب میں قیامت کے دن فیصلہ کریں گے (کہ ان میں حق پر کون تھا) اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

۴۔ ولکل امۃ جعلنا منسکاً ھم ناسکوہ فلا ینازعنک فی الامر وادع الیٰ ربک انک لعلیٰ ھدًی مستقیم ٥ وان جادلوک فقل اللہ اعلم بما تعملون ٥ اللہ یحکم بینکم یوم القیٰمۃ فیما کنتم فیہ تختلفون ٥ (پ۱۷ الحج ۶۹)

ترجمہ۔ اور ہر امت کے لیے ہم نے ٹھہرائی ایک راہ بندگی کی وہ اسی پر بندگی میں چلے سو وہ تجھ سے اس میں جھگڑا نہ کریں اور تو بلائے جا اپنے رب کی طرف بے شک تو ہے سیدھی راہ پر اور اگر وہ تجھ سے جھگڑیں تو تو کہہ اللہ بہتر جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اللہ فیصلہ کرے گا تم میں قیامت کے دن جس چیز میں تمہاری راہ جدا جدا تھی۔

۵۔ یہود و نصاریٰ کے بارے میں فرمایا کہ ان کا فیصلہ بھی قیامت کے دن ہی ہو گا:۔

اغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء الیٰ یوم القیٰمۃ وسوف ینبئھم بما کانوا یصنعون۔ (پ۶ المائدہ ۱۴)

ترجمہ۔ پھر ہم نے لگادی ان کے مابین دشمنی اور کینہ قیامت کے دن تک اور پھر جتا دے گا اللہ ان کو جو کچھ وہ کرتے تھے۔

اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہود و نصاریٰ اپنی یہاں کی کشمکش میں آخرت میں دونوں نجات کے لائق سمجھے جائیں۔

نظریۂ وحدتِ ادیان کی رُو سے دُنیا میں کوئی کافر نہ رہے

جب ہر دین و مذہب اپنے عقیدہ پر عمل پیرا ہونے کے باعث لائق نجات و فلاح رہا تو پھر سارے بنی نوع انسان خدا پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے کے باعث مومن ٹھہرتے ہیں اور اس صورت میں دنیا میں (ماسوائے دہریہ لوگوں کے) کوئی کافر نہیں رہتا حالانکہ دہریوں کی گنتی دنیا میں بہت ہی کم ہے۔ پھر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا بار بار اور جگہ جگہ کافروں کا پتہ دینا بتلاتا ہے کہ یہ واقعی ایک بڑی قوم ہے۔ گو وہ مختلف ادیان میں کیوں نہ بٹی ہو۔ قرآن کریم میں ہے کہ دنیا میں صرف دو ہی عقیدوں کے لوگ ہیں۔ ۱۔ کافر اور ۲۔ مومن

ھو الذی خلقکم فمنکم کافر ومنکم مؤمن واللہ بما تعملون بصیر۔

(پ۲۸ التغابن ۲)

ترجمہ. وہ ہے جس نے تم سب کو پیدا کیا سو تم میں ہیں کافر اور تم میں ہیں مومن.

کافر کتنی ہی ملتوں میں منقسم کیوں نہ ہوں حقیقتہً سب ایک ہیں. الکفر ملۃ واحدۃ.
قرآن کریم میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے ایک مومن اور پانچ کافر قوموں کا ذکر فرمایا. یہ کل چھ ہوئے
پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں دو قومیں فرمایا. ۱. مومن اور ۲. کافر. اس سے معلوم ہوتا ہے. کہ
اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ پانچ انجام کار ایک ہیں. کل دو ہی طرح کے انسان ہوتے. مومن اور
کافر. ارشاد باری تعالیٰ ہے :.

ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا والصابئین والنصارٰی والمجوس والذین
اشرکوا. (پ الحج ۱۷)

ترجمہ. بے شک جو لوگ مسلمان ہیں اور جو یہودی ہیں اور صابئین اور نصارٰی
اور مجوس اور جو مشرک ہوئے (ہنود) اللہ فیصلہ کرے گا ان میں قیامت
کے دن.

یہ کل کتنے مذاہب ہوئے ا چھ. ان چھ کو آگے دو طبقے فرمایا. یہ دو اپنے پروردگار
کی راہ میں جھگڑ رہے ہیں :.

ھذان خصمان اختصموا فی ربھم. (پ الحج ۱۹)

ترجمہ. یہ دو مدعی ہیں جھگڑے کے اپنے رب کے بارے میں.

المراد بھذا المؤمنون والکافرون فی ربھم فی دینہ او فی ذاتہ وصفاتہ [۱]

ترجمہ. اس سے مراد مومنوں اور کافروں کے دو گروہ ہیں جو اللہ کے بھیجے دین اور
اس کی ذات وصفات میں آپس میں جھگڑ رہے ہیں.

کیا اہل کتاب کافروں میں شمار ہوں گے یا یہ کوئی علیحدہ ملت ہے؟

۱. جو لوگ بھی حضورؐ کے دین سے منکر رہے. گو اپنی جگہ کسی نہ کسی دین سے وابستہ ہوں
ان سب کو قرآن کریم میں کافر کہا گیا ہے :.

قل یا ایھا الکافرون لا اعبد ما تعبدون . . . . لکم دینکم ولی دین. (پ الکافرون)

[۱] بیضاوی بشیخ زادہ جلد ۳ ص ۳۷۹

ترجمہ. آپ کہہ دیں اے (میری رسالت کا) انکار کرنے والو! میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم کرتے ہو. تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین.
یہاں کن لوگوں کو کافر کہا گیا ہے جو حضورؐ اکرمؐ کی رسالت کے نہ ماننے والے تھے. وہ مطلقاً خدا کے منکر نہ تھے. کسی نہ کسی دین کے پیرو تھے پر وہ حضورؐ کی رسالت کے قائل نہ ہوئے اور انہیں ببانگ دہل کافرون کہا گیا ہے. ان کا دین بھی اگر دین مانا گیا ہوتا تو انہیں کسی طرح کافرون کہہ کر آواز نہ دی جاتی.

۲. قرآن کریم میں خاص اہل کتاب کا نام لے کر انہیں کفر کا قصوروار ٹھہرایا گیا ہے. اگر اب اس دور میں تورات کتاب الٰہی مانی جاتی کافی ہوتی اور آسمانی ہدایت کی رو سے تورات کا دور اب بھی باقی ہوتا تو اہل تورات کو کبھی کافرون کے زمرہ میں شمار نہ کیا جاتا.

لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین منفکین حتی تاتیھم البینۃ. (پ۳۰ البینۃ)

ترجمہ. اہل کتاب اور مشرکین (جو توحید کے منکر ہوئے) نہ تھے شرک سے باز آنے والے جب تک ان کے پاس یہ روشن نشانی نہ آتی.

۳. فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ. (البقرہ ۸۹)

ترجمہ. پس جب ان کے پاس وہ کچھ آیا جسے وہ پہچانتے تھے تو اب وہ اس کے منکر ہو گئے.

انہیں کفروا میں اسی لیے داخل کیا گیا کہ اب ان کا اپنے دین میں رہنا کسی طرح انہیں فائدہ نہ دے سکتا تھا. اگر ان کے دین کو کسی درجہ میں بقا ہوتی تو یہ کبھی کافروں میں شمار نہ پاتے.

۴. یاایھا الناس قد جاءکم الرسول بالحق من ربکم فامنوا خیرا لکم وان تکفروا فان للہ ما فی السموات والارض. (پ۶ النساء. ۱۷۰)

ترجمہ. اے لوگو! تمہارے پاس یہ رسول اپنے رب سے سچائی کے ساتھ آپہنچے ہیں ان پر ایمان لاؤ یہی تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم انکار کرو تو اللہ کے پاس آسمانوں اور زمین کی پوری وسعتیں ہیں.

یہ سب انسانوں کو کہا گیا ہے اور اس رسول برحق کے انکار کو کفر کہا گیا ہے. اگلی آیۃ

نے وضاحت ہوتی ہے کہ یا ایہا الناس کے خطاب میں یہ اہل کتاب بھی شامل ہیں.

حضورؐ کی رسالت پر ایمان لانا کُلّ بنی آدم کے لیے ضروری ہے

امام نووی (۶۷۶ھ) نے صحیح مسلم کے ابواب میں ایک باب اس طرح باندھا ہے:

وجوب الایمان برسالة نبینا صلی اللہ علیہ وسلم الی جمیع الناس ونسخ الملل بملتہ.

ترجمہ. نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سب لوگوں کے لیے ہے اور پہلی تمام ملتیں حضور کی ملت سے کالعدم ہو چکیں اس پر ایمان لانا ضروری ہے.

قرآن کریم میں اسلام کی عالمی دعوت کا بیان

قرآن کریم کیا اسلام کو صرف بنو اسمٰعیل کے لیے زندگی کی راہ بتلاتا ہے اور دوسرے مذاہب و ادیان کو بھی پورا تحفظ دیتا ہے کہ یہ بھی خدا کی راہیں ہیں یا قرآن کریم کی رو سے اسلام ہی ایک واحد دین ہے جس کے سوا اللہ تعالیٰ کو کوئی اور دین پسند نہیں. آیئے اس سلسلہ میں قرآن کی دعوت پہ نظر کریں :-

۱. ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ وھو فی الاٰخرة من الخاسرین.

(پ ۳ آل عمران ۸۵)

ترجمہ. اور جو تلاش کرے اسلام کے سوا کوئی اور دین سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا اور ہوگا وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں سے.

اس سے صاف پتہ چلا کہ اللہ کے ہاں پسندیدہ دین ایک ہی ہے اس دین کے سوا کوئی دین بھی ہو وہ آخرت میں ہرگز ذریعہ نجات نہ بنے گا.

اس کا حاصل اس کے سوا کیا ہے کہ صرف اسلام ہی دین حق ہے اور اس کے سوا باقی سب دین راہِ صواب نہیں ہیں. جو لوگ صرف ظاہر قرآن پر چلتے ہیں ہم ان کی بھی ایک شہادت پیش کیے دیتے ہیں کہ قرآن میں وحدتِ ادیان کا کوئی تصور نہیں ہے.

حافظ ابن حزم ظاہری (۴۵۶ھ) لکھتے ہیں :-

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کل ماجاء بہ حق وکل دین سواہ باطل.

ترجمہ. کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور جو کچھ آپ لے کر آئے ہیں
حق ہے اور اس دین کے سوا جتنے بھی دین ہیں سب باطل ہیں (حق ایک
ہی ہو سکتا ہے)۔ (المحلی صـ)

۲. الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً. (پ۶ المائدہ ۳)

ترجمہ. آج میں پورا کر چکا تمہارے لیے دین تمہارا اور پوری کی میں نے تم پہ
نعمت اپنی اور پسند کیا میں نے تمہارے لیے دین اسلام کو۔

۳. ان الدین عند اللہ الاسلام. (پ۳ آل عمران ۱۹)

ترجمہ. سو دین جو ہے اللہ کے ہاں وہ اسلام ہی ہے۔

تمام اقوام و ملل کے سامنے عموماً اعلان کیا گیا ہے کہ دین و مذہب صرف ایک
ہی چیز کا نام ہو سکتا ہے۔ (حضرت شیخ الاسلام)

یہاں ظرف مقدم ہے اور وہ حصر کا فائدہ دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں دین
اسلام ہی ہے اور کوئی دین نہیں جس میں رضا الٰہی ڈھونڈی جا سکے۔ حضورؐ کی تشریف آوری
پر اہل کتاب اور دوسرے سب مشرکین کو اپنی اپنی راہیں چھوڑنی ہی لازم ہیں۔

۴. قل یا ایھا الکافرون لا اعبد ما تعبدون.... لکم دینکم ولی دین. (پ۳۰ کافرون)

ترجمہ. آپ کہہ دیں اے کافرو! میں نہیں پوجتا جس کو تم پوجتے ہو تمہارے
لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔

۵. لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین منفکین حتی تاتیھم
البیّنۃ ○ رسول من اللہ یتلوا صحفاً مطھرۃ ○ فیھا کتب قیّمۃ ○
(پ۳۰ البیّنۃ)

ترجمہ. نہ تھے وہ لوگ جو اہل کتاب ہیں اور مشرک ہیں کفر کے مرتکب باز آنے
والے (اپنی غلط راہ سے) یہاں تک کہ آئے ان کے پاس البیّنہ (وہ البیّنہ
کیا ہے؟) وہ ایک رسول ہے اللہ کا (محمد رسول اللہ) پڑھتا ہے پاک ورق
اس میں لکھی ہیں مضبوط کتابیں۔

اس آیت سے یہ بھی پتہ چلا کہ اہل کتاب بھی اگر حضورؐ کو رسول نہ مانیں تو وہ بھی کفروا
کے ذیل میں آئیں گے جس طرح دوسرے مشرک۔ سو قرآن کی رو سے نظریہ وحدت ادیان کی کوئی راہ نہیں ہے۔

۶. قل یاایھاالناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا. (پ۹ الاعراف ۱۵۸)
ترجمہ. آپ کہہ دیں اے لوگو (اے بنی نوع انسان) میں تم سب کی طرف اللہ کا ایک رسول ہوں.

۷. واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا. (پ۴ آل عمران ۱۰۳)
ترجمہ. تم سب پکڑو اللہ کی ایک رسی کو سب مل کر اور تم (خدا کی راہ میں) ہرگز ٹکڑے ٹکڑے نہ ہوجانا.

اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ. (پ۲۵ الشوریٰ ۱۳)
ترجمہ. سب مل کر دین کو قائم کرو اور اس میں مختلف قومیں نہ ہوجانا.

۸. ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلّہ ولو کرہ المشرکون. (التوبہ ۳۳. الصف ۹. الفتح ۲۸)
ترجمہ. وہ ہے اللہ جس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت دے کر اور سچا دین دے کر تاکہ آپ اس دین کو دوسرے دینوں پر غالب کردیں گو دوسرے مذاہب اسے ناپسند کریں.

۹. ذالکَ الدین القیّم ولکن اکثر الناس لا یعلمون. (پ۱۲ یوسف ۴۰)
ترجمہ. یہی ہے راستہ سیدھا پر بہت لوگ جانتے نہیں.

۱۰. ذالک الدین القیم فلا تظلموا فیھن انفسکم وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ. (پ۱۰ التوبہ ۳۶)
ترجمہ. یہی ہے سیدھا دین سو ان میں نہ کرو ظلم اپنے اوپر اور لڑو سب مشرکین سے اکٹھے ہو کر جیسے وہ لڑتے ہیں تم سے اکٹھے ہو کر.

یہ آیات بابرات پوری وضاحت اور صراحت سے کہہ رہی ہیں کہ دین حق اور دین قیم ایک ہی ہے اور تمام لوگ بلا امتیاز کسی نسل رنگ اور مملکت کے اس دین میں آنے کے مکلف ہیں اللہ کے ہاں یہ رنگ نسل اور برادری اور علاقوں کے فاصلے کوئی چیز نہیں ہیں. یہ سارا جہان ایک یونٹ ہے جس طرح اس پورے جہان کا رب ایک ہے اب اس کا دین بھی اس سارے جہان کے لیے ایک ہے اور وہ اسلام ہی ہے.

ایک سوال کیا قرآن کریم کی اس پر کوئی شہادت ہے کہ نجات کے لیے صرف ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر کافی نہیں؟

الجواب۔ ایمان اپنی پوری تفاصیل کے ساتھ قائم ہونا چاہیئے صرف ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر کافی نہیں۔

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من اٰمن باللہ و

الیوم الآخر والملٰئکۃ والکتاب والنبیین۔ (پ۲ البقرہ ۱۷۷)

ترجمہ۔ نیکی یہی نہیں کہ تم منہ کرو اپنے مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف بڑی نیکی تو یہ ہے کہ ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور سب پیغمبروں پر۔

صرف ایمان باللہ والیوم الآخر کافی ہوتا تو یہ دوسرے مومن بہ امور اس صراحت سے یہاں بیان نہ کیے جاتے۔

اسلام اب ایک اصطلاح ہے اس کے لفظی استعمال سے احتراز کیجئے

اب اسلام ایک دینِ کامل کا نام ہے اللہ کے ہاں یہی دین پسندیدہ ہے۔ ورضیت لکم الاسلام دینا۔ اب اسے لفظی معنی میں استعمال نہ کیا جانا چاہیئے۔ جب کوئی اصطلاح اتنی روشن اور آفاقی ہو جاتے تو اسے کسی دوسرے معنی میں استعمال نہ ہونا چاہیئے۔ اس سے پہلے جہاں اس لفظ کا لفظی استعمال قرآن و حدیث میں ملے تو اسے اس پہلے دور کے حوالے کرنا چاہیئے۔ جب یہ اصطلاح اس علمی مقام پر نہ آئی تھی اب اسے اس طرح ذکر کرنا صرف انہی حلقوں میں ہو سکتا ہے جو لفظ مسلم کو عام رکھتے ہیں۔ ایک صاحب لکھتے ہیں:۔

خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری ہی کو اسلام کہتے ہیں۔ سورج چاند اور تارے سب مسلم ہیں زمین بھی مسلم ہے ہوا اور پانی اور روشنی بھی مسلم ہے درخت اور پتھر اور جانور بھی مسلم ہیں اور وہ انسان بھی جو خدا کو نہیں پہچانتا اور خدا کا انکار کرتا ہے یا جو خدا کے سوا دوسروں کو پوجتا ہے اور خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتا ہے وہ بھی اپنی طبیعت اور فطرت کے لحاظ سے مسلم ہی ہے[1]

یہ محض شاعری ہے اب لفظ اسلام اسم علم کی طرح معروف ہے اور لفظ مسلم حضور خاتم النبیین کے افرادِ امت کے سوا اور کسی امت یا ملت پر نہیں آ سکتا۔ ان امتکم ھٰذہ امۃ واحدہ۔ سو اپنی پوری برادری کو چاہیئے کہ جہاں تک ہو سکے اس لفظ کے لفظی استعمال سے احتراز کریں۔ اشارۃً بھی نظریہ وحدتِ ادیان کا گمان نہ ہو۔

---

[1] رسالہ دینیات ص۱۲

حضرت ابراہیمؑ کی آفاقی امامت
ختمِ نبوت کا نقشِ اوّلیں

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے نبی اور رسول تھے اور پانچ اولوالعزم رسولوں میں سے ایک تھے۔ آپ ایک ملت بھی تھے جن کی اتباع اصولِ دین میں آگے جاری رکھی گئی جب آپ مختلف امتحانات سے کامیاب گزرے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آفاقی امامت عطا فرمائی۔ آپ نے اپنی اولاد کے لیے بھی اللہ رب العزت سے اس امامت کی درخواست کی۔ وہ اس طرح منظور ہوئی کہ اب جو بھی پیغمبر آئے وہ آپ کی ہی اولاد میں سے ہو اور آپ ایک ایسی ملت بنے کہ ہر آنے والا نبی اپنے اس ملت میں سے ہونے کا اقرار کرے۔ آخری پیغمبر بھی آپ کی اولاد سے ہوں اور جس طرح حضرت ابراہیمؑ کی امامت آفاقی ہے ان کی نبوت آفاقی ہو۔ ہاں جس طرح حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں یہ الٰہی امانت (نبوت) اترتی رہی حضورؐ کی اولاد میں یہ سلسلہ نہ چلے گا۔ خدا نے نہ چاہا کہ حضورؐ کی اولاد ہو اور وہ حضرت ابراہیم کی اولاد کی طرح منصب امامت نہ پا سکے۔ اس کے لیے قضاء و قدر میں یہ فیصلہ ہوا کہ حضورؐ کی اولاد میں کوئی مرد اس عمر تک نہ پہنچے جس میں کسی کو عام طور پر نبوت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔

ان مضامین کو ترتیب وار ان آیات میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ حضرت ابراہیمؑ پانچ اُولوالعزم رسولوں میں سے ایک ہیں

واذ اخذنا من النبیین میثاقھم ومنک ومن نوح وابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ ابن مریم واخذنا منھم میثاقاً غلیظاً۔ (پ۲۱ الاحزاب ۷)

ترجمہ۔ اور جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے بھی اور نوح سے بھی اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ بن مریم سے اور لیا ہم نے ان سے ایک مضبوط عہد۔

۲۔ ملتِ ابراہیم ہی صراطِ مستقیم اور دین قیم ہے

قل اننی ھدانی ربی الی صراط مستقیم دیناً قیماً ملّۃ ابراھیم حنیفا
وما کان من المشرکین۔ (پ۸ الانعام ۱۶۱)
ترجمہ۔ آپ کہہ دیں بے شک مجھے میرے رب نے سمجھائی سیدھی راہ
دین قیم ملتِ ابراہیم جو ایک ہی طرف تھا اور مشرکین میں سے نہ تھا۔
ھو اجتباکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج ملۃ ابیکم ابراھیم
ھو سماکم المسلمین۔ (پ۱۷ الحج ۷۸)
ترجمہ۔ اس نے تمہیں پسند کیا اور تمہیں دین میں کسی تنگی میں نہیں رکھا۔
تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر ہو اور اس نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے۔
ان ابراھیم کان امۃ قانتاً للہ حنیفا ولم یکن من المشرکین۔
(پ۱۴ النحل ۱۲۰)
ترجمہ۔ بے شک ابراہیم ایک ملت تھا (ایک امام تھا) اللہ کا فرمانبردار
سب سے جُدا اور وہ مشرک نہ تھا۔

۳۔ بعد کے سب پیغمبر اسی ایک ملت کے داعی رہے

حضرت یوسفؑ کا اعلان :
واتبعت ملّۃ اٰبائی ابراھیم واسحٰق ویعقوب۔ (پ۱۲ یوسف ۳۸)
ترجمہ۔ اور میں اپنے آباء ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب کی ملت پر ہوں۔

سب کے لیے احسن دین ملتِ ابراہیم

ومن احسن دیناً ممن اسلم وجھہ للہ وھو محسن واتبع ملّۃ
ابراھیم حنیفاً۔ (پ۵ النساء ۱۲۵)
ترجمہ۔ اور اس سے بہتر کس کا دین جس نے اپنا چہرہ اللہ کے آگے جھکا
دیا اور وہ نیکی کرنے والا ہوا اور چلا ملتِ ابراہیم پر جو ایک ہی طرف
رُخ کیے تھا۔

کوئی بیوقوف ہی اس ملت سے رُخ موڑ سکتا ہے

ومن یرغب عن ملّة ابراھیم الامن سفه نفسه. (پ البقرہ ۱۳۰)
ترجمہ. اور ابراہیم کی ملت سے کون منہ پھیرے سوائے اس کے جو اپنے دل میں احمق ہے۔

۴. حضرت ابراہیم مختلف امتحانوں میں ڈالے گئے

واذا ابتلٰی ابراھیم ربه بکلمات فاتمھنّ قال انی جاعلك للناس اماماً قال ومن ذرّیتی قال لا ینال عھدی الظالمین. (پ البقرہ ۱۲۴)
ترجمہ. اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا تو اس نے وہ سب پوری کر دکھائیں۔ اللہ نے کہا میں تجھے سب لوگوں کا امام (پیشوا) بنانے والا ہوں۔ اس نے عرض کی اور میری اولاد کو بھی یہ پیشوائی عطا ہو فرمایا میرا یہ عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔

۵. آیندہ کا پیغمبر آپ کی ہی اولاد میں سے ہوگا

ولقد ارسلنا نوحًا وابراھیم وجعلنا فی ذرّیته النبوة والکتاب.
(پ۲۷ الحدید ۵۷)
ترجمہ. اور بے شک ہم نے نوح اور ابراہیم کو بھیجا اور انہی کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھی.
سو اب جو نبی بھی آئے گا وہ ابراہیم کی ہی اولاد میں سے آئے گا. اب کسی اور شاخ میں نبوت نہ اُترے گی.

۶. حضورؐ کی نبوت آفاقی جس طرح ابراہیم کی امامت آفاقی رہی

تبارك الذی نزّل الفرقان علٰی عبدہ لیکون للعالمین نذیرًا.
(پ۱۸ الفرقان ۱)

ترجمہ. بڑی برکت والا جس نے اپنے بندے پر قرآن اُتارا تاکہ آپ تمام جہانوں کو (ساری دُنیا کے لیے) ڈر سنانے والا ہوں۔

۷. حضورؐ کی نرینہ اولاد آگے نہ چلنے کا فیصلہ کر دیا گیا

ماکان محمدٌ ابا احدٍ من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیّین وکان اللہ بکل شیءٍ علیماً. (پ۲۲ الاحزاب ۴۰)

ترجمہ. حضورؐ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں (کہ وہ آگے ابراہیمی امامت کا نقش بنے) لیکن آپ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں (سب نبیوں کے ختم پر ہوئے) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

وہ بے شک ہمیشہ تک کی ہر بات جاننے والا ہے. قیامت تک دنیا میں جو ظلمت بھی پھیلے اور جو باطل بھی اٹھے اللہ تعالیٰ نے ہر ظلمت کو مٹانے والا نور اور ہر پردہ باطل کو ہٹانے والا حق اسی نبی خاتمؐ کی شریعت میں لپیٹ دیا ہے. مسائل منصوصہ کے ساتھ مسائل غیر منصوصہ کے گہرے سمندر بھی اسی شریعت میں موجزن ہیں اور یہ نبوت قیامت تک پیش آنے والی ہر ضرورت کا حل اپنے وسیع دامن میں لیے ہوئے ہے۔ اسی لیے آیت ختم نبوت کو اس پر ختم فرمایا. وکان اللہ بکل شیءٍ علیماً۔

حضورؐ کے بعد کسی پیرائے میں بھی کسی نبی کے پیدا ہونے کی صورت ہوتی تو حضورؐ کے بعد اس امت میں مجتہدین کا سلسلہ نہ چلتا. جو حضورؐ کی شریعت کے منصوص مسائل سے قیامت تک پیش آنے والی ہر ضرورت کا حل کشید کرتے رہے۔ انہی مسائل غیر منصوصہ کو فقہ کا نام دیا جاتا ہے۔

۸. ہر نبی کی اپنی اولاد کے لیے روحانی وراثت کی طلب

حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کی دُعا اپنی اولاد کے لیے۔

ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم ایٰاتک. (پ۱، البقرہ ۱۲۹)

ترجمہ. اے رب ہمارے تو بھیج ہماری اولاد میں ایک رسول انہی میں سے جو ان پر تیری آیات پڑھے۔

یہ سرزمین عرب کے لیے ایک پیغمبر کی دعا تھا [illegible] پیغمبر حضور خاتم النبیینؐ ہوئے۔

حضرت ابراہیمؑ سے شام میں ایک اور سلسلہ اولاد بھی چلا اور اس میں [illegible]

ووھبنالہ اسحٰق ویعقوب کلاً ھدینا ونوحاً ھدینا من قبل و
من ذریتہ داوٗد وسلیمان وایوب ویوسف وموسیٰ وھارون وکذالک
نجزی المحسنین ٥ وزکریا ویحییٰ وعیسیٰ والیاس کل من الصالحین٥
واسمٰعیل والیسع ویونس ولوطاً وکلاً فضلنا علی العالمین۔

(پ الانعام ۸۶)

ترجمہ۔ اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب دیئے اور سب کو ہم نے
راہ دکھائی اور نوح کو بھی پہلے ہم راہ دکھا چکے اور اس کی (ابراہیم) اولاد
میں سے داؤد سلیمان۔ ایوب۔ یوسف ہوئے۔ ہارون اور زکریا یحییٰ عیسیٰ
والیاس سب صالحین تھے اور اسمٰعیل الیسع۔ یونس اور لوط ان میں سے
ہر ایک کو ہم نے (اس کے حلقے میں) سب پر فضیلت دی۔

حضرت زکریاؑ اپنے رب کے حضور وارث کی طلب میں

فھب لی من لدنک ولیاً یرثنی ویرث من اٰل یعقوب واجعلہ رب رضیاً
یازکریا انا نبشرک بغلام ن اسمہ یحییٰ لم نجعل لہ من قبل سمیاً۔

(پ مریم)

ترجمہ۔ سو بخش مجھے اپنی طرف سے ایک والی جو میرا وارث ہو اور آل یعقوب
کا وارث ہو۔ اور اسے رب اسے بنا جس سے تو راضی ہو۔ اے زکریا ہم
تجھے ایک بیٹے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ رکھا ہم نے اس نام کا پہلے کسی کو نہیں بنایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو سلسلوں سے نبی آئے۔ بنو اسرائیل میں حضرت عیسیٰ کو
اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے ایک لمبی زندگی دی۔ اب ان میں کسی اور پیغمبر کے آنے
کا سوال ہی جاتا رہا۔ جب تک حضرت عیسیٰ زندہ ہیں ان میں کوئی اور نبی کیسے آ سکتا تھا۔ آپ
خاتم انبیاء بنی اسرائیل رہے۔ بنو اسمٰعیل میں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا مصداق ظاہر
ہوا تو جو سلسلہ اولاد حضرت ابراہیم سے شانِ امامت لے کر چلا تھا۔ اب اللہ رب العزت نے

اپنی حکمتِ کاملہ سے اس اسمٰعیلی پیغمبر سے نرینہ اولاد ہی باقی نہ رہنے دی فیصلہ سُنا دیا گیا۔
اب اس کا حاصل کیا تھا؟ بس یہ کہ اس پر ہی سلسلہ نبوت ختم ہو جائے۔ یہی خاتم النبیین ٹھہرے
جس طرح بنو اسرائیل کا سلسلہ نبوت حضرت عیسٰی پر ختم ہوا۔ ابراہیمی بشارت کا مصداق (عالمی
نبوت کے منصب کے باعث) ساری دنیا کے لیے پیغمبروں کا خاتم ٹھہرے۔ آپ کی اولادِ نرینہ
نہ چلنے کا اعلان آپ کے خاتم النبیین ہونے کا نشان ٹھہرا۔ تاریخ انبیاء میں حضرت ابراہیم کی
شانِ امامت حضورؐ کی ختمِ نبوت کا اولین نقش تھا۔ آپ پر حضرت ابراہیم کا سلسلہ امامت جو آگے
آپ کی اولاد میں چلا ختم ہوا۔ اور نبوت کا سلسلہ بھی (وہ کسی پیرائے میں ہو) منقطع ہوا۔ آپ
کے بعد کسی کو نبوت نہ ملے گی۔ اسے ختم اور انقطاع دونوں لفظوں سے بیان کر دیا گیا۔ جو سلسلہ
امامت حضرت ابراہیم کے اولاد میں چلا تھا۔ اس کے ختم ہونے کی اس طرح خبر دی گئی کہ حضرت
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی مرد کے صلبی باپ نہ ہوں گے کہ حضرت ابراہیم کی موعود امامت اب چل سکے۔
حضورؐ کے بعد کسی پیرائے میں بھی کسی نبی کے پیدا ہونے کی صورت ہوتی تو حضورؐ کے بعد
اس امت میں مجتہدین کا سلسلہ نہ چلتا۔ جو حضورؐ کی شریعت کے منصوص مسائل سے قیامت
تک پیش آنے والی ہر ضرورت کا حل کشید کرتے رہے۔ انہی مسائل غیر منصوصہ کو فقہ کا نام
دیا جاتا ہے۔ ماکان محمدٌ ابا احدٍ من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے جال میں زیادہ لوگ وہی آئے جو پہلے فقہ کے خلاف چلے۔ مرزا غلام احمد کا اپنا
نکاح بھی جدید اہلحدیث کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلوی نے پڑھایا تھا۔ مرزا صاحب کے پہلے جانشین حکیم نورالدین
بھیرہ کے مشہور اہلحدیث تھے۔ جدید اہلحدیث قادیانیت میں آنے کے بعد بھی اپنے پہلے مسلک کا لحاظ رکھتے تھے
ڈاکٹر بشارت احمد ایک جگہ لکھتا ہے:۔

> دعا کے بعد مجھے رخصت ہونے کے لیے اجازت دی گئی۔ وہاں سے نکل کر میں مولانا نورالدین
> مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان سے وہابیت کے وقت کا پرانا تعلق تھا۔ (بشارات احمدیہ صلا)
> مولوی عبدالکریم صاحب تشریف لائے انہیں دیکھ کر میرے دل کو بے حد خوشی ہوئی۔ کیونکہ
> سیالکوٹ کے ہمارے پرانے اہلحدیث مسجد کے امام تھے بڑے تپاک سے ملے۔ (ایضاً)

اس سے پتہ چلا کہ فقہ سے تمسک عقیدہ ختم نبوت کا ایک فطری پہرہ دار ہے۔ ایک اہلحدیث عالم لکھا:
پچیس برس کے تجربہ سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور
مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر میں اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔ اشاعۃ السنہ ۱۸۸۸ء

ختمِ نبوت کے علمی تقاضے

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد :

حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہوئی اور اس امت میں عقیدہ ختم نبوت ضروریات دین میں سے ٹھہرا۔ سو ضروری ہے کہ ہم مسلمان عقیدہ ختم نبوت کے علمی تقاضوں کو جانیں انہیں برسرِ عام مانیں اور اس کے جملہ لوازم کو پوری بصیرت سے پہچانیں۔

۱. ختم نبوت کا پہلا تقاضا

ہم سب سمجھیں کہ ختم نبوت سے کیا مراد ہے؟ ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اب نبوت کا ملنا ختم ہوا اب کسی کو نبوت نہ دی جائے گی۔ انتسابِ نبوت اب کسی اور کے لیے نہیں۔ یہ نہیں کہ نبوت ہی ختم ہو چکی۔ حضرت خاتم النبیین کی نبوت قیامت تک باقی اور جاری وساری رہے گی۔ اللہ تعالیٰ اس جہان کو کبھی نبوت سے خالی نہیں رکھتے نبوت اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی رحمت ہے اس سے دنیا کو کیسے خالی رکھا جا سکتا ہے جو شخص یہ سمجھے کہ نبوت ہی ختم ہو گئی وہ کسی دین کے دائرہ میں نہیں رہا۔ نہ اُسے مسلمان سمجھا جا سکتا ہے۔

۲. ختم نبوت کا دوسرا تقاضا

نبوت وہ فیضانِ الٰہی ہے جو بنی نوعِ انسان کی ہدایت کے لیے کسی برگزیدہ انسان پر اُترتا ہے۔ تاریخِ کائنات میں یہ فیضانِ الٰہی آخری مرحلہ میں عرب کے نبی اُمی پر اترا اور یہاں سے آپ کی دعوت پوری دنیا میں پھیلی۔ اب یہ نبوت رہتی دنیا تک تبھی فیض رساں ہو سکتی ہے کہ اس کی جملہ تعلیمات کی قیامت تک کے لیے حفاظت موعود ہو۔ حضور خاتم النبیینؐ جو کتاب الٰہی لائے وہ بھی قیامت تک کے لیے محفوظ ہو۔ اور آپ نے اس کتاب کو جس طرح عملیت بخشی وہ سنت بھی ہمیشہ کے لیے محفوظ اور معمول ہو۔

۳۔ ختم نبوت کا تیسرا تقاضا

کوئی نبوت شریعت کے بغیر نہیں چلتی، انبیار کرام جو دیگر انسانوں کو اللہ کے احکام پہنچاتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ بتلاتے ہیں وہ کوئی نہ کوئی شریعت ضرور رکھتے ہیں وہ شریعت کسی نبی کو نئے طور پر ملی ہو یا اس نے وہ پہلے کے کسی نبی سے پائی ہو شریعت ہر ایک کے لیے ضرور ہے۔ سو کوئی نبی غیر تشریعی نہیں ہوتا۔ قرآن کریم میں ہے:۔

لکلّ جعلنا منکم شرعۃً و منہاجا۔ (پ۶ المائدہ ۴۸)

ترجمہ۔ تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک شریعت اور ایک راہِ عمل لازم کی ہے۔

حضرت خاتم النبیینؐ پر نبوت ختم ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کوئی نیا آسمانی حکمنامہ آئے نہ کوئی انسان اس امت میں کسی درجہ میں عہدہ نبوت پائے اور اس شریعت میں کوئی ترمیم ہو۔ یہی شریعت ابدالآباد کے لیے اس جہان کی آخری شریعت مانی جائے۔

جن انبیار کو اپنی شریعت نہ ملی وہ پہلے نبی کی شریعت پر ہی عمل کرتے رہے اور شریعت سے خالی نہ رہے۔ قرآن کریم میں ہے

انا انزلنا التوراۃ فیہا ھدی و نور یحکم بہا النّبیون۔ (پ۶ المائدہ ۴۴)

ترجمہ۔ بے شک ہم نے تورات اتاری اس میں راہ عمل ہے اور ایک روشنی بعد کے آنے والے (انبیار بنی اسرائیل) اس کے مطابق فیصلے دیتے رہے ان سب کے لیے یہی ایک شریعت رہی اور وہ اس کے حامل رہے۔

۴۔ ختم نبوت کا چوتھا تقاضا

حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر کوئی نیا نبی مبعوث ہو تو وہ گو کوئی نیا آسمانی حکمنامہ نہ لائے حضرت خاتم النبیین کی ہی شریعت کو اپنی شریعت بتلائے پر یہ بات تو ضرور ہے کہ وہ اپنے اوپر ایمان لانے کو ضروری ٹھہرائے گا اور ایک جماعت بنائیگا۔

اب اس سے پہلے جو ضابطہ کسی کے مسلمان ہونے کا تھا، اس میں ایک اور بات

کا اضافہ ہو گیا اور وہ اس نئے نبی پر ایمان لانا ٹھہرا۔ اسلام میں شریعت میں اتنی تبدیلی کی بھی گنجائش نہیں کہ کسی نئے نبی کا ماننا اب ضروری ٹھہرے سو جس طرح حضورؐ کے بعد کسی ایسے نبی کی گنجائش نہیں جو کوئی نیا حکمنامہ لائے ایسے نبی کی بھی کوئی گنجائش نہیں جو حضور خاتم النبیین کی شریعت کو ہی اپنی شریعت کہے اور اپنے پر ایمان لانے کو شرعاً ضروری قرار دے۔ حضور کی شریعت میں اب اتنی سی زیادتی کی بھی کوئی گنجائش نہیں۔ اس امت میں کسی کو ایسا نبی ماننے سے بھی مسلمان کا عقیدہ ختم نبوت قائم نہیں رہتا۔ ایمان لانے کا پہلا معیار بدل گیا۔

۵۔ ختم نبوت کا پانچواں تقاضا

اگر کوئی پہلا نبی جسے حضورؐ سے پہلے نبوت ملی ہو اور مسلمان اس پر بہ تعیین نام ایمان رکھتے ہوں یہاں دوبارہ آجائے اور وہ حضور کی شریعت کے تابع ہو کر رہے وہ اپنی پہلی شریعت پر عمل نہ کرے تو اس کے آنے سے عقیدہ ختم نبوت نہیں ٹوٹتا نہ اس کے آنے پر اس پر ایمان لانے کی کسی کو دعوت دی جائے گی۔ مسلمان پہلے سے ہی اس پر ایمان رکھتے ہوں گے تو یہ کسی نئے نبی کی آمد نہیں۔ حضرت عیسیٰ کے دوبارہ آنے پر ختم نبوت کا کوئی تقاضا مجروح نہیں ہوتا۔

نئے اور پرانے نبی کے آنے میں یہ جوہری فرق ہے حضرت خاتم النبیینؐ کے بعد کوئی نیا نبی نہ آسکے گا گو وہ حضورؐ کی شریعت کی ہی حمایت کرے ختم نبوت کا یہ تقاضا ہے کہ آپ کے بعد کوئی نیا نبی پیدا نہ ہو۔ مرزا غلام احمد کو یہ فرق بہت ناگوار گزرتا تھا۔ وہ لکھتا ہے:۔

۶۔ ختم نبوت کا چھٹا تقاضا

حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی کے لفظ کے بغیر بھی کسی آسمانی ہدایت کا اترنا اور اس کے لیے کسی نئے منصب کی تجویز یہ بھی ختم نبوت کے تقاضے کے

خلاف ہے۔ اب پورا دین وہی ہے جو حضورؐ خدا سے لے کر آئے۔ اب اس میں کسی پہلو سے بھی کمی باقی نہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نبوت جیسا کوئی اور سلسلہ خواہ اس میں لفظ نبی نہ آئے ہرگز قائم نہ کرے گا۔ کیونکہ اس میں اور نبوت میں بالفعل کوئی فرق نہیں رہتا۔

کتاب و سنت کے حاملین اب صرف علمی مرتبہ امامت پائیں گے جیسے حضرت امام مالکؒ، امام بخاریؒ اور امام غزالیؒ۔ آسمانی عہدہ امامت حضور اکرمؐ پر ختم ہو چکا قرآن کریم میں مومنین کو دعا سکھائی گئی کہ وہ اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ وہ انہیں پرہیزگاروں کا امام بنائے۔ واجعلنا للمتقین اماما۔ (پ ۱۹ الفرقان) اللہ تعالیٰ یہ مرتبۂ امامت کسی کے مقدر میں لکھ دے تو یہ اس کا ایک تکوینی فیصلہ ہے اس مرتبہ کی کوئی نص وارد نہیں نہ اس پر کسی دوسرے کو ایمان لانے کی دعوت دی جاتی ہے نہ کسی کی آخرت کی فلاح اس کے ماننے پر موقوف ہوتی ہے مجددین کی بعثت بھی خدا کا ایک تکوینی نظام ہے۔ مجددین کے لیے دعوئے تجدید ضروری نہیں وہ اپنے کام سے پہچانے جاتے ہیں۔ حضرت خاتم النبیین کے بعد آسمانی قیادت اب کسی کے لیے باقی نہیں۔ حضرت مہدی بھی اپنے وقت میں خلیفہ راشد ہوں گے یہ کوئی آسمانی منصب نہ ہوگا۔

۷۔ ختم نبوت کا ساتواں تقاضا

جب حضرت خاتم النبیینؐ کے بعد کوئی نیا نبی نہ آئے گا تو ضروری ہے کہ حضرت خاتم النبیین کی شریعت ہی رہتی دنیا تک آسمانی حکمنامہ ٹھہرے اور قیامت تک مسلمانوں کو کسی درجہ میں کوئی نئی شریعت وضع کرنے کی ضرورت نہ ہو۔

اب اگر آنا کہا جائے کہ بعض سنن نبوت صرف کچھ وقت کے لیے شریعت تھیں ابدی طور پر وہ شریعت نہیں ہیں تو یہ ترمیم شریعت بھی عقیدہ ختم نبوت کے خلاف ہوگی۔

ایک نئی فکر کی یہ تجویز اسلامی نقطہ نظر سے کسی طرح لائق پذیرائی نہیں کہ:

پہلے سے فجر کی فرض نماز دو رکعت ظہر کی چار رکعت۔ عصر کی چار رکعت مغرب کی تین رکعت اور عشاء کی چار رکعت چلی آرہی ہیں۔ فرض نمازوں کی یہ تعداد

رکعات ہمیشہ کے لیے نہیں اب پانچ نمازوں کی فرض رکعات اسمبلی طے کرے گی یہ موقف حضرت خاتم النبیین کی ختم نبوت کے خلاف ہوگا. اسلام میں آپ کو قیامت تک کے لیے آسمانی حکم کا ترجمان مانا گیا ہے.

اگر اس پیرائے میں شریعت میں کسی تبدیلی کی ضرورت پیش آئے تو ظاہر ہے کہ اس کے لیے کسی نئے نبی کی ضرورت ہو گی نہ کہ اس کے لیے اسمبلی بیٹھے گی اور ظاہر ہے کہ حضرت خاتم النبیینؐ کے بعد کوئی نیا نبی نہ آئے گا. جو لوگ ختم نبوت کے اس تقاضے کو نہیں سمجھتے وہ حضورؐ کی سنت کو ہمیشہ کا علمی ماخذ نہیں سمجھتے. مشہور مستشرق گیرٹ ان مصری علماء کو خراج تحسین پیش کرتا ہے جنہوں نے حضورؐ کی بعض سنتوں کو ہمیشہ کے لیے اسلامی قانون نہیں جانا. وہ لکھتا ہے:

> مصر میں اس بات پر بھی مضمون لکھے گئے کہ سنت میں وارد احکام دو طرح کے ہیں. بعض وقتی نوعیت کے ہیں اور بعض عمومی ہیں. علماء نے اس فرق کو نظر انداز کر کے غلطی کھائی ہے.[1]

پاکستان میں منکرین حدیث بھی یہی موقف لیے ہوئے ہیں کہ اب پانچ نمازوں کی تشکیل اسمبلی کے ذریعہ ہی عمل میں آسکتی ہے. ہم کہتے ہیں کہ اگر اس کام کی کسی درجہ میں بھی کوئی ضرورت ہوتی تو اس کے لیے کوئی نیا نبی ضرور آتا اور اسلام میں ختم نبوت کا عقیدہ راہ نہ پاتا.

۸. ختم نبوت کا آٹھواں تقاضا

عقیدہ ختم نبوت کے ضمن میں یہ بات عام پوچھی جاتی ہے:

قرآن کریم کی آیات احکام اور ذخیرہ حدیث کی احادیث احکام محدود اور معدود (گنتی میں آئی ہوئی) ہیں اور عصر نو کی ضرورتیں اور مسائل اپنی ہر نئی کروٹ میں بڑھتے چلے جا رہے ہیں. اب اس محدود اور لامحدود کا یہ فاصلہ کب مٹے گا

حضور کی ختم نبوت پر عقیدہ اسی صورت میں صحیح رہتا ہے کہ ان تمام نئی ضرورتوں کا حل بھی حضرت خاتم النبیین کی اسی شریعت سے دستیاب ہو. ان نئے مسائل

---

[1] تراث ہند صفحہ ۳۰۲

کا حل کتاب و سنت کے احکام منصوصہ سے اجتہاد کی راہ سے کشید کیا جاتا ہے۔
لازم ہوا کہ اجتہاد کے کچھ اصول مقرر کیے جائیں چنانچہ مسلمانوں میں کتاب و سنت کی روشنی میں اصول فقہ پر کتابیں لکھی گئیں اور وہ دینی مدارس میں صدیوں سے پڑھائی جا رہی ہیں۔ اجتہاد کوئی ایسی آزاد اور آوارہ فکر نہیں ہے کہ جو من چلا چاہے اپنے خیالات کو اجتہاد کا نام دے کر اسلامی قانون سازی کر ڈالے۔

اگر کتاب و سنت سے اجتہاد کی راہوں سے عہد حاضر کے نئے مسائل حل کیے جائیں تو بے شک حضورؐ کی شریعت قیامت تک کے تمام ادوار کو محیط ہو سکتی ہے۔
اس امت میں اصول فقہ کے جو امام ہوئے انہیں مجتہدین کہتے ہیں۔ انہوں نے اپنے اجتہاد اور استخراج سے جو مسائل غیر منصوصہ طے کیے ان کا وہ علمی ذخیرہ فقہ کہلاتا ہے۔
یہ نئے مجتہدین ان نئے احکام کے موجد نہیں ہوتے صرف مظہر ہوتے ہیں۔ سو ختم نبوت کا تقاضا ہے کہ فقہ کی راہ سے قیامت تک کے نئے مسائل کے لیے کتاب و سنت کی رہنمائی کو کافی سمجھا جائے۔ اس راہ سے کتاب و سنت کی رہنمائی بھی لا محدود ہے اس کی شاخیں کتنی دور تک کیوں نہ پھیلتی جائیں وہ ایک ہی تنے کے تحت شمار ہوتی ہیں۔

اگر یہ عقیدہ ہو کہ کتاب و سنت کے بعد ہمیں کسی اور چیز کی (فقہ کی) ضرورت نہیں اور ہر شخص اپنی مرضی پر چھوڑ دیا جائے تو یہ موقف قرآن کریم کے قطعاً خلاف ہے۔

ایحسب الانسان ان یترک سدی . (پ القیامہ)

اور اس سے اسلام کا عقیدہ ختم نبوت بری طرح مجروح ہوتا ہے کہ ایک ضرورت باقی تھی اور اس کے لیے شریعت نے کوئی رہنمائی نہیں کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی تسلیم کیا ہے کہ کئی مسائل کو ہر شخص کتاب و سنت میں نہیں پا سکتا اور اس صورت حال میں آپ نے مجتہد صحابہ کو خود اجتہاد کی راہ بتلائی ہے۔

۹. ختم نبوت کا تقاضا

اسلام میں بدعت حسنہ کا اضافہ بھی نہ کیا جائے۔ بدعت کیا اور حسن کیا یہ بھی قطعاً نہ کہا جائے کہ حضورؐ اور صحابہ کی سنن میں کچھ اچھی چیزوں کی کمی رہ گئی تھی جسے اب یہ امت بدعات حسنہ کے نام سے دین میں قائم کر رہی ہے یہ ہرگز صحیح نہیں۔ حضرت خاتم النبیین ؑ اور

سبیل مؤمنین میں کسی اچھی چیز کی کمی نہیں ہے جس چیز کی بھی ضرورت ہو گی وہ کتاب و سنت سے کشید ہو گی۔

حضورؐ کے کسی چھوڑے ہوئے کام کو پھر سے قائم کرنا نعمت البدعۃ ہے۔ اس میں کسی عمل کی کوئی نئی ایجاد نہیں۔ سو نعمت البدعۃ کسی بدعت حسنہ کا نام نہیں ہے صحابہؓ نے اپنے اجتہاد سے دریافت کیا کہ حضورؐ کا اسے چھوڑنا کسی مصلحت کے طور پر تھا اسے اصلاً چھوڑنا ہرگز آپ کے پیش نظر نہ تھا۔ اس کا اب پھر سے احیاء نعمت البدعۃ ہے۔

علماء بدعت اپنے ہاں بدعات حسنہ کے نام سے جن نئے کاموں کو اسلام میں داخل کر رہے ہیں یہ ایک دبے انداز میں خود ایک نبوت کا دعوئے ہے۔ جب نئے حالات میں اور اپنے نئے تقاضوں میں یہ اذانوں اور درود و سلام کے اسلامی پیمانوں میں بھی اپنے اپنے اضافے کریں گے تو ان کا یہ لائحہ عقیدۂ ختم نبوت سے ایک کھلا تصادم ہو گا اور لوگ کہیں گے کہ جو ضرورتیں نبوت اور جانشینانِ نبوت سے پوری نہ ہوئیں انہیں یہ علماء بدعت اپنے ہاں قائم کر رہے ہیں۔ ختم نبوت کا تقاضا ہے کہ آئندہ اس دین میں کوئی ایسی کمی محسوس نہ کی جائے جسے اب بدعات حسنہ سے پورا کرنے کی ضرورت ہو۔

۱۰۔ ختم نبوت کا دسواں تقاضا

صحابہ کے فروعی اختلافات کو حضورؐ کی ختم نبوت سے متصادم نہ سمجھا جائے۔ حضور اکرمؐ نے جس طرح عقائد میں صرف ایک راہ کی تعلیم دی۔ اعمال و احکام میں آپ نے امت میں وسعت کی راہ اختیار کی۔ احکام میں نسخ و ترک کی صورتیں بھی اختیار کیں اور فضائل اعمال میں بعض کو بعض پر افضل ٹھہرایا۔

ختم نبوت کے سائے میں حضور خاتم النبیین کی نبوت میں احکام کی وسعت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام و فروع میں وسعت قائم فرمائی ہے فروعی اختلاف کو امت کے حق میں رحمت بتلایا۔ نقمت (مصیبت) نہیں ٹھہرایا۔

نجد کے بزرگ شیخ عبدالوہاب نجدی پر الزام لگایا گیا کہ وہ مختلف مذاہب کو مسلمانوں کے لیے مصیبت سمجھتے ہیں۔ آپ نے اس کی پرزور تردید فرمائی اور بتلایا کہ فروع میں امت کا اختلاف رحمت ہے۔ فروع و اعمال میں امت کا اختلاف اگر

مصیبت سمجھا جائے تو اس اختلاف میں ائمہ اربعہ ہی نہیں صحابہ کرامؓ بھی آئیں گے اور سمجھا یہ جائے گا کہ حضور خاتم النبیینؐ اپنے صحابہؓ کو ایک عمل پر نہیں لا سکے اور اس اختلاف عمل پر ختم نبوت کا سایہ معاذ اللہ کامیاب نہ رہا. سو ضروری ہے کہ ائمہ اربعہ کے اختلاف کو صحابہ کرامؓ کے اختلاف کی طرح ختم نبوت کے سایہ میں جگہ دی جائے. سیالکوٹ کے جلیل القدر عالم مولانا محمد ابراہیم میر لکھتے ہیں :۔

صحابہ اور تابعین کے اختلاف میں الحاد بے دینی کج روی اور بد اعتقادی اتباع ہوی اور بد مذہبی نہیں ہے اور اگر حدیث اختلاف امتی رحمۃ کا اعتبار کیا جائے تو اس کی یہی صورت ہے جو صحابہ اور تابعین میں تھی اور ائمہ مجتہدین کا اختلاف بھی اسی پر مبنی ہے. [۱]

حافظ عبداللہ روپڑی (ھ) بھی لکھتے ہیں :۔

ائمہ اربعہ کا اختلاف قریب قریب صحابہ کے اختلاف کے ہے. [۲]

سو ختم نبوت علم کی ایک شاہراہ ہے جس سے کئی راہیں نکلتی ہیں یہ علم کا ایک بہتا دریا ہے جس سے کئی نہریں بہہ نکلیں ان سب کا سرچشمہ ایک ہے اور وہ حضور خاتم النبیین کی نبوت ہے اس میں عمل کی بہت وسعت رکھی گئی ہے. مجتہدین امت کا آپس میں اختلاف اسی طرح کا ہے جیسے ایک باپ کے مختلف بیٹوں کا آپس میں فہم اور تربیت کا اختلاف ہو.

یاد رہے کہ مسلمانوں نے فقہاء کرام کو ہمیشہ ائمہ اجتہاد سمجھا ہے سرچشمہ شریعت نہیں اور اس سے عقیدہ ختم نبوت برابر قائم رہتا ہے. اس امت میں جو تزکیہ کی محنت چلی اس سے صحابہ کرام اور ائمہ اجتہاد اپنے اختلاف میں بطور امت آپس میں جڑے رہے. فروعی اختلاف پر نہ انہوں نے علیحدہ مسجدیں بنائیں اور نہ فروعی اختلافات پر انہوں نے اپنی علیحدہ علیحدہ جماعت بندی کی. اسلام کی تیرہ صدیوں میں پوری دنیائے اسلام میں کہیں نہیں دیکھا گیا کہ آمین بالجہر کہنے والوں اور رکوع کے رفعیدین کرنے والوں کی علیحدہ علیحدہ مسجدیں ہوں. امت کا یہ سارا اتحاد تزکیہ قلب کی محنت سے باقی تھا.

حضور اکرمؐ اپنے فیض صحبت سے صحابہ کے دلوں کو ہر طرح کی آلائش سے پاک

---

[۱] تاریخ اہل حدیث صد ۱۴۳ [۲] فتاوے اہلحدیث جلد ۱ صد ۴۴

کرتے رہے۔ حضورؐ کے بعد اب اس ذمہ داری پر کس کو لایا جائے؟ ختم نبوت کا مفہوم تقاضا کرتا ہے کہ اب اس امت میں سے ہی صالحین امت سالکین پر تزکیۂ قلب کی محنت کریں۔ یہ صالحین امت مسلمانوں کو اپنے قریب کر کے حضور خاتم النبیینؐ کے قریب کریں۔ جس طرح آفتاب روشنی سے موصوف بالذات ہے اور جہاں کہیں بھی روشنی پہنچی وہ چاند میں ہو یا ستاروں میں وہ اسی آفتاب عالم تاب کا فیض ہے۔ اسی طرح صالحین امت اپنے معتقدین کو حضورؐ کی سنتوں سے منور نہیں کر رہے تو وہ قول و فعل کے تضاد کا شکار ہیں۔

اگر کوئی شخص اس امت میں تزکیہ قلب کی اس محنت سے انکاری ہے تو وہ ختم نبوت کے اس روحانی تقاضے کو جس سے امت اختلافِ مسلک اور اختلاف مشرب میں بھی ایک امت ہو کر رہے بالکل سمجھ نہیں پایا۔ ختم نبوت کے یہ تقاضے ہر مسلمان کے ذہن میں روشن اور قائم رہیں تو وہ حقیقت میں ختم نبوت کے نور سے بطور امتی اپنا حصہ پا گیا۔

تلك عشرة كاملة۔

حضورؐ کے ذمہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام لگائے تھے :۔

۱۔ ایمان لانے والوں کو آیاتِ الٰہی پڑھانا (انہیں پورا قرآن بغیر کسی کی بیشی کے پہنچانا)۔
۲۔ ان کے دلوں پر تزکیہ کی محنت کرنا (انہیں ایک پاک دل امت بنا دینا)
۳۔ انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دینا (جس سے قرآن کی عملی تشکیل سامنے آجائے)

حضورؐ کے بعد پہلے کام کو حافظوں اور قاریوں نے باقی رکھا۔ دوسرا کام دلوں پر محنت والے اولیاء کرام اور سالکین طریقت کرتے رہے۔ تیسری ذمہ داری کو روایۃً محدثین اور تعلیماً اور استخراجاً مجتہدین اور فقہاء کرام لے کر چلتے رہے۔ جب حضورؐ کے تمام کاموں کو امت اس طرح آگے لے کر چلتی رہی تو یہ حضورؐ کی نبوت ہی آپ کے بعد اس کامیاب طریق سے چلتی رہی۔ آفتاب نبوت کی روشنی ہی امت کے ہر باب علم میں اترتی رہی۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبوت محمدیہ کا یہ پھیلاؤ جب تیرہ صدیوں تک حضورؐ کی نبوت کی ضیاء برداری کرتا رہا تو چودھویں صدی میں کیا حالات بدلے تھے کہ حضورؐ کے دین کو آگے لے جانے کی ایک نئی راہ دستیاب ہوئی؟ ظاہر ہے کہ اس نئی راہ کے استقبال میں اسلام کی تیرہ صدیوں کی علمی اور عملی محنتوں سے یکسر کنارہ کشی نہیں کی جا سکتی۔ یہ خودکشی ہوگی

عقیدہ ختم نبوت کے یہ دس تقاضے ہیں جن کی بدولت یہ دین باقی اور یہ امت باقی ہے۔
دنیا میں امن کا دور پھر سے کب آئے گا۔ لہٰذا یہ بات کہ عصر حاضر کی صلیبی طاقت کب ٹوٹے
گی کسر صلیب کس کے ہاتھوں ہو گا؟ تو پیش نظر رہے کہ حضرت عیسٰی بن مریم (اسرائیلی) اور
حضرت امام مہدی (اسمٰعیلی) کے ذریعہ پھر سے دنیا ایک ہوگی۔ بنو اسرائیل اور بنو اسمٰعیل
کی علیحدہ علیحدہ صفیں نہ رہیں گی اور جس طرح دنیا آج ظلم و جور سے بھری ہے وہ پھر امن و
امان کا گہوارہ بن جائے گی اور اسلام ہر کچے پکے گھر میں داخل ہو جائے گا۔ اہل کتاب میں سے
کوئی نہ رہے گا مگر یہ کہ وہ حضرت عیسٰی پر ان کی موت سے پہلے ایمان لے آئیں گے۔ اور دنیا ان
کے آوردہ انقلاب کو آنکھوں دیکھے گی۔

مرزا غلام احمد کی وفات کو اب ایک صدی ہو چکی۔ دنیا اس ایک صدی میں ایسے
تباہیوں اور جنگوں میں دوچار ہوئی اور صلیبی طاقتیں پہلے سے بڑھ کر اسلامی طاقتوں سے
نبرد آزما ہوئیں کہ اب کسی ابتدائی درجے کے طالب علم کو بھی یہ کہنے کی ہمت نہ ہو سکے گی۔ کہ
مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریک دنیا میں کسر صلیب کے لیے تھی۔ اللہ تعالیٰ کے نظام حکمت
میں وقت کا سب سے بڑا پیمانہ صدی ہے اور دنیا نے اس ایک صدی میں دیکھ لیا کہ مرزا
غلام احمد کی تحریک عیسٰی بن مریم کے کارناموں میں سے کسی کام سے بھی دنیا کو کوئی روشنی نہیں
بخش سکی۔

سہ فسوف ترى إذا انكشف الغبار
أفرس تحت رجلك ام حمار

شریعت اپنے پیروؤں کو ایک اجتماعیت میں لاتی ہے

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

سب انبیاء کرام دین میں ایک اور اپنی اپنی شریعت میں مختلف رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کو اسی ایک مرکزی حقیقت کے طور پر ذکر کیا ہے۔

آپ فرماتے ہیں:۔

الانبیاء اخوۃ لعلات امہاتھم شتی ودینھم واحد۔

اس میں مختلف ماؤں سے مراد مختلف شریعتیں ہیں اور دین سب کا ہمیشہ سے ایک رہا ہے۔ دین کیا ہے اسے اس کے اصولی پیرائے میں لیجئے اور اسے باب کی جگہ دیکھئے۔

دین کا تعلق انسان کی ذاتی زندگی سے ہے۔ انسان کا اپنے کو مخلوق سمجھنا اور ایک خدا کو اپنا خالق اور رب جاننا اور مرنے کے بعد ایک نئی زندگی کا یقین رکھنا یہ دین کا ایک بنیادی تقاضا ہے۔ کفر و اسلام کے فاصلے بھی انسان کی اسی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن شریعت کا تعلق انسان کی اجتماعی زندگی سے ہے۔ شریعت کا مفہوم قانون کا ہے انسان کی فطرت یہی رہی ہے کہ وہ اکیلے زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ وہ اپنی اجتماعیت بنانے کے لیے ہمیشہ سے کچھ رسم و رواج، قانون اور پنچایت قائم کرتا آیا ہے۔ یہی اجتماعیت اگر کسی پیغمبر کے ذریعے قائم ہو تو اسے شریعت کہتے ہیں۔ اس قانون کو ماننے والے ایک امت بنتے ہیں اور وہ ایک شریعت پر ہی ہیں کہ اس کے پیرو ایک امت ہو کر رہیں۔

حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ایسی جامع شریعت لائے کہ اس کی جامعیت زندگی کے کسی مرحلے پر نہ ٹوٹے اور جو امت آپ کے دم سے قائم ہوئی اس میں کبھی نسخ قائم نہ ہو۔ یہ امت ہمیشہ تک رہے اور اس سے کوئی اور امت نہ نکلے۔

حضورؐ نے جہاں اپنی ختم نبوت کا اعلان کیا اپنی امت کو بھی آخری امت بتلایا۔ یہ اسی لیے رہا کہ آپ کی امت میں کبھی نسخ نہ ہو پائے گا اور یہی امت قیامت تک چلے گی آپ نے فرمایا:۔

انا آخر الانبیاء وانتم آخر الامم۔

مرزا غلام احمد کے پیروؤں نے جب اپنی علیحدہ اجتماعیت قائم کرلی تو وہ حضورؐ کی قائم کردہ اجتماعیت سے نکل گئے۔ وہ پہلی صف اسلام سے نکل کر ایک علیحدہ جماعت بنے۔ اب یہ کسی طرح نہیں سمجھا جا سکتا کہ مرزا غلام احمد کے پیرو اور ان سے پہلے کی صف اسلام سب ایک شریعت پر ہیں۔ حضرت ملا علی قاریؒ نے بجا فرمایا ہے:۔

ختم نبوت کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی ایسا پیغمبر نہ آئے جو حضورؐ کی ملت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت میں سے ہو کر نہ رہے (ایک نئی امت بنائے)

نسخ ملت یہی ہے کہ کوئی پہلے گروہ میں نہ رہے ان لوگوں کی اپنی علیحدہ دینی اجتماعیت ہو نہ وہ مسلمانوں کی نماز جنازہ پڑھیں نہ ان کے پیچھے نماز پڑھیں۔ دین میں ان سے الگ رہیں۔

قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ جن لوگوں نے خدا کے نام پر کوئی نئی بات کہی جس سے معاشرہ آشنا نہ تھا تو انہیں کبھی پہلی ملت پر نہ سمجھا گیا۔ انہیں ہمیشہ یہی کہا جاتا رہا کہ ہماری ملت میں واپس آجاؤ۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اب ان کی اجتماعیت (شریعت) ایک نہیں رہی۔ زبردستی وہ کہتے رہیں کہ دونوں گروہ ایک ساتھ ایک شریعت پر ہیں تو کوئی انہیں کیسے روک سکتا ہے۔ جب وہ دو گروہ ہو گئے تو ایک ملت کیسے رہے؟

قادیانی کہتے ہیں کہ ہم دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ایک شریعت پر جمع ہیں۔ وہ شریعت کو نہیں سمجھتے۔ شریعت کا تعلق انسان کی اجتماعی زندگی سے ہے اور وہ مسلمانوں کی اس اجتماعیت سے نکل چکے ہیں۔ اس اجتماعیت میں شریک رہنے والے وہی ہیں جو ایک نبوت کے گرد جمع ہوں۔ کسی نئی نبوت کے تعلق سے پچھلی اجتماعیت ضرور بکھر جاتی ہے اب وہ لوگ کبھی ایک شریعت پر جمع نہیں سمجھے جا سکتے۔

اس تفصیل کی روشنی میں غیر تشریعی نبوت کا تصور ایک مغالطے سے زیادہ کوئی علمی حقیقت نہیں۔ یہ کہنا کہ نئی شریعت والا نبی نہیں آسکتا اس میں کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی جب غیر تشریعی نبوت کے دعوے سے ایک امت اپنی نئی اجتماعیت قائم کرے یہ خود ایک نئی تشریعی حیثیت اختیار کرنا ہے:۔ اس میں قادیانی دو عملی کا شکار ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں ان کی اجتماعیت ہم مسلمانوں سے مختلف ہے وہ نئی خلافت میں مسرور ہیں اور مسلمان ان سے ہر دائرہ زندگی میں دور ہیں کیا اب بھی کوئی انہیں مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم سمجھ سکتا ہے۔ پاکستان بننے کے بعد بھی انہوں نے اپنی ایک علیحدہ آبادی چاہی اور مسلمانوں کے ساتھ وہ کبھی ایک اجتماعیت میں رہنے کے لیے تیار نہ ہوئے

محدثِ کبیر ملا علی قاری نے جب یہ کہا کہ حضورؐ پر نبوت ختم ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اب آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہ آئے جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے تو ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ جو آپ کی امت میں ہو کر نہ رہے اپنی جماعت علیحدہ بنائے وہ حضورؐ سے سند لاکر نہ آئے گا کیونکہ اس تبدیلی ملت سے وہ حضورؐ کی پہلی امت کے ساتھ ایک جماعت ہو کر نہ رہ سکے گا۔ ینسخ ملتہ ولم یکن من امتہ کے الفاظ سے یہی بات سمجھ آتی ہے۔

سو ملا علی قاری کے نزدیک اس تبدیل جماعت (اپنی نئی جماعت بندی) میں نسخ ملت اور تبدیلِ شریعت ہے۔ ایک شریعت پر ہونا یہی ہے کہ سب ایک دینی اجتماعیت میں رہیں۔

انوری کو قصیدے کا پیغمبر کہا گیا۔ سعدی کو غزل کا پیغمبر کہا گیا مگر انہیں مسلمانوں سے نکلے نہ کہا گیا۔ کیونکہ انہوں نے دین کے نام سے اپنی کوئی علیحدہ جماعت بندی نہ کی تھی۔ علیحدہ جماعت بندی تبدیلی ملت ہے۔ ظاہر ہے کہ اس تبدیلی ملت سے ہم ایک شریعت پر کھڑے دکھائی نہیں دے سکتے۔

قادیانیوں کی تبدیل ملت کی تاریخی شہادتیں

۱۔ ہندوستان کے انگریزی دور میں مردم شماری کے کاغذات میں مذہب کے ہندو، مسلم، سکھ اور عیسائی کے خانے تھے۔ مرزا غلام احمد نے اپنے پیروؤں کو کہا کہ وہ مردم شماری کے کاغذات میں مذہب کے خانے میں اپنا علیحدہ اندراج کرائیں۔ تبدیلِ ملت کی یہ پہلی کڑی تھی اور حضورؐ کی امت سے علیحدگی کا یہ پہلا اعلان تھا۔ قادیانیوں کا یہ کہنا کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ ایک شریعت پر ہیں کسی طرح درست نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے عیسائیوں سے نسخ ملت ہوا۔ مسلمان اور عیسائی ایک قوم ہو کر نہ رہ سکے۔ مرزا غلام احمد کو خدا کا بھیجا ہوا ماننے والے پہلے مسلمانوں کے ساتھ ایک ملت ہو کر نہ رہ سکے نہ ان کی نمازیں ایک دوسرے کے پیچھے ادا ہو سکیں نہ ان کے رشتے آپس میں بلا شرط جائز رہ سکے۔ دینی اور دنیوی دونوں امور میں نسخ ملت ہوا اور وہ ایک علیحدہ جماعت ہو کر ابھرے۔ اب انہیں مسلمانوں کے ساتھ ایک شریعت (قانون) میں رہنے والے کیسے کہا جا سکتا ہے؟ کسی طرح نہیں۔ مرزا غلام احمد کا بیٹا مرزا بشیر احمد لکھتا ہے:۔

حضرت مسیح موعود نے غیر احمدیوں کے ساتھ وہی سلوک جائز رکھا ہے جو نبی کریمؐ نے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔ غیر احمدیوں سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا۔ ان کے جنازے پڑھنے سے روکا گیا۔ اب باقی کیا رہ گیا ہے جو ہم ان کے ساتھ مل کر کر سکتے ہیں۔ دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں ایک دینی دوسرے دنیوی۔ دینی تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ عبادت کا اکٹھا ہونا ہے اور دنیوی تعلقات کا سب سے بڑا ذریعہ رشتہ وناطہ ہے۔ سو یہ دونوں ہمارے لیے حرام قرار دیئے گئے۔[1]

سو یہ بات بالکل درست ہے کہ ہم مسلمان اور قادیانی عقیدے کے لوگ ایک شریعت (قانون) سے وابستہ نہیں ہیں اور وہ کسی طرح ایک ملت نہیں۔ مرزا غلام احمد کے آنے سے پہلے صف اسلام میں نسخ ملت ہو چکا۔

ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ حضورؐ سے جو ملت قائم ہوئی تھی اب اس میں کبھی نسخ نہ ہوگا اور آپ پر ایمان لانے والے قیامت تک اپنی گنتی میں بڑھتے ہی رہیں گے۔ جب تک یہ دنیا قائم ہے آپ کی امت میں کبھی نسخ واقع نہ ہوگا اور اسلام کی کوئی صف نئی نہ بنے گی۔

یہود سمجھتے تھے کہ چونکہ اس پیغمبر (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کی کوئی نرینہ اولاد نہیں رہی۔ اس لیے آپ کی وفات پر یہ کل شیرازہ اسلام بکھر جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں کہا۔ ایسا نہیں آپ اللہ کے رسول ہیں اور ایک وسیع امت کے روحانی باپ ہیں اور اس امت کی وسعت ایسی ہے کہ آپ سب نبیوں کے ختم پر ہیں۔ سو آپ کی امت کا تسلسل قیامت تک رہے گا۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ آپ کے عہد نبوت میں کبھی نسخ ملت واقع نہ ہو اور نہ قیامت تک اسلام کی کوئی اور صف بچھے۔

ماکان محمدٌ ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ (پ۲۲ الاحزاب)

ترجمہ: نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے باپ لیکن ہیں اللہ کے رسول اور رسول بھی ایسے کہ آپ کی امت ہمیشہ تک چلے۔

---

[1] کلمۃ الفصل ص۱۶۹

ختم نبوت کا مفہوم تقاضا کرتا ہے کہ آپ پر ایمان لانے والوں میں کبھی نسخ ملت نہ ہو اور قیامت تک آپ کی امت ہی چلتی رہے اور آپ کی روحانی اولاد میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہے۔

محدث جلیل ملا علی قاری ؒ نے موضوعات کبیر میں یہی بات کہی ہے کہ کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو آپ کی جماعت میں ہو کر نہ رہے اپنی امت علیحدہ بنائے اور جو لوگ پہلے سے حضور ؐ کی امت کے طور پر چلتے آرہے ہیں ان میں سے ہو کر نہ رہے کیونکہ آپ کی امت کا تسلسل قیامت تک رہنا لازمی ہے۔ ختم نبوت کا تقاضا ہے کہ اب امت کی اجتماعیت کہیں نہ ٹوٹے جو شخص علیحدہ جماعت بندی کرے وہ حضور ؐ کی امت سے بغاوت کر گیا۔

آپ لکھتے ہیں:۔

لایاتی نبی بعدہ ینسخ ملته ولم یکن من امته۔[1]

ترجمہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے جو آپ کی جماعت کو توڑے اور آپ کی امت میں نہ رہے۔

مرزا غلام احمد کہتا ہے کہ میں کوئی شریعت نہیں لایا۔ اگر ایسا ہے تو اس نے علیحدہ جماعت بندی کیوں کی ہے اس سے وہ اس پرانی ملت اسلامی سے تو نکل گیا جو چودہ سو سال پہلے حضور ؐ نے حجاز میں قائم کی تھی۔ پیچھے سے چلی آنے والی امت کو چھوڑ کر وہ اپنے پیروؤں کو لے کر ایک دوسرے گھاٹ اتر گیا۔ تبدیلیٔ شریعت مسائل بدلنے کا نام نہیں ایک دوسرے گھاٹ پر آنا ہے۔ جو ایک گھاٹ پانی نہ پئیں وہ کیسے ایک امت سمجھے جا سکتے ہیں۔

علیحدہ جماعت بندی سے ایک علیحدہ امت بنتی ہے اور پچھلی صف ٹوٹ جاتی ہے مسلمان عقیدہ ختم نبوت پر اسی لیے زیادہ حساس واقع ہوئے ہیں کہ کسی نئی دینی دعوت سے پہلی امت ٹوٹتی ہے اور اپنا گھر ویران کرنے کے لیے کوئی تیار نہیں ہوتا۔ ایک شریعت پر ہم تبھی ہو سکتے ہیں کہ ہم ایک اجتماعیت میں رہیں۔ ختم نبوت پر ہم سب ایمان اسی صورت میں رکھ سکتے ہیں کہ ایک امت ہو کر رہیں اور اس امت میں کبھی نسخ واقع نہ ہو۔

لاہوری قادیانیوں نے نسبتاً اپنے لیے ایک گنجائش رکھی۔ مرزا غلام احمد سے اپنی وابستگی کے باوجود وہ امت مسلمہ سے پورے نہیں کٹے، مسلمانوں کے پیچھے نماز

---

[1] موضوعات کبیر صہ ۵۹ مطبع مجتبائی دہلی

پڑھنے کے وہ بظاہر قائل رہے۔ ان کی علیحدہ جماعت بندی اس درجے میں نہ رہی جس طرح مرزا بشیر الدین محمود کے پیروؤں نے کی۔ یہ لوگ مرزا غلام احمد کی عبارات کی تاویلات کرتے رہے۔ ان کی علیحدہ جماعت بندی دوسرے قادیانی گروپ سے خاصی کمزور رہی۔ اس کا نتیجہ عام دیکھنے میں یہ ضرور رہا کہ ان لوگوں کو جلدی توبہ نصیب ہوجاتی ہے۔

مرزا غلام احمد خود اپنے پیروؤں کو کہتا رہا کہ تم دوسرے مسلمانوں سے اصولوں میں مختلف ہو۔ مردم شماری کے سرکاری کاغذات میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے علیحدہ علیحدہ اندراجات ہوتے تھے مرزا غلام احمد نے ۴ نومبر ۱۹۰۰ء کو ایک اشتہار واجب الاظہار لکھا جو مطبع ضیاء الاسلام قادیان سے چھپا۔ مرزا صاحب اس کے شروع میں لکھتے ہیں :۔

> چونکہ اب مردم شماری کی تقریب پر سرکاری طور پر اس بات کا التزام کیا گیا ہے کہ ہر ایک فرقہ جو دوسرے فرقوں سے اپنے اصولوں کے لحاظ سے امتیاز رکھتا ہے علیحدہ خانہ میں اس کی خانہ پوری کی جائے اور جس نام کو اس فرقہ نے اپنے لیے پسند اور تجویز کیا ہے وہی نام سرکاری کاغذات میں اس کا لکھا جائے اس لیے ایسے وقت میں قرین مصلحت سمجھا گیا ہے کہ اپنے فرقہ کی نسبت ان دونوں باتوں کو گورنمنٹ عالیہ کی خدمت میں یاد دلا جائے۔[1]

اب آپ ہی انصاف کریں کہ پہلے قادیانی مسلمانوں کی صف سے نکلے یا مسلمانوں نے انہیں علیحدہ مردم شماری پر مجبور کیا تھا۔

سو یہ کہنا کسی طرح درست نہیں کہ قادیانیوں کو مسلمانوں نے اپنے سے نکالا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قادیانی خود ضروریات دین اسلام میں مسلمانوں سے اختلاف کرکے صف اسلام سے نکلے ہیں اور اگر کسی کا نکالنے پر ہی اصرار ہو تو صحیح یہ ہے کہ انگریزوں نے مرزا غلام احمد سے غلط دعوے کرا کر قادیانوں کو مسلمانوں سے نکالا ہے۔ وہ خود سادہ تھا اور مفعول مزاج تھا اور برطانوی اشاروں سے دعوے پر دعوے کرتا رہا اور ہر طرف سے گیا۔ نہ ہندوؤں میں رُدر گوپال ہو سکا نہ مسلمانوں میں کوئی جگہ پا سکا۔

---

[1] ضمیمہ تریاق القلوب ص۲

فتح مکّہ سے متعلق ۹ سوالات

۱. آنحضرتؐ کے عہد میں مکہ لڑائی سے فتح ہوا یا صلح سے؟
۲. اگر لڑائی سے فتح ہوا تو کیا حرم کی حرمت نہ ٹوٹی؟
۳. اگر اس کے لیے آنحضرتؐ نے اللہ تعالیٰ سے اجازت لے لی تھی تو پھر آپ نے اس موقع پر حضرت سعد بن عبادہؓ سے جو کہہ رہے تھے الیوم یوم الملحمہ (آج لڑائی کا دن ہے) سے جھنڈا کیوں واپس لے لیا؟
۴. مسلمان جب مکہ میں داخل ہوئے تو کیا سب ایک ہی طرف سے داخل ہوئے یا مختلف اطراف سے کیا کسی طرف مشرکین مکہ کی طرف سے کچھ مزاحمت بھی ہوئی؟
۵. عام معافی کا اعلان حضورؐ نے مکہ داخل ہونے کے بعد کیا تھا یا مکہ داخل ہونے سے پہلے آپ نے یہ اعلان کرا دیا تھا؟
۶. آپؐ نے اعلان معافی کی کیا کیا صورتیں رکھیں؟
۷. اگر کہیں مشرکین مقابلہ میں اٹھیں تو کیا پھر بھی مسلمانوں کو حرم میں تلوار اُٹھانے کی اجازت نہ تھی؟
۸. کیا اعلان معافی میں کچھ لوگ مستثنیٰ بھی رکھے گئے تھے؟
۹. کیا وہ مستثنیٰ افراد اس وقت حدود حرم میں قتل کیے گئے اور ان کا انجام کیا ہوا؟

الجواب۔ نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔

۱. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ کے لیے نکلے تو آپ بے شک ہتھیار لے کر نکلے تھے لیکن آپ یہی تمنا لیے ہوئے تھے کہ حرم میں لڑنے کی نوبت نہ آئے۔ آپ نے بڑے الحاح سے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ میرے فتح مکہ کے لیے نکلنے کا کسی راہ سے بھی اہل مکہ کو پتہ نہ چلے۔ یہ اسی لیے تھا کہ وہ لڑائی کے لیے تیار نہ ہو سکیں اور حدود حرم میں خونریزی نہ ہو۔

حافظ ابن جریر طبری (۳۱۰ھ) لکھتا ہے۔ آپ نے دعا کی تھی:-

اے اللہ! کسی راہ سے بھی ہمارے ارادے کی اور ہمارے چل نکلنے کی ان کو اطلاع نہ ہو۔[۱]

آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور آپ جب مکہ پہنچے تو اہل مکہ کو اس کی پہلے سے کوئی اطلاع نہ تھی۔

---

[۱] تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۱۱

۲۔ مکہ لڑائی سے فتح نہ ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ داخل ہونے سے پہلے وہاں کے مخالفین کی عام معافی کا مکہ میں اعلان کرا دیا تھا۔ تاہم جو بدبخت اس عام معافی سے بھی بچنے کی راہ نہ پائے اس سے لڑنے کی اجازت حضورؐ اللہ سے لے چکے تھے۔ گر اس وقت عمل کرنے کی صورت خال ہی واقع ہوئی ہو۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ مکہ حرم ہے اور جب سے خدا نے زمین و آسمان کو تخلیق بخشی۔ یہاں لڑنا کسی کے لیے جائز نہیں ہوا۔ یہ جگہ شروع سے ارضِ حرم چلی آ رہی ہے :-

الا وانها لم تحل لاحد من قبلی ولا تحل لاحد من بعدی الا انما احلت لی ساعة من نهار [1]

ترجمہ۔ جان لو مکہ مکرمہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال (کہ اس میں جنگ ہو سکے) نہیں ہوا اور نہ میرے بعد یہ کسی کے لیے حلال ہو گا۔ صرف میرے لیے اس میں کچھ دیر کے لیے یہ حرمت اُٹھالی گئی ہے۔

۳۔ حضرت سعد بن عبادہؓ نے الیوم یوم الملحمہ کہہ کر عام جنگ کا اعلان کیا تھا اور اللہ کے علم میں تھا کہ فتح مکہ کے لیے عام جنگ نہ ہو گی اور حضورؐ بھی یہی چاہتے تھے۔ آپؐ نے کہا سعدؓ غلط کہہ رہے ہیں۔ الیوم یوم المرحمہ (آج کا دن رحم کرنے اور معافی دینے کا دن ہے) اس دن جو آپؐ کچھ گھڑیوں کے لیے اس میں لڑنے کی اجازت ملی تھی وہ صرف اس لیے تھی کہ مسلمانوں کے لیے اس طرف ہتھیار لے کر چلنے کی اجازت ہو سکے۔ نیز اگر کسی کونے میں کہیں کوئی مزاحمت ہو تو وہاں مسلمان اس صورتحال پر قابو پا سکیں۔ ان کو پہلے سے اس کی اجازت ہو۔ اس وقت انہیں حضورؐ سے پوچھنے کے لیے جانے کی تکلیف نہ کرنی پڑے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لشکروں کے سرداروں کو کہہ دیا تھا کہ سوائے ان لوگوں کے جو تم پر حملہ کریں کسی کو قتل نہ کریں۔ [2]

۴۔ فتح مکہ پر سب مسلمان مکہ میں ایک ہی راہ سے داخل نہ ہوئے تھے مختلف اطراف سے داخل ہوئے ہر طرف سے ایک لشکر تھا جس راہ سے حضرت خالد بن ولیدؓ داخل ہوئے وہاں ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے چند ساتھیوں کو ساتھ لے کر مزاحمت کی تاہم انہوں نے بھی جلد ہتھیار ڈال دیئے۔ حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) نے اس مزاحمت کا ذکر کیا ہے۔ [3]

۵۔ مکہ داخل ہونے سے پہلے آپ نے مکہ والوں کے لیے عام معافی کا اعلان کر بھیجا تھا آپ

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۳ جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۶ [2] سیرت حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۸۲ [3] البدایہ والنہایہ جلد ۴ صفحہ ۲۹۷

کو پورا یقین تھا کہ آج جنگ نہیں ہوگی۔

راستہ میں آپ کو آپ کے پرانے دشمن اور بدگو کزن ابوسفیان بن حارث ملے ان کی بیوی بھی ان کے ساتھ تھی۔ انہوں نے آپ کے سامنے آنے کی اجازت چاہی۔ ام المومنین حضرت سلمہؓ نے بھی آنحضرتؐ سے اسے معاف کرنے کی سفارش کی۔ آپ نے اسے اجازت نہ دی۔ اس نے بھوک ہڑتال سے مرنے کی ٹھان لی حضورؐ نے اجازت دے دی۔ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب مسلمان ہوئے وہ پہلے سب جرموں کا برملا اقرار کرتے تھے۔

لعمرک انی یوم احمل رایة	لتغلب خیل اللات خیل محمد
لکالمدلج الحیران اظلم لیله	فھذا اوانی حین اھدی واھتدی[1]

ترجمہ۔ تیری جان کی قسم میں جس دن اس لیے جھنڈا اٹھاتا تھا کہ لات کا لشکر حضورؐ کے لشکر پر غالب آجائے اس وقت اس حال میں تھا کہ جیسے کوئی رات کے اندھیرے میں حیران بھٹکتا ہو۔ اب یہ وقت آگیا کہ میں ہدایت دیا جاؤں اور ہدایت پالوں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ راستے میں ہی تھے کہ آپ کے دشمنوں پر آپ کا رعب اتر رہا تھا اور وہ معافی کے سوا اور کوئی دوسری راہ نہ دیکھتے تھے۔

یہ ابوسفیان اور تھے یہ حضورؐ کے ساتھ عبدالمطلب میں ایک ہوجاتے ہیں ایک دوسرے ابوسفیان بھی تھے جو حضورؐ کے ساتھ عبدالمناف میں جا جمع ہوتے ہیں۔ یہ اموی ابوسفیان بن حرب بن امیہ بن سعد تھے جن کے ہاتھ میں بدر۔ احد اور احزاب کے دن قریش مکہ کی کمان رہی۔ یہ فتح کے دن تجسس کے لیے نکلے۔ انہیں پہلے سے مسلمانوں کی لشکرکشی کی کوئی اطلاع نہ ہوئی تھی۔ حضرت عباسؓ نے انہیں (ابوسفیان کو) دیکھ لیا۔ ابوسفیان نے حضرت عباسؓ سے پوچھا اب اسے کیا کرنا چاہیئے۔ انہوں نے کہا کہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر امن کی راہ لے لو۔ ابوسفیان نے اقرار کیا اور حضرت عباسؓ کے ساتھ سوار ہو گئے۔ حضورؐ کے پاس پہنچے تو حضورؐ نے ان کے اسلام کو قبول فرمایا آپ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے۔

اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ ابھی راستے میں ہی تھے کہ اہل مکہ شوکت اسلام کے آگے سرنگوں ہو گئے تھے۔ سو یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ مکہ بغیر جنگ کے فتح ہوا اور اللہ تعالیٰ نے سب دشمنوں کے دل حضورؐ کے آگے جھکا دیئے تھے۔ البتہ حضرت خالد بن ولیدؓ جس راہ سے مکہ داخل ہوئے

---

[1] طبری جلد ۳ صد ۱۲۹

وہاں کچھ مقابلہ ہوا۔ حماس بن قیس بھی یہاں عکرمہ صفوان اور سہیل بن عمرو سے آملا تھا۔ یہاں بارہ مشرک مارے گئے اور حماس بھاگ نکلا۔

مکہ مکرمہ میں عام معافی کا اعلان

۶۔ آنحضرتؐ نے عام معافی کی راہوں کا اعلان فرمایا کہ کوئی جس راہ سے چاہے آپ کے سایۂ رحمت میں آجائے۔ سب کے لیے عام معافی کا اعلان ہوگیا:۔

۱۔ من کف یدہ واغلق بابہ فھو اٰمن۔
۲۔ من دخل دار ابی سفیان فھو اٰمن۔
۳۔ من دخل المسجد فھو اٰمن۔
۴۔ من القی سلاحہ فھو اٰمن۔
۵۔ من اغلق بابہ فھو اٰمن۔
۶۔ من دخل دار حکیم بن حزام فھو اٰمن۔
۷۔ من دخل تحت لواء ابی رویحۃ فھو اٰمن۔ [1]

ترجمہ۔ جو اپنا ہاتھ روک لے اور اپنا دروازہ بند کر لے وہ امن میں۔
جو ابوسفیان کے گھر پناہ لے وہ بھی امن میں۔
جو بیت اللہ شریف میں داخل ہوگیا وہ بھی امن میں۔
جس نے اپنے ہتھیار زمین پر ڈال دیئے وہ بھی امن میں۔
جو حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہوگیا وہ امن میں۔
جو ابورویحہ کے جھنڈے تلے آگیا وہ بھی امن میں ہے (ان سب کی معافی ہوگئی)

ان میں یہ جملہ کہ جو ہتھیار پھینک دے (من القی سلاحہ) کس قدر جاندار ہے جس شخص نے اب تک عافیت کی کوئی راہ اختیار نہ کی اور اب اچانک کسی مسلمان کے گھیرے میں آگیا تو وہ جونہی ہتھیار پھینکے امان پاگیا۔ اس سے زیادہ پیغام رحمت اور کیا ہو سکتا ہے

ابوسفیان کے گھر کو اس لیے دارالامان کہا کہ وہ بدر و احد اور غزوۂ احزاب میں مشرکین کا سردار تھا مگر حکیم بن حزام کے گھر کو کس لیے دارالامان کہا اس کی خصوصیت کیا تھی؟ یہ محض اس کی

---

[1] سیرت حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۸۰

کعبہ شریف سے نسبت تھی۔ حضرت حکیم بن حزامؓ (۵۴ھ) مولود کعبہ ہیں آپ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے تھے خطیب تبریزی صاحب مشکوٰۃ لکھتا ہے۔

هو ابن اخی خديجة ام المومنين ولد فی الكعبة.

ترجمہ. آپ حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے تھے کعبہ کے اندر پیدا ہوئے واقعہ فیل سے تیرہ سال پہلے۔

۷. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے کچھ وقت کے لیے حرم میں ہتھیار اٹھانے کی اجازت لے چکے تھے اور مسلمانوں کو حق پہنچتا تھا کہ اگر کہیں مشرکین مقابلہ کریں تو مسلمانوں کو پھر سے حضورؐ کے پاس اجازت لینے کے لیے نہ آنا پڑے۔ چنانچہ ایسا ایک جگہ پیش بھی آیا جس طرف سے حضرت خالد بن الولیدؓ مکہ میں داخل ہو رہے تھے ادھر سے ابوجہل کا بیٹا عکرمہ مقابلے میں آیا مگر تھوڑی سی مزاحمت کے بعد وہ بھاگ گیا اور چاہا کہ سمندر کی راہ سے یمن جا نکلے۔ تاہم اس کی بیوی ام حکیم اسی وقت مسلمان ہو گئیں۔

۸. آٹھ شخص اس عام معافی سے مستثنیٰ رہے یہ اس قدر مجرم تھے کہ کسی بادرحمت کے لائق نہ تھے۔ تاہم کسی نہ کسی عنوان سے یہ آٹھوں بھی معافی پا گئے۔ ۱. عکرمہ بن ابی جہل ۲. صفوان بن امیہ ۳. عبداللہ بن ابی سرح ۴. عبداللہ بن زلعزای ۵. وحشی بن حرب ۶. کعب بن زہیر ۷. ہبار بن الاسودؓ ۸. سہیل بن عمرو۔

چار عورتیں بھی اس عام معافی سے مستثنیٰ تھیں۔ حکم تھا کہ یہ جہاں پائی جائیں انہیں قتل کر دیا جائے۔ ان میں پہلی ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ بھی تھی جو حضرت معاویہؓ کی والدہ تھیں جنگ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ شہید ہوئے تو اس نے فرط عداوت میں آپ کا کلیجہ نکال کر چبایا تھا۔ ۲. سارہ۔ یہ بنو عبدالمطلب میں سے کسی کی بیوی تھی۔ ۳-۴ عبداللہ بن اخطل کی دو لونڈیاں فرتنیٰ اور قریبہ۔ ان چار میں ہندہ تو حضورؐ کے سامنے مسلمان ہو گئیں۔ سارہ بھی حضرت عمرؓ کے زمانہ تک موجود رہی[1] فرتنیٰ اور قریبہ میں سے بھی ایک کو امان مل گئی اور وہ اسلام لے آئی تھی۔[2]

جن آٹھ مردوں کو اس دن کی عام معافی سے مستثنیٰ رکھا گیا۔ بالآخر وہ بھی اسلام لے آئے ۱. عکرمہ بن ابی جہل کی بیوی نے اس کے لیے حضورؐ سے امان کی درخواست کی جو منظور کر لی گئی۔ پھر یہ اپنے خاوند کی تلاش میں بھاگیں وہ یمن کی طرف بھاگ رہا تھا کہ اس لے سے آپ کی اس معافی کی

---

[1] دیکھئے فتح الباری جلد ۸ صہ۱ [2] الصارم المسلول صہ۱۲۶

خبردی اور اس طرح عکرمہ (۱۳ ھ) حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور اسلام قبول کیا۔[1]

۲۔ صفوان بن امیہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت عمرو بن وہبؓ وہ خوش قسمت بزرگ ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا وہ عمامہ بطور نشان دیا جو آپ فتح مکہ کے دن پہنے ہوئے تھے۔ یہ آپ کو کس طرح ملا؟ حافظ ابن جریر طبری لکھتا ہے:۔

خرج صفوان بن امیہ یرید جدہ یرکب منہا الی الیمن فقال عمرو بن وھب یا نبی اللہ ان صفوان بن امیہ سیّد قومہ و قد خرج ھارباً منک لیقذفہ فی البحر فأمنہ علیک قال ھو امن قال یا رسول اللہ اعطنی شیاءً یعرف بہ امانک فاعطاہ عمامتہ التی دخل فیھا مکہ[2]

ترجمہ: صفوان بن امیہ جدہ کی طرف نکلا تاکہ وہاں سے وہ یمن کی راہ لے۔ عمرو بن وہب نے حضورؐ سے عرض کی صفوان بن امیہ اپنی قوم کا سردار ہے اور آپ سے ڈر کر بھاگا ہے تاکہ وہ اپنے کو سمندر میں ڈال دے آپ اسے امن عطا فرمائیں۔ آپ نے کہا اسے امان ہے۔ اس نے کہا مجھے کوئی نشانی عطا فرمائیں جس سے پتہ چلے آپ نے اسے اپنی دستار عطا فرمائی جسے پہنے آپ مکہ داخل ہوئے تھے۔

جب حضرت عمروؓ بن وہب صفوان کے پاس گئے اور حضورؐ کے اسے امان دینے کی خبر دی تو حضورؐ کے بارے میں عمرو نے اسے بتایا۔ انہ احکم الناس و اوصلھم کہ آپ سب سے زیادہ حلیم الطبع اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ اس پر صفوان حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دو ماہ کی مہلت مانگی کہ آپ اپنے بارے میں اور غور کرلیں۔ آپ نے فرمایا تمہیں چار ماہ کی مہلت ہے۔

یعنی اس مدت میں بھی تم کوئی فیصلہ نہ کر پاؤ تو تمہیں واپس پہنچا دیا جائے گا جہاں سے عمرؓ تمہیں لائے ہیں یا یہ مراد ہو سکتی ہے کہ پھر تم ان لوگوں کے حکم میں ہو جنہیں فتح مکہ پر امان دی گئی اور ان سے اسلام لانے کا مطالبہ نہ کیا گیا تھا۔ یہ اپنی اسی حالتِ کفر میں غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف میں حضورؐ کے ساتھ رہے اور پھر کہیں جا کر اپنی مرضی سے مسلمان ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں کسی کو زبردستی مسلمان کرنے کا کوئی تصور بھی نہیں ہے۔ چہ جائیکہ اس کی کہیں تصدیق پائی جائے۔

---

[1] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۱۹ الخبر عن مکہ۔ الکامل لابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۹۷

[2] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۲۲ البدایہ جلد ۴ صفحہ ۳۰۸

۳. عبداللہ بن ابی سرح

یہ مکہ میں اوائل اسلام میں اسلام لاچکے تھے اور حضورؐ کے بہت قریب رہے یہاں تک کہ حضورؐ نے پھر کتابتِ وحی کی خدمت بھی آپ کے سپرد کر دی۔ مگر یہ مرتد ہو کر کافروں سے جا ملا۔ یہ حضرت عثمانؓ کا رضاعیؓ بھائی تھا اور انہی کی ترغیب سے داخلِ صف اسلام ہوا تھا۔ اب پھر حضرت عثمانؓ نے اس کی سفارش کی اور حضورؐ نے اسے قبول فرمایا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کو حضورؐ کے ہاں کس قدر قربت اور عزیز داری تھی۔

اب عبداللہ بن ابی سرح نہایت پختہ مسلمان تھے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں مصر میں حاکم مقرر کیا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں آپ نے ۲۸ھ میں افریقہ فتح کیا۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے اختلاف میں یہ کسی کے ساتھ شامل نہ ہوئے۔

۴. عبداللہ بن زبعریٰ

عرب کے بڑے شاعروں میں سے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کہتے۔ حضور اکرمؐ نے فتح مکہ کے دن اس کے قتل کا حکم صادر فرمایا۔ یہ بھاگ کر نجران چلے گئے۔ پھر خود اسلام لائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ شعر کہے[1]

یارسول الملک ان لسانی راتق ما فتقت اذ انا بورٌ

أمن اللحم والعظام بربی ثم نفسی الشهيد انت نذير

ترجمہ۔ اے بادشاہ کے رسول بے شک میری زبان اس نقصان کو پورا کرے گی جو میں نے اپنی بربادحالت میں آپ کو پہنچایا۔ میرا سارا جسد کیا گوشت اور ہڈیاں اپنے رب پر ایمان لا چکا ہے اور میرا جی گواہی دے رہا ہے کہ آپ (خدا سے) ڈرانے والے (یعنی پیغمبر) ہیں۔

۵. وحشی بن حرب

یہ سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب کا قاتل تھا۔ اس نے مکہ سے بھاگ کر طائف میں پناہ لی وہاں سے یہ حضورؐ کی خدمت میں مدینہ منورہ آیا اور اسلام قبول کیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے دورِ خلافت میں اسے مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں بھیجا گیا۔ اس نے اسی آلہ سے اسے قتل کیا جس سے اس نے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔ یہ عام کہتا تھا میں نے اسی حربہ سے خیر الناس کو قتل کیا تھا اور اسی حربہ سے میں نے

---

[1] طبری جلد ۳ ص ۱۱۲

شر الناس مسیلمہ کذاب کو مارا ہے۔[1]

۶. کعب بن زہیر

آپ بھی ان لوگوں میں سے تھے جو اس دن عام معافی سے مستثنیٰ رکھے گئے۔ مشہور شاعر تھے جن کی دور دور تک شہرت تھی۔ عظیم شاعر زہیر کے بیٹے تھے۔ فتح مکہ کے دن بھاگ گئے۔ جب ان کا ضمیر جاگا تو مدینہ منورہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ مشہور نعتیہ قصیدہ بانت سعاد انہی کا ہے۔ حضورؐ نے اسے سنا اور بہت خوش ہوئے انعام میں اپنی چادر بھی عنایت فرمائی۔[2]

۷. ہبار بن الاسود

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی بیٹی اشرف البنات حضرت زینبؓ جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ جا رہی تھیں تو اس ظالم نے آپ کو نیزہ مارا تھا جس سے آپ گر گئیں۔ فتح مکہ کے دن آپ نے اس کا خون مباح فرمایا لیکن یہ مل نہ سکے۔ جب حضورؐ جعرانہ سے واپس ہوئے تو یہ حضورؐ کی خدمت میں آیا صحابہؓ نے حضورؐ کو بتایا کہ یہ ہبار بن الاسود ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے دیکھ لیا ہے۔ اس نے آپ کو سلام عرض کرنے کے بعد کلمہ شہادت پڑھا اور اپنے جرموں کی آپ سے معافی چاہی اور کہا :-

کنا یا نبی اللہ اهل شرك فهدانا اللہ بك وانقذنا من الهلكة فاصفح عن جهلي وعما كان يبلغك عني فاني مقر بسوء فعلي معترف بذنبي فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد عفوت عنك۔[3]

ترجمہ۔ اے اللہ کے نبی ہم اہل شرک تھے اللہ نے آپ کے ذریعے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں ہلاکت سے نکالا۔ میری جہالت کو معاف فرمائیں اور اسے جو میری طرف سے آپ کو تکلیف پہنچی۔ میں اپنے بُرے عمل کا اقرار کرتا ہوں۔ اپنے گناہ کا مجھے اعتراف ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے تجھے معاف کیا۔

۸. سہیل بن عمرو

آپ خطیب قریش کے نام سے مشہور تھے۔ فتح مکہ کے دن سہیل نے اپنے بیٹے عبداللہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے لیے امن حاصل کرنے کے لیے بھیجا۔ سہیل نے اسلام قبول نہ کیا تھا۔ آپ نے اسے امان دے دی اور اعلان فرمایا :-

---

[1] الاستیعاب لابن عبدالبر جلد ۔ زرقانی علی المواہب جلد ۲ ص۲۱۶ [2] الاستیعاب ص۲۹۷ فتح الباری جلد ۸ ص۱ [3] الاصابہ جلد ۳ ص۵۹۸ شرح مواہب جلد ۲ ص۳۱۵

من لقی سہیل بن عمرو فلا یحد الیہ النظر۔[1]

ترجمہ۔ جو سہیل بن عمرو کو ملے اسے تیز نگاہ سے نہ دیکھے۔

صلح حدیبیہ میں قریش کی طرف سے بات کرنے والا ان کا بھی سردار تھا۔ امان پانے کے بعد اسلام نہ لانے کے باوجود غزوہ حنین میں آپ کے ساتھ رہا۔ جب آپ جعرانہ پہنچے تو وہاں اس نے اسلام قبول کیا۔

نوٹ:۔ سہیل بن عمرو بے شک ان لوگوں میں سے نہ تھے جن کو حضورؐ نے فتح مکہ کے دن عام معافی سے مستثنیٰ فرمایا لیکن جس طریق سے آپ کے بیٹے عبداللہ نے ان کی طرف سے حضورؐ سے خصوصی امان طلب کی اس سے یہی گمان ہوتا ہے کہ اس دن اس کی بڑی شخصیت سے پھر سے کسی بڑی کارروائی کا اندیشہ تھا اور اب یہ جہاں بھی دیکھا جاتا مارا جاتا اور یہ خود بھی اپنے مقام کو سمجھتا تھا۔ اس لیے اس نے آپ سے خاص درجے میں امان لینے کے لیے اپنے بیٹے کو آپ کے پاس بھیجا۔ آپ کے یہ الفاظ کہ اب کوئی اس کی طرف تیز نظر سے بھی نہ دیکھے ہمارے اس خیال کی تائید کرتے ہیں۔

وہ بدبخت جو اس دن بھی معافی نہ پا سکے

شقاوت اور سعادت کے نہ فاصلے ختم کیے جا سکتے ہیں نہ فیصلے۔ تاہم یہ انسان کی نظر سے مخفی رکھے گئے۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس کے بارے میں کیا لکھا گیا ہے۔ ہاں اسے کچھ احکام ضرور دیئے گئے جن پر وہ اپنے اختیار سے عمل کر سکے

۱۔ عبداللہ بن اخطل

یہ پہلے مسلمان ہو گیا تھا اور حضورؐ نے اسے عامل مقرر کیا تھا۔ پھر یہ مرتد ہو گیا۔ حضورؐ کی شان میں ہجو کہتا تھا اس کی دو لونڈیاں بھی آپ کی ہجو گاتی تھیں اور مجلسیں گاتی تھیں۔ فتح مکہ کے دن کعبہ کے پردوں سے جا چمٹا۔ ابو برزہ اسلمی اور سعد بن حریث نے اسے وہیں قتل کر دیا۔

۲۔ مقیس بن صبابہ

یہ بھی مسلمان ہو گیا تھا اس نے اپنے بھائی ہشام کی دیت لینے کے باوجود اس کے قاتل کو قتل کر دیا اور مرتد ہو کر مکہ چلا گیا۔ حضورؐ نے فتح کے دن اس کا خون مباح کیا۔ یہ کہیں بازار میں جا رہا تھا کہ نمیلہ بن عبداللہ لیثی نے اسے پکڑ لیا اور قتل کر دیا۔[2]

---

[1] سیرت حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۶ [2] فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۹

لما كان يوم مكة امن رسول الله صلى الله عليه وسلم الناس الا اربعة نفر وامرأتين وقال اقتلوهم وان وجدتموهم متعلقين بأستار الكعبة وهم عكرمه بن ابى جهل وعبدالله بن اخطل ومقيس بن صبابه و عبدالله بن ابى سرح [1]

ترجمہ: فتح مکہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے چار مردوں اور دو عورتوں کے سب کو امان دی۔ آپ نے فرمایا ان لوگوں کو کعبہ کے پردوں سے چمٹا دیکھو تو بھی مار ڈالو۔ یہ عکرمہ بن ابی جہل۔ عبداللہ بن اخطل۔ مقیس بن صبابہ اور عبداللہ بن ابی سرح تھے۔

ان میں عکرمہؓ اور عبداللہ بن ابی سرحؓ کے ازلی سعادت شامل حال رہی اور وہ بالآخر معافی پا گئے۔

۳-۴۔ حویرث بن نقید اور حارث بن طلاطل

حویرثؓ شاعر تھا اور حضورؐ کی ہجو کہتا۔ اسی طرح حارث بن طلاطل بھی شاعر تھا اور اس کا ذوقِ شعری حضورؐ کی شان میں ہجو کہنا تھا۔ ان دونوں ظالموں کو حضرت علیؓ نے فتح مکہ کے دن قتل کیا۔[2]

یہ ان بدبختوں کی شقاوت کی انتہا ہے کہ اس دن بھی جو یوم المرحمہ تھا یہ اس عام معافی سے حصہ نہ پا سکے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ سعادت اور شقاوت کے فیصلے آسمانی ہیں۔ ورنہ اس دن جو نیک بخت معافی پا گئے اور جو اس دن بھی اسلام کی دولت نہ پا سکے، ان میں اور ان میں کوئی زیادہ فاصلے دکھائی نہیں دیتے۔

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۴ صفحہ ۲۹۸ ۔ [2] فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۹ صفحہ ۱۰

خوارج فہمِ قرآن میں

خوارج فہم قرآن میں کس راہ پر چلے ہیں

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد:۔

خوارج اپنے چند غلط عقائد کے باعث اہل حق سے نکلے اور ان کا ایک عقیدہ یہ رہا۔

انھم یرون ان اصحاب الکبائر یخلدون فی النار ولا یخرج منہا من دخلہا۔[1]

ترجمہ۔ ان کا عقیدہ ہے کہ گناہِ کبیرہ کے مرتکب آگ میں ہمیشہ رہیں گے اور جو بھی اس میں داخل ہوئے وہ نکل نہ پائیں گے۔

یہ سمجھتے تھے کہ جو آگ میں گیا پھر وہ اللہ کے ہاں کبھی عزت نہ پا سکے گا ــــ اور یہ کہ جہنمی جب آگ سے نکلنا چاہیں گے وہ دوبارہ آگ کی طرف دھکیل دیئے جائیں گے ــــ اور وہ کبھی آگ سے نہ نکل سکیں گے۔

اپنے اس عقیدہ کے لیے وہ قرآن کی یہ آیات پیش کرتے تھے۔

① ربنا انک من تدخل النار فقد اخزیتہ وما للظالمین من انصار۔ (پ۴ آل عمران ۱۹۲)

ترجمہ۔ اے ہمارے پروردگار جس کو تو دوزخ میں ڈالے سو تو نے اسے رسوا کر دیا اور نہیں کوئی ان ظالموں کا مددگار۔

② کلما ارادوا ان یخرجوا منہا من غم اعیدوا فیہا ذوقوا عذاب الحریق۔

(پ۱۷ الحج ۲۲)

ترجمہ۔ جب چاہیں کہ نکل پائیں آگ سے دوزخ کی گھٹن کے باعث، پھر لوٹا دیئے جائیں گے اس میں (اور کہا جائے گا) چکھتے رہو جلنے کا عذاب۔

③ کذلک یریھم اللہ اعمالھم حسراتٍ علیھم وما ھم بخارجین من النار۔

(پ۲ البقرہ ۱۶۷)

ترجمہ۔ اسی طرح دکھلائے گا اللہ ان کو ان کے کام انہیں حسرت دلانے کو اور وہ ہرگز آگ سے نکل نہ پائیں گے۔

۱۔ پہلی آیت میں رسوائی سے یہ سمجھنا کہ اس رسوائی والا اللہ کے ہاں آئندہ بھی کبھی عزت نہ پا سکے گا۔ یہ ان خوارج کی اپنی غلطی ہے قرآن پاک کی یہ مراد نہیں قرآن پاک یہ کہتا ہے جو شخص جتنی دیر دوزخ

میں رہے گا اس قدر رسوائی پائے گا. دائمی رسوائی صرف کفار کے لیے ہے. یہاں دائمی رسوائی مراد نہیں نہ اس کے لیے یہاں کوئی لفظ ہے۔

۲. دوسری آیت میں پہلے سے کفار کا بیان آرہا ہے اس کے ان الفاظ پر غور کریں. فالذین کفروا قطعت لھم ثیاب من نار ... کلما ارادوا ان یخرجوا منھا. سو اس سے وہ مسلمان مراد نہیں جو کسی کبیرہ گناہ کے باعث جہنم میں گئے. اس سے کفار مراد ہیں جو کبھی آگ سے نہ نکل سکیں گے۔

۳. تیسری آیت میں پہلے سے مشرکین کا ذکر آرہا ہے. ومن النّاس من یتخذ من دون اللہ انداداً. ان کے لیے فرمایا وما ھم بخارجین من النار. انھوں نے جو اچھی باتیں کی ہوں گی وہ سب بسبب شرک مردود ٹھہریں اور جس قدر گناہ کئے وہ ان کے لیے حسرتیں بن گئے۔

ان تینوں آیات میں غور کریں یہ بات کہیں سے نہیں نکلتی کہ یہاں گنہگار مسلمانوں کا ذکر کیا جا رہا ہے. سو یہ کہنا کسی طرح درست نہ رہا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب جہنم میں جانے کے بعد وہاں سے کبھی نہ نکل سکے گا. خوارج کے مقابل اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ جس کے دل میں کچھ بھی ایمان ہوگا وہ بوجہ ایمان کسی نہ کسی وقت آگ سے ضرور نکلے گا. ایمان کبھی آگ میں ہمیشہ کے لیے نہ رہ سکے گا. ایمان اور آگ میں نسبت تضاد ہے۔

یزید بن صہیب الکوفی پہلے خوارج کے اسی اعتقاد پر چلے. وہ ایک دفعہ حج سے واپس ہوئے اور مدینہ سے گزرے. کیا دیکھتے ہیں کہ صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ ایک ستون سے ٹیک لگائے لوگوں کو حضورؐ کی احادیث سنا رہے ہیں. آپ نے اس اثنا میں جہنمیوں کا ذکر فرمایا (جو سزا پاکر جہنم سے نکلیں گے) اور ان کے بارے میں حدیث پڑھی. اس پر یزید بن صہیب نے آپ سے کہا:۔

ماھذا الذی تحدثون واللہ یقول انک من تدخل النار فقد اخزیتہ وکلما ارادوا ان یخرجوا منھا اعیدوا فیھا.[1]

ترجمہ. یہ آپ لوگ کیا حدیثیں سنا رہے ہیں (کہ نیک لوگوں کی شفاعت سے گنہگار مسلمان آگ سے نکلیں گے) اور قرآن کہتا ہے جو آگ میں گیا پھر وہ رسوا ہی ہے اور جب وہ آگ سے نکلنا چاہیں گے پھر اسی میں دھکیلے جائیں گے۔

یہ سوال بتلا رہا ہے کہ ان دنوں حدیث کے خلاف ایک تحریک پیدا ہو چکی تھی اور لوگ انکار حدیث کی راہ سے قرآن بیان کرنے کی عادت سیکھ رہے تھے ان کے ہاں حدیث کو قرآن کے خلاف سمجھا

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ ص۱۰۱

جارہا تھا اور یہ تصور پایا جارہا تھا کہ حدیث قرآن سے ٹکرا رہی ہے۔ یہاں لفظ تحدثون پر بھی غور فرمائیں یہ جمع کا صیغہ ہے اس سے سائل کی مراد عام اصحاب رسول ہیں کہ یہ لوگوں کو قرآن سے دور کر رہے ہیں حالانکہ صورتِ واقعہ یہ نہ تھی نہ آیات کا منشا یہ ہے کہ گنہگار مسلمان آگ سے نہ نکل سکے گا اور نہ وہ احادیث غلط ہیں جن میں گنہگار مسلمانوں کے لیے حضورؐ کی طرف سے شفاعت کی خبر دی گئی ہے۔ آپ نے یزید بن صہیب کا سوال سُن لیا۔ اب صحابی رسول حضرت جابرؓ کا جواب ملاحظہ فرمائیں :۔

فقال أتقرأ القرآن ؟ قلت نعم قال فهل سمعت بمقام محمد صلى الله عليه وسلم يعني الذي يبعث الله فيه قلت نعم.

ترجمہ۔ آپ نے پوچھا کیا تم قرآن پڑھتے ہو ؟ میں نے کہا ہاں ۔ آپ نے کہا کیا تو نے اس میں مقام محمد کی خبر جس پر اللہ تعالیٰ آپ کو حساب کے دن لائیں گے پڑھی ہے؟ میں (یزید بن صہیب) نے کہا ہاں ۔ قرآن میں بے شک ہے۔ ربك مقاماً محموداً (پ۱۵ بنی اسرائیل ۷۹)

اس پر آپ نے فرمایا :۔

قال فانه مقام محمد صلى الله عليه وسلم المحمود الذي يخرج الله به من يخرج قال ثم نعت وضع الصراط ومر الناس عليه قال واخاف ان لا اكون احفظ ذاك قال غير انه قد زعم ان قوماً يخرجون من النار بعد ان يكون فيها قال يعني فيخرجون كانهم عيدان السماسم قال فيدخلون نهراً من انهار الجنة فيغتسلون فيه فيخرجون كانهم القراطيس فرجعنا فقلنا ويحكم اترون الشيخ يكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم فرجعنا فلا والله ما خرج منها غير رجل واحد.[1]

ترجمہ۔ آپ نے فرمایا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام محمود ہے جس پر اللہ تعالیٰ انہیں نکالیں گے جو (بوجہ ایمان) نکل پائیں۔ پھر آپ نے (حضرت جابرؓ نے) پل صراط کی وضع بتائی اور اس پر لوگوں کے گزرنے کا ذکر کیا۔ آپ (یزید راوی) نے کہا مجھے گمان ہے کہ میں اسے پوری طرح یاد نہ رکھ سکا۔ ہاں آپ نے یہ فرمایا تھا کہ کچھ لوگ آگ میں کچھ مدت رہنے کے بعد اس سے نکلیں گے جیسے سیاہ رنگ کی لکڑیاں

[1] صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۱۰۱

ہوں. پھر وہ نہر جنت میں غوطہ لیں گے اس میں وہ نہائیں گے اور اس طرح سفید نکلیں گے جیسے کاغذ اولاً سفید ہوتا ہے ہم وہاں سے پھر چلے آئے ہم (جو پہلے خوارج کے ہم عقیدہ تھے) نے ایک دوسرے سے کہا کیا تمہاری بربادی ہے کیا تم سمجھ رہے ہو کہ یہ شیخ (حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھ رہا ہے؟ ہم (حج سے) واپس لوٹے اب ہم میں سے کوئی خوارج کے عقیدہ پر نہ رہا سوائے ایک شخص کے.

۱. اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت یہ بحث مسلمانوں میں پختہ طور پر قائم تھی کہ کوئی صحابیؓ جان بوجھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے کوئی غلط بات نہیں کہہ سکتا. نقل روایت میں سب صحابہ عادل و صادق مانے جاتے تھے.

۲. یہ بھی معلوم ہوا کہ خوارج میں ایک بھی صحابی شامل نہ تھا. ورنہ یزید بن صہیب جو پہلے خوارج میں سے تھا. حضرت جابرؓ کو تحدثون کہہ کر تمام صحابہ کو حدیث روایت کرنے کا الزام نہ دیتا.

۳. یہ بھی معلوم ہوا کہ اس وقت قرآن سمجھنے میں حدیث سے تمسک صحابہ کا اجماعی مسلک تھا اور وہ اس پیرایہ استدلال میں معروف تھے. انہوں نے نہ قرآن سے مستقلاً دلیل پکڑنے کو رواج دیا تھا جیسا کہ خوارج کا طریق تھا اور نہ روافض کی طرح انہوں نے حدیث ثقلین میں دوسرا ثقل (کتاب اللہ وسنتی) عترتی بنا رکھا تھا. دینی طور پر یہ گروہ ایک گمراہ فرقہ تھا جسے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ شرار خلق اللہ کہتے تھے.

۴. حضرت جابرؓ کی اس روایت میں جہنم سے کبھی نہ نکلنے کی آیات کو یزید بن صہیب نے گنہگار مسلمانوں پر منطبق کر رکھا تھا یہ کتاب اللہ سے ایک الحادی کاروائی تھی جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں خبر دی تھی کہ کچھ لوگ ہماری ٹیڑھی راہ چلیں گے لیکن وہ ہم سے چھپے نہ رہیں گے.

ان الذین یلحدون فی اٰیاتنا لا یخفون علینا. (پ۲۴ حم سجدہ ۴۰)

ترجمہ: جو لوگ ہماری آیتوں میں ٹیڑھے چلتے ہیں ہم پر چھپے نہیں رہتے.

امام بخاری خوارج کے اس دینی الحاد کو (قرآن کریم میں تحریف معنوی کرنے کو) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:-

وکان ابن عمر یراھم شرار خلق اللہ وقال انھم انطلقوا الی اٰیات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المومنین۔[1]

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۲۴

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ انہیں بدترین خلائق کہتے تھے آپ نے کہا وہ (یہ خوارج) ان آیات کو جو کفار کے بارے میں اتریں انہیں مومنین پر منطبق کرتے ہیں۔

خوارج حضرت علیؓ کے دور میں ایک جماعتی صورت میں منضبط ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو انہیں سمجھانے کے لیے بھیجا۔ ان میں سے دو تہائی توبہ کر کے حضرت علیؓ سے پھر آملے۔ حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو جب ان سے مناظرہ کرنے کے لیے بھیجا تو یہ نصیحت فرمائی:۔

لا تخاصمهم بالقرآن فان القرآن حمال ذو وجوه تقول ويقولون ولكن حاججهم بالسنة فانهم لن يجدوا عنها محيصاً۔[1]

ترجمہ۔ تم ان سے قرآن سے مناظرہ نہ کرنا کیوں کہ قرآن ایک بات میں کئی کئی پہلو رکھتا ہے تم ایک پہلو اختیار کرو گے وہ کوئی دوسری بات سامنے لے آئیں گے ان کے سامنے سنت سے استدلال کرو اس سے وہ مخلصی نہ پا سکیں گے

اس سے پتہ چلتا ہے کہ خوارج اپنے الحاد میں ان لوگوں کے بہت قریب تھے جنہیں آج کل اہل قرآن یا منکر حدیث یا پرویزی کہتے ہیں۔ ان کی جلی نشانی یہ ہے کہ سنت سے ان کو سخت بغض ہوتا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے قرآنی مطالب کے تحفظ میں سب سے پہلے سنت کی چھتری پھیلائی۔ اور فرمایا کہ اسلام ہے ہی وہی جو سنت کے سایہ میں بڑھے۔ آپ نے دوسرے منبر پر صحابہؓ کی پیروی کو لازم کیا صحابہؓ میں سے ایک بھی وقت کے گمراہ فرقوں میں کسی کے ساتھ نہ گیا۔ نہ معتزلہ کی طرف —— نہ خوارج کی طرف —— نہ روافض کی طرف —— نہ مرجئہ کی طرف —— نہ قدریہ کی طرف۔ صحابہ کرامؓ ان سب سے محفوظ رہے اور ان کی ایک اپنی شاہراہ تھی اور حضورؐ نے ان کا نام لے کر ان کے حق پر ہونے کی اس طرح شہادت دی۔ ما انا علیہ واصحابی اور انہیں فرقہ ناجیہ (نجات پانے والا فرقہ) بتلایا۔

خوارج اپنے وقت میں بڑے شوق سے حاملین قرآن کہلاتے تھے یہ اس وقت کے پرویزی تھے اس کی تائید حافظ ابو یعلیٰ الموصلی (۳۰۷ھ) کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جب ابن الکواء نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا اپنے ساتھیوں سے تعارف کرایا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت علیؓ نے انہیں ان خارجیوں سے مناظرہ کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ ابن الکواء نے اپنے ساتھیوں سے کہا:۔

---

[1] نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۱۵۰

ایاحملہ القرآن ھذا عبد اللہ بن عباس فمن لم یکن یعرفہ فانما اعرفہ من کتاب اللہ مانعرفہ ھذا ممن نزل فیہ و فی قومہ بل ھم قوم خصمون (الزخرف ۵۸) فردوہ الی صاحبہ ولا تواضعوا کتاب اللہ ۔ [1]

ترجمہ. اے قرآن اٹھانے والو! یہ عبداللہ بن عباسؓ ہیں جو انہیں نہیں جانتا میں سے ان کا تعارف کراتا ہوں جو ہمیں ان کے بارے میں اور ان کی قوم (قریش) کے بارے میں ملا ہے وہ یہ ہے کہ یہ ایک جھگڑالو قوم ہے سوانہیں (عبداللہ بن عباسؓ کو) اپنے ساتھی کی طرف لوٹا دو اور اللہ کی کتاب کو نہ چھوڑو.

پرویزی خیال کے لوگ جہاں بھی قرآن کو بیان کریں گے قرآن اور حدیث کو آپس میں ٹکراتا دکھائیں گے. سنّت سے بغض کا لاوا ان کے دلوں سے نکلتا ہے جب تک یہ نہ نکلے انہیں سکون میسر نہیں ہوتا. اہل السنۃ والجماعۃ قرآن و سنّت کو تطبیق دے کر چلتے تھے ان دونوں کو ثقلین مانتے ہیں اور اپنے آپ کو ان دو کے نیچے پسا جانتے ہیں.

ام المومنین حضرت حفصہؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں حضورؐ نے فرمایا تھا.

انی لارجو ان لا یدخل النار احد ان شاءاللہ شھد بدرًا والحدیبیۃ.

ترجمہ. میں امید کرتا ہوں کہ جو شخص بھی بدر اور حدیبیہ میں موجود رہا ان میں سے کوئی آگ میں نہ ڈالا جائے گا

اس پر میں (حضرت ام المومنینؓ) نے حضورؐ سے گذارش کی کیا قرآن میں یہ نہیں کہ ہر کسی نے جہنم میں وارد ہونا ہے.

الیس اللہ عزوجل یقول وان منکم الا واردھا کان علی ربك حتمًا مقضیًّا. (پ مریم ۷۱)

ترجمہ. کیا یہ اللہ نے یہ نہیں کہا کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں کہ جو (اس آگ پر سے) نہ گزرے گا یہ بات تیرے پروردگار کے ہاں طے ہو چکی ہے.

اس پر حضورؐ نے فرمایا :-

افلم تسمعیہ یقول ثم ننجی الذین اتقوا و نذر الظالمین فیھا جثیًّا. [2]

ترجمہ. کیا تم نے اللہ تعالیٰ کو یہ کہتے نہیں سنا، پھر ہم ان لوگوں کو جو تقویٰ سے رہے

---

[1] مسند ابی یعلیٰ جلد ۱ صفحہ ۲۵۱ [2] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۲۹۹

اس سے (آگ سے) بچائیں گے اور ظالموں کو اس میں گرنے دیں گے۔

دیکھئے کس طرح قرآن اور حدیث میں تطبیق لائی جا رہی ہے۔ خوارج خواہ مخواہ اس بات پر جمے ہیں کہ جہنم پر وارد ہونے کے بعد کوئی وہاں سے نکل نہ پائے گا۔ آج پرویزیوں کی یہ روش کوئی نئی نہیں۔ اس دور کے تمام فتنوں نے خوارج سے ہی یہ علمی میراث پائی ہے۔

پہلی تین خلافتوں میں مسلمانوں میں کوئی عقیدے کا اختلاف نہ اُٹھا سب خیرِ اُمت تھے اور سب ایک ہی شاہراہ پر تھے جسے قرآن کریم نے سبیل المومنین کہا ہے۔ دنیا کی قوموں کے لیے انہی کے نقوش قدم اللہ کی طرف آنے کے نشان راہ قرار دیئے گئے:۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔

چوتھی خلافت میں مسلمانوں سے دو گروہ نکلے

۱۔ خوارج (نکل جانے والے) ۲۔ روافض (چھوڑ جانے والے)

ان دونوں نے پہلے اسلام کو چھوڑا اور اسلام میں نئی راہیں نکالیں۔ حضرت علیؓ نے ان کے مقابلہ میں پوری ثابت قدمی دکھائی۔ خوارج سے جنگ نہروان لڑی اور روافض کے فکری رہنماؤں اور اس کے ساتھیوں عبداللہ بن سبا کو سزائے موت دی۔ صحیح بخاری میں ہے:۔

عن عکرمۃ قال اتی علی بزنادقۃ فاحرقھم فبلغ ذلک ابن عباس فقال لوکنت انا لم احرقھم[1]

ترجمہ۔ حضرت علیؓ کے سامنے کچھ زندیق لائے گئے آپ نے انہیں آگ میں ڈلوادیا یہ بات حضرت ابن عباسؓ کو پہنچی۔ آپ نے کہا اگر میں ہوتا تو انہیں آگ میں نہ جلاتا۔

حافظ طبری نے تہذیب الآثار میں مسند علی میں ذکر کیا ہے کہ بکیر بن عبداللہؒ نے حضرت نافعؒ سے پوچھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ خوارج کو کیسا سمجھتے تھے۔ انہوں نے کہا:۔

کان یراھم شرار خلق اللہ۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

ھم شرار الخلق والخلیقۃ[2]

ترجمہ۔ وہ اپنے وقت کی بدترین مخلوق ہوں گے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۲۳ جلد ۱ صفحہ ۴۲۳ [2] فتح الباری جلد ۱۲ صفحہ ۱۱۸ مصر

وزعم ابوالمظفر الاسفرائنی فی الملل والنحل ان الذین احرقهم علی طائفة من الروافض ادعوا فیہ الالھیة وھم السبائیة وکان کبیرھم عبداللہ بن سبا یھودیا ثم اظھر الاسلام وابتدع ھذہ المقالة[1]

ترجمہ. محمد اسفرائنی نے کہا ہے کہ حضرت علیؓ نے جن کو جلایا وہ رافضیوں کا ایک گروہ ہے جو حضرت علیؓ کو خدا کہتے ہیں وہ سبائی ہیں ان کا بڑا عبداللہ بن سبا یہودی تھا جو ظاہر میں اسلام لایا اور پھر اس نے دین اسلام میں یہ نئے خیالات گھڑے۔

خوارج کی ابتدا انہی سبائیوں سے ہوئی؟

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ خوارج روافض کے مقابل کے لوگ ہیں جو حضرت علیؓ اور اہل بیت رسول کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں اور عترت رسول کی شان میں بدگو ہیں. بات اس طرح نہیں ان دونوں روافض اور خوارج کی جڑ ایک ہے. پہلے ان لوگوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف خروج کیا حکومت کے خلاف اٹھنے کو خروج کہتے ہیں یہ بغاوت میں اٹھنا ہے. یہ لوگ پھر حضرت علیؓ کی افواج میں جا گھسے اور جنگ صفین کے بعد انہوں نے حضرت علیؓ کے خلاف خروج کیا. یہ لوگ پہلے حضرت عثمانؓ کے کفر کے قائل رہے اب یہ حضرت علیؓ کو بھی کافر کہتے ہیں.

حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ) کہتے ہیں :-

اما الخوارج فھم جمع خارجه ای طائفة وھم قوم مبتدعون سموا بذلك لخروجھم عن الدین وخروجھم علی خیار المسلمین[2]

ترجمہ. خوارج جمع ہے خارجہ کی یہ ایک گروہ ہوا جنہوں نے دین میں ایک نئی راہ اختیار کی. وہ خوارج سے اس لیے موسوم ہوئے کہ وہ دین سے نکل گئے اور اچھے مسلمانوں پر انہوں نے چڑھائی کی.

اصل ذلك ان بعض اھل العراق انکروا سیرة بعض اقارب عثمان فطعنوا علی عثمان بذلك وکان یقال لھم القراء لشدة اجتھادھم فی التلاوة والعبادة الا انھم کانوا یتاولون القرآن علی غیر المراد منه ... فلما قتل عثمان قاتلوا مع علی واعتقدوا کفر عثمان ومن تابعه ... فلما طال

---

[1] فتح الباری جلد ۱۲ صفحہ ۲۷۰ [2] ایضاً صفحہ ۲۸۳

الامر خرج علی فی اھل العراق طالبًا قتال اھل الشام . . . . فترك جمع كثير ممن كان مع علی خصوصًا القراء، لقتال بسبب ذلك تدینًا. . . . وانکرت ذلك تلك الطائفة التی صاروا خوارج . . . . وكان كبيرهم عبد الله بن كواء[1]

ترجمہ: عراق کے کچھ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعض اقارب پر معترض تھے پھر وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بھی خلاف ہوگئے انہیں قرآن خواں بھی کہتے تھے کیونکہ تلاوت اور عبادت میں وہ بہت لگے رہتے۔ ہاں قرآن میں وہ ایسی راہیں چلتے جو مراد الٰہی کے خلاف تھیں جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افواج میں چلے آئے وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے پیروؤں کو کافر کہتے تھے .... جب اس پر مدت گزری اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اہل عراق کو ساتھ لے کر اہل شام سے لڑنے نکلے تو بہت سے وہ لوگ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے خاص طور پر جو قرآن تلاوت کرنے میں زیادہ مصروف تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہٹ گئے اور انہوں نے اب علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا انہوں نے آپ پر خروج کیا .... ان خوارج کا بڑا عبداللہ بن کوار تھا۔

جب یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اُٹھے تو ان کا سربراہ عبداللہ بن سبا تھا اور اب جب وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ہوئے تو ان کا سربراہ عبداللہ بن کوار تھا۔ خوارج خروج کرنے والوں کو ہی کہتے ہیں۔ کثرت عبادت و تلاوت کے باعث وہ گناہ کرنے والوں کو کافر سمجھنے لگے۔ تاہم ان کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی نہ تھا۔ جب وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اٹھے اور نہ اس وقت جب وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف منظم ہوتے۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ سب کے خلاف تھے۔ عبداللہ بن سبا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کو بُرا نہ کہتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہتا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت نہ دینے میں غلطی کی ہے لیکن وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سخت خلاف تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی ایک شیعہ راوی سلیمان بن جریر کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:۔

كان يقول ان الصحابة تركوا الاصلح بتركهم مبايعة علی انه كان اولاهم بها وكان ذلك خطاءً لا يوجب كفرًا ولا فسقًا وكفر سليمان عثمان بما ارتكب من الاحداث لكفره اهل السنة بتكفيره عثمان[2]

---

[1] فتح الباری جلد ۲۶ صفحہ ۱۱۱ [2] لسان المیزان جلد ۳ صفحہ ۸۵

ترجمہ۔ یہ کہتا تھا کہ صحابہؓ نے حضرت علیؓ کو خلافت کے لیے نہ چُنا یہ انہوں نے سب سے زیادہ قابل کو نظر انداز کیا یہ ان کی غلطی تھی لیکن یہ کفر یا فسق نہیں سلیمان بن جریر حضرت عثمانؓ کو کافر کہتا تھا سو اہل سنت نے اسے کافر ٹھہرایا بوجہ اس کے حضرت عثمانؓ کی تکفیر کرنے کے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو کافر قرار دینے والے یہی لوگ تھے انہوں نے ہی حضرت عثمانؓ کے خلاف خروج کیا اور یہی لوگ تھے جو پھر حضرت علیؓ کے خلاف اُٹھے۔ اب خوارج بطور ایک فرقہ کے سامنے آئے۔ اہل سنت سے تو وہ اس وقت کٹ چکے تھے جب وہ حضرت عثمانؓ کے خلاف اُٹھے تھے اور اب وہ شیعہ خیالات سے بھی کٹ گئے جب انہوں نے حضرت علیؓ کی تکفیر کی۔ سو یہ سمجھنا غلط ہے کہ خارجی صرف حضرت علیؓ اور عترتِ رسول کے خلاف تھے خلفاء ثلثہ کے خلاف نہ تھے۔ شیخین کے خلاف تو نہیں البتہ وہ حضرت عثمانؓ کے خلاف تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو خوارج ایک رات میں حضرت علیؓ امیر معاویہؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ تینوں کو قتل کرنے کی سازشیں نہ کرتے۔ عبدالرحمٰن بن ملجم نے اس رات حضرت علی مرتضیٰؓ کو شہید کیا۔

خارجی امیر معاویہؓ کو مارنے میں کامیاب نہ ہو سکے تاہم ان کا ارادہ حضرت علیؓ کو حضرت امیر معاویہؓ کو اور حضرت عمرو بن العاصؓ کو تینوں کو مارنے کا تھا۔ اس سے پتہ چلا کہ وہ امیر معاویہؓ کے بھی اسی طرح خلاف تھے جس طرح حضرت علیؓ کے خلاف تھے۔۔۔ سو حضرت معاویہؓ کو خارجی کہنا یا ان کے بیٹے یزید کو خارجی کہنا یہ کسی طرح درست نہیں۔ یزید کے حامیوں کو یزیدی تو کہا جا سکتا ہے لیکن خارجی نہیں۔ حافظ ابن تیمیہؒ (۷۸۶ھ) ایک اور بحث میں لکھتے ہیں :۔

وکالخارجی الذی یقدح فی عثمان وعلی رضی اللہ عنہما فھذہ طرق اھل البدع والاھواء الذی ثبت بالکتاب والسنۃ والاجماع انہم مذمومون خارجون من الشریعۃ۔[1]

ترجمہ جیسے خارجی لوگ جو حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں یہ اہل بدعت کا طریق ہے اور یہ بات کتاب و سنت اور اجماع سے ثابت ہے کہ یہ لوگ مذموم ہیں اور شریعت کے خلاف ہیں۔

---

[1] فتاویٰ جلد ۲۲ صفحہ ۲۵۲

ہندوستان میں خارجیت کی ابتداء

حضرت مولانا اسمٰعیل محدث دہلوی کے بالاکوٹ میں شہید ہونے کے بعد جو لوگ انگریزوں کی تحریک پر پرانے اسلام (مذاہب اربعہ) سے نکل کھڑے ہوئے انہیں بھی اس ابتدائی دور میں خارجی ہی سمجھا گیا تھا۔ مولانا شہیدؒ کے ایک ساتھی مولانا کرامت اللہ جونپوری لکھتے ہیں:۔

یہ لامذہبوں کا فرقہ جو نیا نکلا ہے مولانا کی شہادت کے بعد نکلا ہے مولانا کے عین حیات ان لوگوں کا نشان بھی نہ تھا۔[1]

یعنی یہ اہلحدیث (باصطلاحِ جدید) ان کی زندگی میں کہیں معروف نہ تھے اور نہ ہی ابھی غیر مقلدین کا کوئی گروہ کہیں جمع ہو پایا تھا۔ پھر یہ بھی لکھا:۔

لامذہب (اہلحدیث) لوگوں کے عالم انبیاء کے وارث نہیں کیونکہ علم احکام کا جو فقہ ہے سو اس سے ان لوگوں کو انکار ہے اور علانیہ لوگوں کو فقہ پر عمل کرنے سے منع کرتے ہیں اور ہر جاہل کو حدیث پر عمل کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اسی کو عمل بالحدیث کہتے ہیں۔[2]

ان غیر مقلدین پر خارجیوں کا حکم لگایا گیا۔ جب یہ مذاہبِ اربعہ سے نکلے تو گویا خارجی ہوئے مولانا کرامت علی جونپوری سے سوال کیا گیا جو شخص چار مذاہب میں سے کسی مذہب پر قائم نہ رہے اور چاروں اماموں میں سے کسی کی تقلید نہ کرے تو اس شخص کو کیا جانیں اور اس کے ساتھ کیا معاملہ کریں؟ ___ آپ نے جواب دیا:۔

جیسا رافضی خارجی وغیرہ باطل مذہب والوں کو جانتے ہو ویسا ہی اس کو بھی جانو اور جیسا معاملہ ان باطل مذہب والوں سے کرتے ہو ایسا ہی اُن کے ساتھ بھی کرو۔[3]

مولانا وحید الزمان بھی شکایت کرتے ہیں کہ یہ نام کے اہلحدیث خارجیوں کی روش پر چل رہے ہیں یہ ہندوستان میں خارجیت کی ابتدا تھی۔ مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں:۔

ہمارے زمانہ میں بعض نام کے اہلحدیث خارجیوں کی روش پر چل رہے ہیں۔[4]

---

[1] مقامع المبتدعین حصہ ۲ صفحہ ۲۳ [2] حجت قاطعہ صفحہ ۹۷ ذخیرہ کرامت [3] ذخیرہ کرامت عقائد حقہ صفحہ ۲۶۲
[4] لغات الحدیث جلد ا صفحہ ۵۱

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے اپنے حلقے کے ان خارجیوں کی اس طرح نشاندہی کی ہے۔

جماعتِ اہلحدیث اپنے ناقص العلم اور غیر محتاط نام نہاد علماء کی تحریروں اور تقریروں سے دھوکہ نہ کھائے کیونکہ ان میں سے بعض تو پرانے خارجی ہیں جو انگریز کا حق نمک ادا کرنے کے لیے ایک نہایت گہری زمین دوز تجویز کے تحت انگریزی پالیسی سے مسلمانوں کو اختلافی مسائل میں مشغول کر کے باہمی اتفاق میں رکاوٹ پیدا کرنا چاہتے ہیں[۱]

اور یہ بھی لکھا ہے :۔

جریدہ اہلحدیث اور الاعتصام کے زہر آلود مضامین اور بعض بے احتیاط اور زبان دراز مقررین کے ایسے بیانوں سے خطرہ ہے کہ جماعت اہلحدیث جو انجام بینی کے لحاظ سے بہت سادہ جماعت ہے پر بُرا اثر نہ پڑے ... کہ ان میں یزیدی ذہنیت اور خارجی روح حلول کر جائے۔[۲]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ مذاہب کی کشمکش میں خارجیت ایک جنس ہے جس کا موضوع اسلام کے چلتے نظام اور اس کی ایک قائم فکر سے خروج کرنا ہے پہلے یہ حضرت عثمانؓ کے خلاف اٹھے پھر یہ حضرت علیؓ کے خلاف اُٹھے اور تیسری نشأۃ میں یہ مذاہب اربعہ کے خلاف اٹھے اور ابھی بارہ سال گزرے ہیں کہ یہ سعودی حکومت کے خلاف اُٹھے تھے اور انہوں نے دو دنوں کے لیے حرم شریف پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔

اسی خروج میں مشہور اہلحدیث عالم مولانا بدیع الدین پیر جھنڈا کا بیٹا مکہ میں مارا گیا اور اس کے والد مرحوم کو بھی سعودی حدود سے فوراً نکلنا پڑا۔ یہ لوگ نماز روزہ کے بڑے پابند اور قرآن کریم کے بڑے قاری رہے۔ لیکن ان کا عقیدہ یہ رہا کہ انسان گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے اسلام سے نکل جاتا ہے اس ذہن سے یہ اہل حق اہل السنۃ والجماعت سے کٹے رہے۔

تحریک خوارج اپنے پہلے دور میں عبداللہ بن سبا کی قیادت میں چلی اور اس کا نشانہ حضرت عثمانؓ کے گورنر و عمال تھے۔ بعض سبائی لوگ عبداللہ بن سبا کا سرے سے وجود ہی نہیں مانتے۔ سو نامناسب نہ ہو گا کہ ہم یہاں اس کا کچھ تاریخی تذکرہ تاریخی حوالہ جات سے ہدیۂ قارئین کر دیں۔

---

[۱] احیاء المیت ص۳۲ [۲] ایضاً ص۵

حضرت علیؓ کی صیانتِ قرآن کی خدمت

قرآن کریم کو خارجی فتنوں سے بچانے کے لیے حضرت علیؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کو بالکل سچ کر دکھایا. آپ نے فرمایا تھا۔

ان منکم من یقاتل بعدی علی التاویل کما قاتلت علی التنزیل۔[۱]

ترجمہ. تم میں میرے بعد ایسے لوگ بھی ہوں گے جو تاویل قرآن (مراداتِ قرآن) پر اسی طرح جہاد کریں گے جیسے میں تنزیل قرآن پر جہاد کرتا رہا.

آپ نے حضرت علیؓ کو یہ بھی کہا تھا۔

انت اخی و ابو ولدی تقاتل عن سنّتی و تبری ذمتی.[۲]

ترجمہ. تو میرا بھائی ہے اور میرے بیٹوں حسنؓ اور حسینؓ کا باپ ہے تو میری سنّت کو بچانے میں جنگ میں اترے گا اور میری ذمہ داری ادا کرے گا.

سو قرآن کے تحفظ میں آپ نے اصولی خدمت سرانجام دی. قرآن سمجھنے میں آپ نے امت کے لیے سنّت کو سائبان کی طرح محیط رکھا اور نئے نئے حوادث پیش آمدہ کو حل کرنے کے لیے فقہ کی راہ کھولی اور ان فقہاء سے مشورہ لینے کی تلقین کی جو فقہ کو کتاب و سنّت سے کشید کرنے کی ہمت اور اہلیت رکھتے ہوں.

آپ نے قرآن میں امت کو سنّت کی راہ دکھائی اور راہِ سنّت کو وسیع کرنے میں آپ نے فقہ کے ابواب قائم کیے اپنے اجتہاد سے پہلے دوسروں کے اجتہاد سے سبق لینا آپ نے سکھایا. الحمدللہ کہ اہل سنّت کے چاروں راستے انہی اصولوں کی روشنی میں اس ایک منزل پر جمع ہوتے ہیں. یہ چار مذاہب ہیں چار فرقے نہیں ہیں اور ان کے اختلافات زیادہ تر وہی ہیں جو صحابہؓ کے آپس میں تھے اور وہ انہیں وسعتِ عمل سمجھتے تھے. انہیں امت کے لیے نقمت نہیں رحمت جانتے تھے. سنّت سے ہٹ کر کسی کو رحمت نصیب نہیں ہوتی. یہ ہی حضرت علیؓ کا خوارج کے استیصال کے لیے پیرایۂ استدلال تھا کہ سنّت کو ساتھ لے کر چلیں اور صحابہ کی راہ ایک ہی ہے اور ان کے آپس میں بعض فروعی اختلافات انہیں ایک امت ہونے سے نہیں نکالتے یہ امت کے لیے ایک وسعت عمل ہے.

---

[۱] تہذیب الاحکام جلد ۱ صفحہ ۲۵۰ جلد ۲ صفحہ ۴۶ مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۶۵ [۲] مسند ابی یعلیٰ جلد ۱ صفحہ ۲۷۱

سب صحابہؓ حق پر ہیں۔ اس عقیدۂ اسلام کے خلاف سب سے پہلے خوارج ہی اُٹھے تھے اور امت نے بالاتفاق انہیں خوارج کا نام دیا۔ یہ مسلمانوں میں پہلا اعتقادی فتنہ تھا۔ ان کے بعد شیعہ اس عقیدے پر اٹھے کہ سب صحابہؓ حق پر تسلیم نہیں کیے جا سکتے۔ اب بھی جو لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں وہ کسی نہ کسی طرح ان دو میں سے کسی کے آلۂ کار ضرور ہیں۔

خوارج کے اعتقادی نقوش

۱۔ یہ لوگ خبر واحد کو قبول نہیں کرتے کیونکہ اخبار احاد کے سایہ میں قرآن کریم میں غلط تاویلات کو راہ نہیں دی جا سکتی۔ خارجی قرآن فہمی میں تحریف معنوی کی سرحد پر جا پہنچے تھے اس لیے ان کا اخبار احاد سے بچنا ضروری تھا۔ حضرت علیؓ نے ان کی اصلاح اسی میں سمجھی کہ پہلے انہیں اخبار احاد پر لایا جائے براہ راست قرآن میں انہیں تاویل کے میدان میں کھلا نہ چھوڑا جائے اور انہوں نے یہی نصیحت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو کی تھی جب آپ نے انہیں ان سے مناظرہ کرنے کے لیے بھیجا تھا۔

۲۔ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو یہ لوگ کافر سمجھتے ہیں اور اس سے ان کا عقیدہ انکار شفاعت جنم لیتا ہے۔ حضورؐ اپنی امت کے اہل کبائر کی شفاعت کریں گے۔ اگر وہ کافر ہو گئے ہوں تو وہ کسی طرح شفاعت کا محل نہیں رہتے۔

۳۔ یہ لوگ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے اختلاف میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے پھر واقعہ تحکیم سے انہوں نے حضرت علیؓ کے خلاف خروج کیا۔ حضرت علیؓ ان کے بیان قرآن کو تحریف قرآن قرار دیتے تھے۔ آپ نے حضرت عباسؓ کو ان سے مناظرہ کرنے بھیجا جب یہ نہ مانے تو آپ نے نہروان کے مقام پر ان سے جنگ کی۔ حضرت علیؓ کا قاتل ابن ملجم انہی میں سے تھا۔

۴۔ قرآن کریم کی جو آیات کافروں کے عذاب پانے پر اتری تھیں یہ لوگ انہیں گنہگار مسلمانوں پر منطبق کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ انہیں بد ترین خلائق قرار دیتے تھے۔

وکان ابن عمر یراھم شرار خلق اللہ وقال انھم انطلقوا الی اٰیات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المؤمنین۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص۱۰۲۴)

۵۔ پہلے ذوالخویصرہ حضورؐ کے خلاف اٹھا۔ حضورؐ کے درگزر فرمانے سے یہ لوگ کچھ وقت کے لیے دب گئے پھر جب انہیں عبداللہ بن سبا کی قیادت ملی تو انہوں نے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ دونوں کے خلاف خروج کیا۔

ایک مفسد تاریخی شخصیت
عبداللہ بن سبا

جوں جوں انسانی تمدن ترقی کرتا گیا انسان اپنے نظریات کے حلقے وسیع کرنے کے لیے کبھی زیرِ زمین بھی گئے اور راز دارانہ مخفی تنظیمات قائم کیں۔ حالات کو کوئی نئی ترتیب دینے میں ان خفیہ تنظیمات نے اپنے اپنے عہد میں بہت کام کیا ہے اور پرانی زندگی سے نئی زندگی میں لانے والے یہ آزاد قومی معمار اپنے کاموں سے نہیں اپنے کارناموں سے پہچانے جاتے رہے سوسائٹی کے ظاہر اعمال کے پیچھے یہ مخفی تنظیمات دور تک اثر انداز رہی ہیں۔

سیدنا حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں مسلمانوں کی سیاسی عظمت کا سورج عین نصف النہار پر تھا کہ ایک یہودی منتقمانہ پروگرام لے کر اسلام کی صفوں میں داخل ہوا۔ اس نے اپنا نام عبداللہ رکھا۔ اور اس نے اپنی تحریک کا آغاز حضرت عثمانؓ کے گورنروں کے خلاف پراپیگنڈے سے کیا۔ رفتہ رفتہ یہ لوگ صحابہؓ کے خلاف بھی ہونٹ ہلانے لگے۔ تاہم ان فری میسنز کی کاروائیاں مسلمانوں میں کچھ سیاسی انتشار پیدا کرنے سے آگے نہ بڑھ سکیں۔ تحریک زیرِ زمین چلتی رہی۔ یہاں تک کہ تیسری صدی ہجری کے نصف آخر میں مسلمانوں میں ایک نئے مذہب نے جنم لیا اور چوتھی صدی ہجری میں عبداللہ بن سبا کا پہلا تاریخی تعارف ان الفاظ میں سامنے آیا۔ ابو عمرو الکشی (۳۷۰ھ) لکھتا ہے۔

ذکر بعض اھل العلم ان عبد اللہ بن سبا کان یھودیًا فاسلم و والی علیا علیہ السلام۔۔۔۔ وکان اول من اشھر بالقول بفرض امامۃ علی علیہ السلام و اظھر البرأۃ من اعدائہ وکاشف مخالفیہ واکفرھم فمن ھٰھنا قال من خالف الشیعۃ ان اصل التشیع والرفض ماخوذ من الیھودیۃ۔ [1]

ترجمہ: بعض اہل العلم نے کہا ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا وہ اسلام میں داخل ہوا اور حضرت علیؓ کی محبت کا دم بھرنے لگا۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے حضرت

[1] رجال کشی ص

علیؓ کی منصوص امامت کی بات اُڑائی اور آپ کے دشمنوں سے اظہار لاتعلقی کیا اور آپ کے مخالفین سے پردہ اُٹھایا اور ان کی تکفیر کی۔ اسی جہت سے وہ لوگ جو شیعہ کے خلاف ہوئے کہتے ہیں کہ تشیع اور رفض کی جڑ یہودیوں سے چلی ہے۔

آیئے اب ہم آپ کو پانچویں صدی میں لے چلیں۔ امام ابوالمظفر الاسفرائنی (د ۴۵۷ھ) کی شہادت لیجئے :۔

وزعم ابو المظفر الاسفرائنی فی الملل والنحل ان الذین احرقهم علی طائفة من الروافض ادعوا فیه الالٰهیة وهم السبائية وكان كبيرهم عبدالله بن سبا يهوديًا فاظهر الاسلام وابتدع هذه المقالة۔[1]

ترجمہ: علامہ اسفرائنی نے خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ لوگ جنہیں حضرت علیؓ نے آگ میں جلوا دیا تھا وہ رافضیوں کا ایک گروہ تھا جو حضرت علیؓ میں خدائی طاقت کے مدعی تھے وہ سبائی تھے اور ان کا بانی عبداللہ بن سبا یہودی تھا اس نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا اور یہ باتیں گھڑیں۔

یہ الفاظ کہ کان یھودیا فاظھر الاسلام بتلاتے ہیں کہ وہ ایک خفیہ پروگرام سے اسلام کی صفوں میں گھسا تھا۔ یہی الفاظ ہم چھٹی صدی میں حافظ ابن عساکر الدمشقی (د ۵۷۱ھ) سے سنتے ہیں۔

كان اصله من اليمن وكان يهوديًا فاظهر الاسلام وطاف بلاد المسلمين ليلفتهم عن طائفة الائمة ويدخل بينهم الشر ودخل دمشق لذالك۔[2]

ترجمہ: اس کی اصل یمن سے تھی وہ یہودی تھا بظاہر اسلام لایا اور اس نے تمام صوبوں کا دورہ کیا تاکہ انہیں ائمہ کے گروہ سے پھیلا دے اور ان میں شر داخل کر دے اس کے لیے وہ دمشق آیا۔

آیئے اب ہم آپ کو ساتویں صدی میں لے چلیں۔ مؤرخ شہیر علامہ ابن اثیر جزری (د ۶۳۰ھ) اپنی تاریخ الکامل میں لکھتے ہیں :۔

---

[1] نقلہ فی فتح الباری جلد ۱۲ صفہ [2] تاریخ ابن عساکر جلد ص قلمی

ان عبداللہ بن سبا کان یھودیا واسلم ایام عثمان ثم تنقل فی الحجاز ثم بالبصرہ ثم بالکوفۃ یرید اضلال الناس فلم یقدر منھم علی ذلک فاخرجہ اھل الشام فاتی مصرًا فاقام فیھم۔[1]

ترجمہ: عبداللہ بن سبا ایک یہودی تھا وہ حضرت عثمانؓ کے دور میں اسلام لایا اور حجاز چلا آیا پھر بصرہ گیا پھر کوفہ آیا وہ مسلمانوں کو اپنی راہ سے گمراہ کرنے کے درپے ہوا اور اس پر قادر نہ ہوسکا اہل شام نے اسے نکالا تو وہ مصر چلا آیا اور ان میں رہا۔

آئیے اب آپ کو اگلی صدی میں لے چلیں شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

فالرافضۃ تفتعل النقل من اھل البیت لمالا وجود لہ واصل من وضع ذلک لھم زنادقۃ مثل رئیسھم الاول عبد اللہ بن سبا الذی ابتدع لھم الرفض۔[2]

ترجمہ: سو روافض اہل بیت کے نام سے وہ چیزیں گھڑتے ہیں جن کا کوئی وجود نہیں ہوتا اور جس نے ان کے لیے یہ باتیں گھڑیں وہ زندیق تھا جیسے کہ ان کا پہلا رئیس جس نے ان کے لیے رفض کو ایک دین بنایا عبداللہ بن سبا۔

یہ بات یہ مؤرخین ہی نہیں کہہ رہے صدیوں سے یہ بات ان میں عام رہی ہے:

ذکر غیر واحد منھم ان اول من ابتدع الرفض والقول بالنص علی علی وعصمتہ کان منافقًا زندیقًا اراد فساد دین الاسلام واراد ان یصنع بالمسلمین ماصنع بولص بالنصاریٰ لکن لم یتأت لہ ما تأتی لبولص لضعف دین النصاریٰ و عقلھم فان المسیح علیہ السلام رفع۔[3]

ترجمہ: ایسے کئی لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ پہلا شخص جس نے رفض گھڑا اور حضرت علیؓ کے لیے منصوص اور معصوم امامت کی بات بنائی وہ ایک منافق تھا جس نے زندقہ کا طریقہ اختیار کیا وہ دین اسلام کو برباد کرنا چاہتا تھا اور اس نے چاہا مسلمانوں میں وہ وہی کام کرے جو پولوس نے عیسائیوں میں کیا ہے لیکن اسے وہ قوت حاصل نہ ہوئی جو پولوس کو حاصل تھی دین نصاریٰ کی کمزوری اور ان کی بے سمجھی کی وجہ سے

---

[1] کامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۷۷ احوال ۳۵ھ [2] فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۴ صفحہ ۴۳۶ [3] منہاج السنۃ جلد ۳ صفحہ ۲۶۱

کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کو تو اوپر اٹھا لیا گیا اور ان کی خلافت قائم نہ ہو سکی تھی)۔

اس صدی کے آخر میں حافظ ابن کثیر الدمشقی (۷۷۴ھ) بھی یہی کہتے ہیں:-

ان رجلاً یقال له عبد الله بن سبا کان یهودیاً فاظهر الاسلام وصار الی مصر فاوحیٰ الی طائفة من الناس کلاماً اخترعه من عند نفسه[1]

ترجمہ: ایک شخص تھا جسے عبد اللہ بن سبا کہا جاتا تھا وہ یہودی تھا اس نے اپنے آپ کو مسلمان کہا اور مصر چلا آیا اور کچھ لوگوں کو اکٹھا کر کے خفیہ طور پر ان سے کچھ باتیں کیں اور وہ باتیں سب اس کا اختراع تھیں۔

اب آیئے اگلی صدی میں چلیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) بھی کہتے ہیں:-

اخبار عبد الله بن سبا شهیرة فی التاریخ ولیست له روایة ولله الحمد وله اتباع یقال لهم السبائیة معتقد والا هیة علی بن ابی طالب وقد احرقهم علی بالنار فی خلافته[2]

ترجمہ: عبد اللہ بن سبا کی خبریں تاریخ میں عام ہو چکیں اور اس کی کوئی روایت (حدیث و تاریخ میں) نہیں ہے اس پر خدا کا شکر ہے۔ اس کے پیرو ہوئے انہیں سبائی کہا جاتا تھا۔ وہ حضرت علیؓ کی الوہیت کے قائل تھے۔ حضرت علیؓ نے اپنے دور خلافت میں انہیں آگ میں زندہ جلایا۔

حافظ ابن حجر اس پہ خدا کا شکر ادا کر رہے ہیں کہ عبد اللہ بن سبا سے کوئی روایت مروی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس نے کوئی معروف زندگی نہ گزاری بلکہ وہ زیادہ جاسوس لوگوں کے پیرائے میں رہا کبھی ظاہر اور کبھی مخفی اور اس قسم کے لوگ اسی پیرائے میں رہتے ہیں حتیٰ کہ بعض لوگ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ کوئی فرضی شخصیت ہے تاہم اس کی خبریں اس درجہ میں شہرت پا چکیں کہ اب اس کے بارے میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔ اس شخص کا یہ الحادی کردار خبر متواتر کے طور پر چلا اور اس کا ذکر تقریباً تمام بڑے مؤرخین نے کیا ہے۔

معروف شیعہ مؤرخ مرزا محمد تقی (ھ) نے ناسخ التواریخ لکھ کر اپنے زعم میں اپنی پہلی سب تواریخ پر پانی پھیر دیا۔ تاہم عبد اللہ بن سبا کے تاریخی وجود کا اس نے بھی اقرار کیا ہے۔

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۱۶۷ [2] لسان المیزان جلد ۳ صفحہ ۲۹

عبداللہ بن سبا نے مسلمانوں میں کن کن عقائد کو فروغ دیا اسے مرزا محمد تقی کی زبان سے سنیئے اور سر دھنیے۔ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔

گفت ہاں اے مردم مگر نشنیدہ اید کہ نصاریٰ گویند عیسیٰ علیہ السلام بدیں جہاں رجعت کند و باز آید چنانکہ در شریعت مانیز ایں سخن استوار است چوں عیسیٰ رجعت تواں کرد محمد کہ بے گماں فاضل تر از وست چگونہ رجعت نہ کند و خداوند نیز در قرآن کریم مے فرماید ان الذی فرض علیك القرآن لرادك الی معاد۔ [۱]

ترجمہ: اس نے کہا اے لوگو! کیا تم نے نہیں سنا کہ عیسائی کہتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں پھر لوٹیں گے اور دوبارہ آئیں گے جیسا کہ ہم مسلمانوں میں بھی یہ بات پختہ ہے جب عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ آسکتے ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو بلاشبہ حضرت عیسیٰ سے افضل ہیں وہ یہاں دوبارہ کیوں نہ آسکیں گے اور اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن کریم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا ہے "وہ خدا جس نے تمہیں قرآن دیا ہے البتہ تجھے پھر لوٹائے گا لوٹنے کی جگہ پر"

اس کا ایک خفیہ کارکن   کے دروازہ پر آیا اور برملا سوال کیا تمہارا عقیدہ حضرت علیؓ کے دوبارہ آنے میں کیا ہے؟

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس کی ڈٹ کر تردید کی۔ [۲]

اسلام میں یہ کوئی معمولی زیادتی نہ تھی۔ امام عجلی کوفی (۲۶۱ھ) نے اس پر کفر و اسلام کا فاصلہ قائم بتلایا ہے اور کہا ہے:۔

جو حضرت علی کی رجعت پر ایمان رکھتا ہے وہ کافر ہے۔ [۳]

عبداللہ بن سبا کے ایک دوسرے الحادی عقیدے کی ترغیب بھی آپ اس سے سنیں:۔

ہمانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم را علی علیہ السلام وصی و خلیفہ بود۔ چنانچہ خود فرمود انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ، از یں میتواں دانست کہ علی علیہ السلام خلیفہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم است۔ [۴]

ترجمہ: یقیناً علی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی اور خلیفہ تھے چنانچہ آپ نے انہیں خود کہا تم میرے لیے اس طرح ہو جیسے ہارون علیہ السلام موسیٰ کے لیے تھے

---

[۱] ناسخ التواریخ جلد ۲ صفحہ ۲۲۴ [۲] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۵۴ [۳] تذکرہ صفحہ ۲۴۴ [۴] ایضاً صفحہ

اس سے یہ جانا جا سکتا ہے کہ حضورؐ کے خلیفہ بلا فصل حضرت علی ہیں ۔

معلوم نہیں اس سے یہ کیسے جانا گیا کہ آپ کے بعد آپ کے خلیفہ حضرت علیؓ ہیں حضرت ہارون تو حضرت موسےؑ کے خلیفہ نہ ہوئے تھے وہ تو حضرت موسیٰ کی زندگی میں ہی فوت ہوئے وہ صرف حضرت موسےؑ کے ان کی زندگی میں خلیفہ رہے اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ بھی حضورؐ کے جنگِ تبوک پر جانے کے موقع پر حضورؐ کے خلیفہ رہے اور حضورؐ کے گھر بار کی نگرانی سب آپ کے سپرد رہی.

مؤرخین کی یہ متواتر شہادتیں اس یہودی کے تاریخی وجود کا پتہ دے رہی ہیں. اس نے جن نظریات کو جنم دیا وہ آج تک اثنا عشری مذہب میں عملی عنوانوں سے تسلیم کیے گئے ہیں اور شیعہ کے اسکے نقش پا پر چلنے کی خبر دے رہے ہیں ۔ ہاں یہ شخص چونکہ ایک خفیہ تحریک کا رکن تھا اس لیے ہو سکتا ہے کہ کبھی چھپنا اور کبھی ظاہر ہونا اس کی عادت رہی ہو اور اسی غلط فہمی میں کسی نے یہ سمجھ لیا ہو کہ یہ کوئی فرضی شخص ہو گا یہ بات صحیح ہے کہ حضرت علیؓ نے اسے زندقہ کی سزا دی اسے آگ میں جلوا دیا اور موت کے گھاٹ اتارا اور ظاہر ہے کہ سزائے موت کسی فرضی شخصیت پر جاری نہیں کی جا سکتی وہ کوئی حسی وجود فرد تھا.

مُسلمانوں میں اختلافات کا آغاز

عبداللہ ابن سبا کی کارکردگی

سوال. عبداللہ بن سبا (یہودی) نے مسلمانوں میں گھس کر کیا انہیں صرف انتظامی اور سیاسی کاموں میں پریشان کیا یا اس نے ان میں کچھ نئے اعتقادی انجکشن بھی لگائے جو گو اس وقت نہیں دو سو سال بعد ایک نئے فرقہ کی صورت میں اُبھرے اور اس دوران یہ الحادی جراثیم اندر ہی اندر پنپتے رہے؟ عبداللہ ابن سبا اساسی طور پر کن خیالات کا داعی بنا رہا؟

الجواب. تاریخی تذکروں میں عبداللہ بن سبا ان نظریات کا بانی تسلیم کیا گیا ہے اور یہ اسی کے خیالات تھے جنہوں نے دو سو سال بعد باقاعدہ شیعہ مذہب کی صورت اختیار کی۔ اس سے پہلے یہ لوگ اپنے صرف سیاسی پراپیگنڈے سے پہچانے جاتے تھے۔ پہلی دو صدیوں میں اس فرقے کا کوئی مذہبی وجود نہ تھا۔ وہ سبائی نظریات جو بالآخر ایک فرقہ بن کر رہے زیادہ تر یہ تھے۔

① یہودیوں کو اس بات کا قلق تھا کہ عیسیٰ بن مریم ان کے ہاتھ سے کیوں نکل گئے۔ انہیں کیوں اٹھا لیا گیا۔ عیسائیوں اور مسلمانوں میں یہ عقیدہ راہ پا گیا کہ وہ دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے اسے مسلمانوں کے ہاں حضرت عیسیٰ کے رفع و نزول سے ذکر کیا جاتا ہے اور اس پر ان کے ہاں کتابیں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔

اس یہودی نے مسلمانوں کو یہ بات سمجھائی کہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بھی فوت نہیں ہوئے کہیں اُٹھا لیے گئے ہیں اور وہ بھی دوبارہ اس دنیا میں آئیں گے اسے عقیدہ رجعت کہتے ہیں۔ بعد میں آنے والے لوگوں نے حضرت علیؓ کے بارے میں بھی یہی عقیدہ قائم کیا۔ سو اس نئے مذہب کا پہلا نقش عقیدہ رجعت تھا۔

یزید کا بیٹا جابر بھی اسی عقیدے پر تھا مگر جلدی اپنی بات کو ظاہر نہ کرتا تھا۔ امام سفیان (۱۹۸ھ) کہتے ہیں:۔

کان الناس یحملون عن جابر قبل ان یظهر ما اظهر فلما اظهر ما اظهر اتهمه الناس فی حدیثه وترکه بعض الناس فقیل له وما اظهر قال الایمان الرجعة۔[1]

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۵

ترجمہ. لوگ جابر جعفی سے پیشتر اس کے کہ وہ اپنے عقائد ظاہر کرے روایت لے لیتے
تھے یہاں تک کہ اس نے ظاہر کر ڈالا جو بھی اس نے ظاہر کیا لوگ اس کی
حدیث میں بھی اسے متہم جاننے لگے بعض لوگوں نے اس سے روایت لینا چھوڑ دیا
پوچھا گیا اس نے اپنے عقیدے کی کیا بات ظاہر کی ؟ آپ نے فرمایا رجعت
پر ایمان لانا.

اس سے پتہ چلتا ہے کہ شیعہ مذہب ان دنوں ابھی کروٹیں ہی لے رہا تھا یہ لوگ اپنے پورے علیحدہ مذہب کے پیرایہ میں ابھی کھلے نہ تھے. امام سفیان بن عیینہ کی یہ دوسری صدی کے آخر کی شہادت ہے. سلام بن ابی مطیع کہتے ہیں جابر جعفی کہتا تھا میرے پاس آنحضرتؐ کی پچاس ہزار حدیثیں موجود ہیں. امام ابوحنیفہؒ نے کھل کر جابر بن یزید کے خلاف اعلان کیا اور فرمایا:۔

مارأيت باكذب من جابر الجعفي. [1]

ترجمہ. میں نے جابر جعفی سے زیادہ کسی کو جھوٹ بولنے والا نہیں پایا.

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ ان ماہرین حدیث میں سے تھے جن کی بات جرح وتعدیل میں سنمانی جاتی تھی.

ان لوگوں نے پھر امام ابوحنیفہؒ پر یہ الزام گھڑا کہ یہ حدیثوں کو نہیں مانتے مشہور اہلحدیث عالم (باصطلاح جدید) میاں نذیر حسین دہلوی نے ان کے جواب میں کہا:۔

امام ابوحنیفہ نے عمداً کسی حدیث کی مخالفت نہیں کی اور اگر کسی جگہ خلاف نظر آتا ہے یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے اس کے مقابل کسی دوسری حدیث پر عمل کیا جو ان کے نزدیک زیادہ صحیح اور راجح ہے. [2]

یہاں ہم جابر بن یزید کے بارے میں بتا رہے ہیں کہ وہ پچاس ہزار حدیثوں کا راوی تھا مگر رجعت کا عقیدہ رکھتا تھا اور اہل سنت میں ملا رہتا تھا عبداللہ بن سبا کے مذہب اور عقیدہ میں مسلمانوں کو زندقہ اور الحاد کی راہ پر ڈالنا دین یہود کی وہ عظیم خدمت تھی جو کوئی اور دوسرا یہودی سرانجام نہ دے سکا. سو مسلمانوں میں اختلاف کفر عناد سے نہیں کفر الحاد سے ہوا ہے اور ان میں زیادہ تر وہ لوگ پیش پیش رہے جو کھلم کھلا حضور کی رسالت کا انکار نہ کرتے تھے.

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۵۶۱ھ) فرقہ سبائیہ جو عبداللہ بن سبا کی طرف منسوب

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۔ صہ [2] معیار الحق صہ

ہے۔ اس کے عقائد لکھتے ہوئے کہتے ہیں:۔

حضرت علیؓ مرے نہیں قیامت سے پہلے واپس آئیں گے۔[1]

اگلی صدی میں علامہ ابن اثیر (۶۳۰ھ) سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے:۔

اخرجه اهل الشام فاتی مصرًا فاقام فيهم وقال لهم العجب ممن يصدق ان عيسٰى يرجع ويكذب ان محمدًا يرجع فوضع لهم الرجعة۔[2]

ترجمہ۔ اسے (عبداللہ بن سبا) کو اہل شام نے نکالا تو یہ مصر آ گیا اور یہاں کافی عرصہ ٹھہرا رہا وہ انہیں کہتا تھا ان لوگوں پر تعجب جو اس بات کی تو تصدیق کرتے ہیں کہ حضرت عیسٰی دوبارہ آئیں گے اور اس بات کو نہیں مانتے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ آئیں گے۔ اس شخص نے ان لوگوں کے لیے عقیدہ رجعت گھڑا۔

(۲) ثم قال لهم بعد ذٰلك انه كان لكل نبي وصي وعلي وصي محمد فمن اظلم ممن لم يجز وصية رسول الله .... وان عثمان اخذها بغير حق۔[2]

ترجمہ۔ پھر اس نے اس کے بعد انہیں کہا کہ ہر نبی کا کوئی وصی ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصی حضرت علیؓ تھے اس سے زیادہ ظالم اور کون ہو سکتا ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت نافذ نہ ہونے دی .... اور عثمانؓ نے تو خلافت بلا کسی استحقاق کے لی تھی۔

حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

يقول الرجل أليس قد ثبت ان عيسٰى بن مريم سيعود الى هذه الدنيا فيقول الرجل نعم فيقول له فرسول الله صلى الله عليه وسلم افضل منه فما تنكر ان يعود الى هٰذه الدنيا وهو اشرف من عيسٰى بن مريم۔[3]

ترجمہ۔ وہ ملنے والے سے کہتا کہ کیا یہ چیز ثابت نہیں ہو چکی کہ عیسٰی علیہ السلام اس دنیا میں پھر جلد لوٹیں گے۔ وہ کہتا ہاں ایسا ہی ہے۔ وہ اسے پھر کہتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ سے (حضرت عیسٰی سے) افضل ہیں تو ان کے یہاں دوبارہ آنے کا کیوں منکر ہے؟ ان کا رتبہ حضرت عیسٰی سے بہت آگے ہے۔

عبداللہ بن سبا نے حضرت عثمانؓ سے تبرا شروع کیا۔ اس نے شیخینؓ کا دور نہ پایا تھا۔

---

[1] غنیۃ الطالبین ص۱۲۷ [2] کامل ابن اثیر جلد ۳ ص۷۷ [3] ایضاً

اور اس وقت حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے خلاف کوئی شخص بات نہ کر سکتا تھا اور حضرت عثمانؓ کے خلاف بھی اس لیے براہِ راست بات نہ چلائی۔ پہلے آپ کے امراء کے خلاف وہ پراپیگنڈہ کرتا رہا اور پھر وہ آپ کی ذات اقدس تک جا پہنچا۔

(۳) اس نے یہ عقیدہ بھی قائم کیا کہ حضرت علیؓ کی خلافت نص پر مبنی ہے شوریٰ پر نہیں اور یہ کہ آپ معصوم تھے اور جو جانشینِ رسول ہو وہ معصوم ہوتا ہے۔ شیعہ میں عصمتِ ائمہ کا عقیدہ عبداللہ بن سبا سے ہی آیا ہے۔ علامہ شہرستانی (۵۴۷ھ) لکھتے ہیں :۔

هو اول من اظهر القول بالفرض بامامة علی۔[1]

ترجمہ۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے حضرت علیؓ کی امامت خدا کی طرف سے مقرر ہونے کی بات کہی۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں :۔

ان اول من ابتدع الرفض والقول بالنص علی علی وعصمته کان منافقاً زندیقاً۔[2]

ترجمہ۔ بے شک پہلا شخص جس نے رافضیوں کا مذہب گھڑا اور یہ بات کہی کہ حضرت علیؓ کی خلافت نص پر مبنی تھی اور یہ کہ آپ معصوم تھے ایک منافق تھا جو زندیق تھا۔

جب وہ یہود میں تھا تو حضرت یوشع بن نون کے بارے میں وہ منصوص خلافت کا عقیدہ رکھتا تھا مسلمانوں میں آکر اس نے وہی عقیدہ حضرت علیؓ کے بارے میں قائم کیا۔

(۴) عبداللہ بن سبا نے اس عقیدے کی بھی بنا رکھی کہ حضرت علیؓ میں خدا حلول کیے ہوئے ہے پھر وہ یہاں تک بڑھا کہ اس نے ان کی الوہیت (خدا ہونے) کا عقیدہ وضع کر لیا اور آپ کو الٰہ کہا اور آپ کی ربوبیت کا اعلان کیا۔ ابو عمرو الکشی (۳۷۰ھ) لکھتا ہے حضرت امام جعفر صادق (۱۴۸ھ) نے فرمایا :۔

لعن الله عبد الله بن سبا انه ادعی الربوبیة فی امیر المومنین علی علیه السلام۔[3]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ عبداللہ بن سبا پر لعنت کرے وہ امیر المومنین حضرت علیؓ کے بارے میں رب ہونے کا عقیدہ پھیلاتا تھا۔

---

[1] الملل والنحل صـ [2] منہاج السنۃ جلد ۳ صـ۲۶۱ [3] رجال کشی جلد ۱ صـ۳۲۴ روایت ۱۷۲)

حافظ ابن حجر(۸۵۲ھ) بھی لکھتے ہیں عبداللہ بن سبا کے پیرو اس عقیدہ پر آ گئے تھے :۔

ولہ اتباع یقال لھم السبائیۃ معتقدون الالوھیۃ فی علی بن ابی طالب و قد احرقھم علی بالنار فی خلافتہ .[1]

ترجمہ: اس کے پیروؤں کو سبائی کہا جاتا ہے وہ حضرت علی میں الوہیت کا عقیدہ رکھتے تھے آپ نے انہیں اپنے عہد خلافت میں آگ میں ڈال کر جلا دیا تھا۔

صحیح بخاری میں بھی ہے :۔

عن عکرمۃ قال اتی علی بزنادقۃ فاحرقھم فبلغ ذلک ابن عباس فقال لو کنت انا لم احرقھم لنھی رسول اللہ ؐ لا تعذبوا بعذاب اللہ .[2]

ترجمہ: عکرمہ سے روایت ہے کہ حضرت علی ؓ کے پاس یہ زندیق لائے آپ نے انہیں زندہ جلا دیا۔ یہ بات حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کو پہنچی۔ آپ نے کہا اگر میں ہوتا تو میں انہیں نہ جلواتا۔ حضور ؐ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

یہ چاروں عقیدے آپ کو آج بھی محمد بن یعقوب الکلینی کی کتاب الکافی میں اور علامہ خمینی کی تصدیق کردہ علامہ مجلسی کی کتب میں نہایت کھلے الفاظ میں ملیں گے۔ سو اس بات کو تاریخی پیمانے سے کسی طرح جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ شیعہ مذہب کی تاسیس واقعی اسی یہودی (عبداللہ بن سبا) نے کی اور اس کے تجویز کردہ یہ چاروں عقیدے اثنا عشریوں میں پوری تصدیق سے قبولیت پائے ہوئے ہیں۔ چوتھے عقیدے کی صدا حضرت علی ؓ کی طرف نسبت کردہ اس خطبہ میں سنیئے :۔

انا عندی مفاتیح الغیب لا یعلمھا بعد رسول اللہ الا انا. وانا ذوالقرنین المذکور فی الصحف الاولیٰ۔ وانا صاحب خاتم سلیمان۔ وانا ولی الحساب۔ انا صاحب الصراط والموقف وانا قاسم الجنۃ والنار۔ وانا ادم الاول وانا نوح الاول انا ایۃ الجبار انا حقیقۃ الاسرار انا مورق الاشجار انا مرتع الاثمار انا متوج العیون انا مجری الانھار انا خازن العلم انا طور الحلم انا امیر المؤمنین انا عین الیقین انا حجۃ اللہ فی السموات والارض۔

حضرت علی ؓ کا یہ خطبہ شیعہ کے معروف خطیب سید ظہیر الحسن نے اردو ترجمہ جلاء العیون کے

---

[1] لسان المیزان جلد ۳ صفحہ ۲۹۰ [2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۲۳

مقدمہ میں یہ دیا ہے :۔

ترجمہ۔ میں وہ ہوں جس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میرے سوا کوئی نہیں جانتا۔ میں وہ ذوالقرنین ہوں جس کا ذکر صحف اولیٰ میں ہے۔ میں خاتم سلیمان کا مالک ہوں۔ میں یوم الحساب کا مالک ہوں۔ میں ہی پلصراط اور میدان حشر کا مالک ہوں۔ جنت و دوزخ کا تقسیم کرنے والا ہوں۔ میں پہلا آدم ہوں پہلا نوح ہوں۔ میں جبار کی آیت ہوں۔ میں اسرار کی حقیقت ہوں۔ میں درختوں کو پتے پہنانے والا ہوں۔ میں پھلوں کا پکانے والا ہوں۔ میں چشموں کا جاری کرنے والا ہوں۔ میں نہروں کو (روانی کے ساتھ) بہانے والا ہوں۔ میں علم کا خزانہ ہوں۔ میں حلم (بردباری) کا پہاڑ ہوں۔ میں امیرالمؤمنین ہوں۔ میں سرچشمہ یقین ہوں۔ میں آسمانوں اور زمین میں حجت خدا ہوں۔ [۱]

کیا یہ آپ کا اپنے خدا ہونے کا دعویٰ نہیں ؟ کیا حضرت علیؓ کے بارے میں یہ وہی عقیدہ نہیں جس کی داغ بیل عبداللہ بن سبا نے ڈالی تھی اور حضرت علیؓ کے رب ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ شیعہ کی معتبر کتابوں میں اب بھی یہی شیعہ عقائد ملتے ہیں جو اس نے پھیلائے تھے تو یہ تسلیم کرنے سے چارہ نہیں رہتا کہ واقعی اس نئے مذہب کی اساس عبداللہ بن سبا یہودی کے ہاتھوں ہوئی اور شیعہ کے یہ نظریات گو دبے دبے تھے لیکن وہ بنیادی طور پر جگہ پا چکے ہیں۔

محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۸ھ) نے چوتھی صدی میں ان نظریات کو باقاعدہ مرتب کیا۔ اور ایک نئے مذہب کی تشکیل دی۔ اثنا عشریوں کے ہاں یہ ان کا پہلا محدث ہے جس سے ان کے اصول شروع ہوئے۔ ان کے اصول اربعہ میں پہلا اصول الکافی ہے اور دوسرا من لایحضرہ الفقیہ رہا۔ ان کے محدث ابن بابویہ القمی (۳۸۰ھ) نے ترتیب دیا۔ ان کا تیسرا اصول تہذیب الاحکام اور چوتھا الاستبصار فیما اختلف من الاخبار ہے۔

محمد بن یعقوب الکلینی تیسری اور چوتھی صدی میں ہوا اور ان کے بارہویں امام (۲۵۶ھ) میں پیدا ہوئے۔ سو یہ بات نہایت لائق تسلیم ہے کہ اثنا عشری مذہب تیسری صدی کے نصف ثانی میں مرتب ہوا۔ گو عبداللہ ابن سبا اس کی بنیاد پہلے ڈال چکا تھا لیکن اسے باقاعدہ ایک مذہب کی صورت میں چوتھی صدی میں محمد بن یعقوب الکلینی نے مرتب کیا اور بارہویں نے اپنی غیبت صغریٰ ختم ہونے پر اس کی تصدیق کی اور اس کا نام کافی رکھا۔

---

[۱] جلاء العیون اردو جلد ۲ صـ ۶۰

شیعہ کا اسمٰعیلی فرقہ

آغاخانی شیعوں کا مختصر تعارف

الحمدللہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد :-

سیدنا حضرت جعفر صادق (۱۴۸ھ) کے بڑے بیٹے کا نام اسماعیل تھا انہی کے نام سے اسمٰعیلی فرقہ موسوم ہوا۔ شیعہ کے متعدد فرقوں میں دو فرقے بڑے ہیں۔ ۱۔ اثنا عشری شیعہ بارہ اماموں والے اور ۲۔ آغاخانی شیعہ حاضر امام والے۔ آغاخانی شیعوں کا دوسرا نام اسماعیلی شیعہ بھی ہے۔ بوہرہ فرقہ ان دو کے علاوہ ہے اور یہ بڑا فرقہ نہیں۔

اسماعیلی شیعہ کفر و شرک میں شیعوں کے تمام فرقوں سے آگے ہیں لیکن معاشرتی طور پر وہ مسلمانوں کے لیے کبھی بدامنی کا سبب نہیں بنے۔ نہ کبھی انہوں نے برصغیر میں اہل سنت سے کوئی کھلا تصادم کیا ہے وہ محرم میں اپنے ماتمی جلوس نہیں نکالتے نہ اہل سنت آبادیوں میں جاکر ان کے سامنے حضرت حسینؓ کا احتجاجی ماتم کرتے ہیں۔

① خلفائے ثلٰثہ کے خلاف نفرت پھیلانا اور ان سے اظہار بیزاری (تبرا) کرنا ان کے اصول مذہب سے نہیں، جب کہ اثنا عشریوں کے تمام رسائل و جرائد اور ان کے سب ذاکرین و مجتہدین دن رات خلفائے ثلٰثہ کے خلاف ہر وہ بات نکالتے ہیں جن سے ان کی عزت مجروح ہو اور اپنی نماز کے اختتام پر انہیں چار مردوں اور چار عورتوں پر لعنت کرنی پڑتی ہے۔ استغفراللہ

② اسمٰعیلی عام مسلمانوں میں رشتہ نکاح نہیں کرتے۔ ان کی اپنی معاشرت ہے اور وہ اسی دائرہ میں رہتے ہیں مسلمانوں کے سیاسی امور میں وہ کبھی فریق نہیں بنتے۔ ہاں قومی سطح پر انکی ہمدردیاں مسلمانوں کے ساتھ ہوتی ہیں، جب کبھی ان پر کوئی آفت آئی یہ ان کی مدد بھی کرتے ہیں۔

③ یہ اپنے مذہب کے فیصلے پہلوں سے یا کتابوں سے نہیں لیتے یہ اپنے فیصلے اپنے حاضر امام سے لیتے ہیں۔ مذہبی امور میں ان میں سب سے زیادہ لچک پائی جاتی ہے۔ حالات کے مطابق ان کے حاضر امام جب کروٹ بدلیں ان کے لیے وہ ایک مذہبی راہ ہے جو ان کی سہولت کے لیے اختیار کی گئی ہے۔

(۴) اثنا عشریوں کے ساتھ یہ چھٹے امام تک چلتے ہیں لیکن وہ ان (اثنا عشریوں) کی کتابوں کو درست نہیں مانتے۔ اثنا عشریوں کے ساتویں امام موسیٰ کاظم (۱۸۳ھ) ہیں اور ان اسماعیلیوں کے ساتویں امام موسیٰ کاظم کے بڑے بھائی اسماعیل ہیں۔

(۵) اثنا عشریوں کا سلسلہ امامت حضرت علیؓ سے شروع ہوتا ہے لیکن اسماعیلیوں کا سلسلہ امامت حضرت حسنؓ سے چلتا ہے۔ وہ حضرت علیؓ کو پہلا امام نہیں مانتے کہ وہ حضور کی اولاد میں سے نہیں۔ ان کے عقیدہ میں امامت صرف اولادِ فاطمہؓ کے لیے ہے۔ حضرت علیؓ کو وہ وصی کہتے ہیں امام نہیں۔ حضورؐ کے بعد انہیں آپ کا جانشین مانتے ہیں امام نہیں مانتے۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو حضرت علیؓ کو پہلا امام مانتے ہیں لیکن وہ حضرت حسنؓ کو امامت میں نہیں لیتے کہ انہوں نے امامت حضرت معاویہؓ کے سپرد کر دی تھی۔

حضرت جعفر صادقؓ کے بڑے بیٹے اسماعیل اپنے والد کی زندگی میں فوت ہوئے اس لیے ان کے دوسرے بیٹے موسیٰ کاظم اپنے والد کے بعد ساتویں امام ہوئے۔ اسماعیلیوں میں ایک رائے یہ بھی چلی آرہی ہے کہ وہ فوت نہ ہوئے تھے قتل سے بچنے کے لیے کہیں روپوش ہو گئے تھے اور ان کے والد نے انکی موت مشہور کرادی تھی تاکہ عباسی انہیں قتل نہ کر سکیں۔ والد کی وفات کے بعد یہ ظاہر ہوئے تھے اور چھٹے امام کے طور پر معروف ہوئے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے محمد بن اسماعیل ساتویں امام ٹھہرے۔ انہیں فرقہ اسماعیلیہ میں سابع النطقاء کہا جاتا ہے۔

خیر الدین زرکلی لکھتا ہے:۔

وفی الاسماعیلیة من یری ان اباه اظهر موته تقیة لئلا یقصده العباسیون بالقتل۔[1]

ترجمہ: عباسیوں میں ایسے لوگ بھی ہوئے جن کی رائے تھی کہ امام جعفر صادق نے بطور تقیہ ان کی موت مشہور کرادی تھی تاکہ عباسی انہیں قتل نہ کر سکیں۔

صامت اور ناطق کی دو اصطلاحیں

یہ شریعت کو صامت مانتے ہیں۔ صامت کے معنی ہیں چپ اور خاموش اور یہ امام کو ناطق کہتے ہیں۔ شریعت خاموش ہے اور امام اس کی طرف سے بولتا ہے اور زمین پر وہ الٰہی سلسلے

[1] الاعلام جلد ۱ صفحہ ۳۱۱

کا نمائندہ ہے ان کے ہاں امام کے لیے سیاسی اقتدار ضروری نہیں گو یہ مغرب افریقہ اور مصر میں کچھ وقت برسر اقتدار بھی رہے۔

اسماعیلی سلسلہ امامت

۱. امام حسن (۴۹ھ) ۲. امام حسین (۶۱ھ)
۳. امام زین العابدین (۹۵ھ) ۴. امام محمد باقر (۱۱۴ھ)
۵. امام جعفر صادق (۱۴۸ھ) ۶. امام اسمٰعیل (۱۵۸ھ)
۷. امام محمد بن اسمٰعیل (۱۹۷ھ)

اسماعیلیوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوئے جو حضرت حسن کو امام نہیں مانتے۔ وہ سلسلہ امامت حضرت علیؓ سے شروع کرتے ہیں ان کے ہاں دو بھائی ایک سلسلہ میں جمع نہیں ہو سکتے۔ ان کے ہاں دوسرے امام حضرت حسینؓ تھے۔ ساتواں امام یہ بھی محمد بن اسمٰعیل کو مانتے ہیں۔ آغاخانی تاریخ نورمبین جو تیسرے آغاخاں کے دور میں لکھی گئی اس میں امام حسن کا نام نہیں ہے۔

اسماعیلیوں کے دورِ ستر کے پانچ امام

اسماعیلیوں کا دور ستر ان کے چھٹے امام اسمٰعیل سے شروع ہوتا ہے اور اس دور میں ان کے پانچ امام ہوئے :۔

۱. امام اسمٰعیل (۱۵۸ھ) ۲. محمد بن اسمٰعیل المکتوم (۱۹۷ھ)
۳. عبداللہ بن محمد (۲۱۲ھ) ۴. احمد بن عبداللہ تقی (۲۲۵ھ)
۵. حسن بن احمد (۲۶۸ھ)

ان ائمہ کے دور ستر میں ان کے معتقدین تک ان کی طرف سے داعی پہنچتے رہے اور انہیں ان اماموں کی طرف سے ہدایات دیتے تھے۔ امام اسمٰعیل اور محمد بن اسمٰعیل کے دور میں عبداللہ بن میمون ان کے داعی اکبر رہے۔ وہ اس سلسلہ اسماعیلیہ کے بانی شمار ہوتے ہیں۔

عبداللہ بن میمون فارسی النسل تھا اور وہ عربوں میں تفریق پیدا کرنے میں کامیاب ہوا

اسماعیلیوں کے دورِ ظہور کے آٹھ امام

۱۔ عبداللہ المہدی (۲۹۷ھ)　　۲۔ القائم بامر اللہ ابوالقاسم (۳۲۴ھ)

۳۔ المنصور باللہ ابوالطاہر (۳۴۱ھ)　　۴۔ المعز لدین اللہ ابوتمیم معد (۳۶۵ھ)

۵۔ العزیز باللہ ابومنصور (۳۸۶ھ)　　۶۔ الحاکم باللہ ابوعلی الحسین (۴۱۱ھ)

۷۔ الظاہر لاعزاز دین اللہ (۴۲۷ھ)　　۸۔ المستنصر باللہ ابوتمیم معد (۴۸۷ھ)

اسماعیلیوں کے ان آٹھ اماموں کو یکے بعد دیگرے حکومت کا موقع ملا۔ ۳۶۴ھ تک یہ مغرب اور افریقہ میں حکمران رہے۔ پھر مصر میں بھی ان کی حکومت بنی جو ۵۶۷ھ تک رہی۔ انہیں خلفاء فاطمیہ بھی کہا جاتا ہے۔ مورخین اسے پہلے امام عبداللہ المہدی کی نسبت سے عبیدیین بھی کہہ دیتے رہے ہیں۔ یہ فاطمی تھے یا نہیں اس پر ہم آگے چل کر کچھ کلام کریں گے۔

اسماعیلی دو شاخوں میں۔ ۱۔ مستعلیہ اور ۲۔ نزاریہ

مستنصر باللہ ابوتمیم معد کے بعد اس کے دو بیٹوں سے اسماعیلیوں کی دو شاخیں ہوگئیں بڑا بیٹا نزار تھا مگر افواج اس کے چھوٹے بیٹے مستعلی کے حق میں تھیں۔ نزار نے اپنے چھوٹے بھائی مستعلی کو امام نہ مانا حسن بن الصباح قلعہ الموت میں ایک چھوٹی سی سلطنت قائم کرلی اور وہاں پر المصطفیٰ لدین اللہ کے لقب سے اس نے نزار کی امامت کا اعلان کردیا۔ نزار وہاں سے اسکندریہ گیا اور وہاں اپنی حکومت قائم کرلی۔ نزاری سلسلہ سے اسماعیلیوں کے نو امام ہوئے۔ نویں امام رکن الدین خورم کو تاتاریوں نے شکست دی۔ رکن الدین کے قتل کے بعد نزاری سلسلہ کے اسماعیلی ایران چلے گئے۔ وہاں ان کے اٹھارہ امام ہوئے لیکن وہاں یہ کوئی حکومت قائم نہ کرسکے۔

نزاریوں کے نو اسماعیلی امام

۱۔ نزار بن مستنصر (۴۹۰ھ)　　۲۔ ہادی بن نزار (۵۳۰ھ)

۳۔ مہدی بن ہادی (۵۵۲ھ)　　۴۔ قاہر بن مہدی (۵۵۷ھ)

۵۔ حسن بن علی (۵۶۱ھ)　　۶۔ علی محمد (۶۰۷ھ)

۷۔ جلال الدین حسن (۶۱۸ھ)　　۸۔ علاؤ الدین محمد (۶۵۳ھ)

۹۔ رکن الدین خورم شاہ

ایران میں ان کے اٹھارہ امام ہوئے۔ وہاں ان کے بارہویں امام خلیل اللہ علی ایک ہنگامے میں قتل ہو گئے۔ ایران میں ان دنوں قاچاری خاندان کی حکومت تھی حکومت نے ان سے تعاون چاہا۔ تو فتح علی قاچار نے خلیل اللہ علی کے دو سال کے بیٹے حسین علی کو آغا خاں کا خطاب دیا مگر یہ مدارات زیادہ دیر تک نہ رہ سکی۔ یہاں تک کہ ان اسماعیلیوں نے اب ہندوستان کا رخ کیا اور بمبئی کو اپنا مرکز بنایا۔ یہ لوگ یہاں آغا خاں کے نام سے معروف ہوئے۔

بمبئی کے آغا خانی حضرات

حسن علی پہلا آغا خاں شمار ہوتا ہے اس کا بیٹا علی شاہ (۱۳۰۲ھ) دوسرا آغا خاں ہوا تیسرا آغا خاں سلطان محمد شاہ (۱۳۷۶ھ) ہوا۔ چوتھا آغا خاں ان کا حاضر امام آغا کریم ہے
یہ لفظ حاضر امام بہ مقابلہ غائب امام اختیار کیا گیا ہے۔ اثنا عشری شیعہ اپنے بارہویں امام کو کسی غار میں قیام پذیر مانتے ہیں جو اپنے پیروؤں سے غائب ہیں۔ امام غائب کے تصور سے اسماعیلیوں نے امام حاضر کی اصطلاح قائم کی ہے۔ اثنا عشری کہتے ہیں کہ ان کے بارہویں امام کسی وقت امام مہدی کے نام سے ظہور کریں گے اور پوری دنیا میں اسلامی حکومت قائم کریں گے۔
اسماعیلیوں کے یہ حاضر امام آغا کریم ان کے انچاسویں نمبر کے امام ہیں۔ اگلے امام حاضر پر ان کی گنتی نصف صدی پر پہنچ جائے گی۔

ائمہ مستورین اور ان کے پیروؤں میں دعاۃ کا سلسلہ

اثنا عشری عقیدے میں ان کے امام غائب ایران کی کسی غار میں قیام پذیر ہیں اور ان کے اور ان کے عام پیروؤں کے مابین دعاۃ کا آنا جانا ہے۔ اسی طرح اسماعیلیوں کے دور ستر کے اماموں اور ان کے پیروؤں میں بھی دعاۃ کا آنا جانا رہا۔ ان میں بڑا داعی داعی اکبر کہلاتا تھا۔ یہ داعی حضرات ان ائمہ کے نام سے جو چاہتے کہتے اور کرتے اور ان کی عام پیروی کی جاتی اور جس کو جو کہنا ہوتا امام کے نام پر کہہ دیا جاتا۔
اس صورتِ حال پر نظر کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ اثنا عشری ہوں یا اسماعیلی ان کا یہ دین ائمہ کرام کا نہیں بلکہ یہ داعیوں کی اپنی پسند اور ناپسند ہے جسے آخر ایک مذہب کی شکل دے دی گئی۔ اہل سنت تو مستور الحال راوی کی روایت بھی نہیں لیتے چہ جائیکہ مستور الحال ائمہ کرام خدا کے

بندوں پر خدا کی حجت ٹھہرا دیئے جائیں۔

یہ حقیقت ہے کہ اسماعیلی عقائد داعیِ اکبر میمون القداح اور اس کے بیٹے عبداللہ بن میمون نے ہی ترتیب دیئے۔ اسماعیلیوں کی کتاب نور المبین میں ہے:۔

عبداللہ بن میمون ایک جلیل القدر داعی تھے۔ آپ حضرت سلیمان الفارسی کی نسل سے تھے اور جید عالم تھے عبداللہ بن میمون اور ان کے والد ابو میمون حضرت جعفر صادق کے عاشق تھے اور انہوں نے اپنی ساری زندگی ان کی غلامی میں بسر کی۔ اس کا نتیجہ تھا کہ وہ داعیِ اکبر کے درجہ کو پہنچے اور اسماعیلی سلسلہ کے درجہ باب سے بھی مشرف ہوئے [۱]

میمون نے اسماعیلی دعوت کے نو نمبر مقرر کیے جب تک کوئی شخص پہلے مراتب طے نہ کرے اس پر اگلا نمبر نہیں کھلتا۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح جماعت اسلامی میں کوئی شخص جماعت میں آتے ہی ممبر نہیں بن جاتا تھا بلکہ کچھ عرصہ اسے متفقین میں رہنا پڑتا تھا یہ ہر نووارد سے پوچھتے تھے آپ متفقین سے ہیں یا ممبروں سے۔ یہ ترتیب انہوں نے غالباً اسماعیلیوں سے لی ہے۔

عبداللہ بن سبا بھی اپنے وقت میں ایک بڑا داعی تھا اس وقت ابھی اثنا عشری مذہب مرتب نہ ہوا تھا لیکن شیعہ خیالات پیدا ہونے شروع ہو چکے تھے اس نے حضرت عثمانؓ کے امراء کے خلاف ایسی خفیہ تحریک چلائی کہ بالآخر حضرت عثمانؓ بھی ان باغیوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے اور پھر حضرت علیؓ بھی ایسے حالات میں خلیفہ چنے گئے کہ خود حضرت علیؓ بھی ان کے ہاتھوں بے بس رہے۔ آپ اپنے ہاتھ بیعت سے سمیٹتے تھے اور حضرت علیؓ بیعت کے لیے اپنے ہاتھوں کو اپنی طرف کھینچتے تھے وہ ان سے بیعت نہ لینا چاہتے تھے۔

خفیہ تنظیموں کی بھی ایک اپنی تاریخ ہے ان سب پر غور کر لینے سے معلوم ہوتا ہے ان سب کا مشترکہ عمل ۱۔ خلاف ظاہر کو اپنانا۔ ۲۔ اپنی روایات سے نکلنا اور ۳۔ نئی بات سامنے لانا رہا ہے۔ حضورؐ کے زمانہ کے منافقین صحابہؓ کو بے وقوف کہتے۔ اور کہتے ہم ان جیسا ایمان کیوں لاتے یہ تو بیوقوف ہیں عبداللہ بن سبا نے کہا ہم پہلے خلفاء کو کیوں مانیں۔ حضرت علیؓ کی امامت تو منصوص ہے ۔۔ پہلی راہ سے نکلنے کو الحاد کہتے ہیں اور زندقہ اس کی راہ عمل ہے جو معمار دیوار بناتے ہیں انہیں انگریزی میں میسن کہتے ہیں جو پہلی تعمیر سے ہٹ کر نئی راہ پر چلتے ہیں وہ فری میسن کہلاتے

---

[۱] نور مبین ص۱۲۸

ہیں ہوتے ہیں یہ پہلی کسی بات کے پابند نہیں ہوتے. آزادیٔ فکر سے
وہ تقلید سے ہٹتے ہیں. سو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فری میسن کارکن
انتشارِ ملت کے لیے خفیہ تنظیموں میں ہی چلتے آئے ہیں اور ان کی تاریخ بہت پرانی ہے.

پرانے اسلام سے نکالنے کے لیے مرزا غلام احمد کو ساتھی کن سے ملے ؟ کسی فری میسن تنظیم سے ـــ یہ کن لوگوں کی تنظیم ہوتی ہے ؟ مرزا غلام احمد کو الہام میں بتایا گیا یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے ارادے مخفی ہوں. ظاہر کچھ ہو اور اندر یہ کوئی اور پروگرام لیے ہوں. مرزا غلام احمد قادیانی نے اچھے لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے تسلی دی کہ وہ فری میسن کے قابو میں نہیں آئے گا اسے ان سے ملنے دو لیکن ہوا یہی کہ وہ ان کی باتوں میں آگیا اور اس نے ختم نبوت جیسے عقیدہ اسلام کو بھی ایک متزلزل بنیاد بنا دیا اور ساتھ یہ بھی کہتا رہا کہ ؎

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دین ماننے ہیں ان کو ختم المرسلین

مرزا غلام احمد کے مجموعہ الہامات میں ہے :-

پھر میں نے موت کے متعلق جب توجہ کی تو ذرا سی غنودگی کے بعد الہام ہوا فری میسن مسلط نہیں کیے جائیں گے کہ اس کو ہلاک کردیں."

پھر لکھتا ہے :-

فری میسن کے متعلق میرے دل میں خیال گزرا جن کے ارادے مخفی ہوں.[1]

اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ غلام احمد کے پیچھے واقعی کچھ لوگ ایسے لگے تھے جن کے ارادے مخفی تھے ـــ اور یہ بھی پتہ چلا کہ مرزا غلام احمد فری میسن تنظیم سے پورا واقف تھا اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ یہ یہاں تک رسائی رکھتے ہیں کہ موت تک پہنچا دیں گو اپنے بارے میں کہا کہ وہ اسے ہلاک نہ کر سکیں گے (وہ تو اسے ہی ہلاک کرتے ہیں جو ان میں سے ہو کر ان سے باہر نکلے) خیر مرزا غلام احمد کی بات کو جانے دیجیے ہم بات اسماعیلیوں کی کر رہے تھے جن پر دورِ ستر اور دورِ ظہور دونوں آئے سو ان کے لیے یہ بڑی آسان راہ تھی کہ جو چاہیں دعوے کریں دعاۃ کے نام سے ہر بات چل جائے گی. یہ ایک ایسی راہ تھی جس میں آنے جانے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا.

کیا مصر کے فاطمیین واقعی حضرت فاطمہؓ کی اولاد تھے ؟

آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں کہ اسماعیلیوں کو اپنے دورِ ظہور میں مصر کی حکومت بھی ملی. یہاں ایک

[1] تذکرہ مجموعہ الہامات صـ ۴۲۴

سوال اُبھرتا ہے کہ کیا واقعی یہ لوگ حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں سے تھے یا یہ دعویٰ بھی کسی داعی کا تھا جس نے اہل بیت کے سہارے اسماعیلیہ کے لیے کچھ ہمدردیاں حاصل کرلی تھیں۔

حضرت امام جعفر صادقؒ تک تو بے شک یہ سب فاطمی تھے لیکن ان کے اگلے ادوار میں تاریخ ان کے فاطمی ہونے کی شہادت نہیں دیتی۔ ڈاکٹر زاہد علی نے تاریخ فاطمیین مصر میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ اسماعیلی اماموں کے دورِ ظہور میں ان پر اس قسم کے کئی سوال اُٹھتے رہے موصوف لکھتے ہیں :-

> متعدد دفعہ امام کے ظہور کے زمانہ میں نسب کا سوال اٹھایا گیا لیکن کسی امام نے اطمینان بخش جواب نہ دیا۔ یہ لوگ کبھی اتنی جرأت نہ کرسکتے تھے اپنا نسب منبر پر یا کسی مجمع میں بیان کریں۔[1]

ہمارا موضوع اس وقت ان کے حسب و نسب پر بحث نہیں۔ فاطمی خلیفہ المعز باللہ (۳۶۵ھ) سے جب یہ سوال کیا گیا تو اس نے اس کے لیے ایک بڑے جلسہ کا انتظام کیا اور اس میں یہ جواب دیا:

> اپنی تلوار میان سے نکالی اور کہا " یہ میرا نسب ہے "
> پھر اس نے حاضرین پر سونا نچھاور کیا اور کہا " یہ میرا حسب ہے "[2]

دورِ ظہور میں تو کچھ لوگ جان پہچان والے مل جاتے ہیں۔ قصیدے پڑھنے والے قصیدہ گو اور مرثیے پڑھنے والے مرثیہ خواں بھی مل جاتے ہیں لیکن دورِ ستر کے بارے میں کوئی بات اعتماد سے نہیں کہی جاسکتی الا یہ کہ داعی حضرات کو خدا کی طرف سے مامور مان لیا جائے۔

اس مختصر خاکہ تاریخ کے بعد ہم ان کے عقائد کا بھی مختصر خاکہ پیش کیے دیتے ہیں :-

اسماعیلی عقائد کا ایک مختصر خاکہ

۱۔ امام ان کے ہاں معبود کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کا وجود خدا کے نورِ ذات سے قائم ہوا ہے اس لیے وہ خدا کا غیر نہیں۔ اس کی عبادت خدا کی ہی عبادت ہے خدا کا کوئی شریک نہیں۔ امام میں خدا حلول کیے ہوئے ہے اس لیے وہ کوئی دوسرا خدا نہیں۔ جب وہ خدا کے نورِ ذات سے ہے تو اس کا غیر نہ ہوا۔

۲۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خدا کے نورِ ذات سے پیدا مانتے ہیں اور دینی نسبت یہ اپنے

[1] اتعاظ الحنفاء صـ۱۵ [2] تاریخ ابن خلکان جلد ا صـ۲۵۹ ترجمہ ابن طباطبا

امام میں منتقل مانتے ہیں۔ قاسم علی اسماعیلی نے ایور لونگ گائیڈ میں آغا خاں سوم کا یہ فرمان نقل کیا ہے :۔

میں براہ راست حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل سے ہوں اور دو کروڑ مسلمان مجھ پر ایمان رکھتے ہیں مجھے اپنا روحانی پیشوا مانتے ہیں مجھے خراج ادا کرتے ہیں اور میری عبادت کرتے ہیں۔ [1]

یہ کتاب اسماعیلی ایسوسی ایشن کراچی نے شائع کی ہے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور حضورؐ سے براہ راست نسبت رکھنے کے مدعی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا وہ ختم نبوت پر یقین رکھتے ہیں حضورؐ کے بعد کسی نئی نبوت کے وہ قائل نہیں۔ وہ اس کے بھی قائل نہیں کہ حضورؐ کی نبوت ان اماموں میں اتری ہے وہ صرف امامت کی راہ سے ان ائمہ کے لیے اس آسمانی عہدے کے قائل ہیں۔

۳۔ ان کا عقیدہ ہے کہ امام حاضر جب چاہے ظاہر شریعت کو معطل کر سکتا ہے شریعت ہمیشہ صامت رہے گی۔ اس کے لیے ناطق امام ہے۔ اسماعیلیہ کے تیئسویں امام (۲۳) شاہ حسن علی نے ۱۷، رمضان (۵۵۹ھ) میں پورے اجتماع سے کہا :۔

آج کے دن سے آپ کو میں ساری شریعت کی پابندیوں سے آزاد کرتا ہوں۔ آج کے دن تم لوگوں کے لیے رحمت کے دروازے کھل گئے ہیں۔ آج کے دن ہم نے پوری دنیا کو شریعت اور قیامت کے مفہوم سے آگاہ کر دیا ہے۔ [2]

اب آئیے یہ بھی جان لیجئے کہ ان کے ہاں قیامت ایک نئے قیام کا نام ہے۔

۴۔ ان کا قیامت کا تصور مسلمانوں کے عقیدہ قیامت سے بالکل جدا ہے یہ اپنے اس تصور میں بہائی مذہب کے بہت قریب ہیں۔ بہائیوں کے ہاں جب جہاں کا نیا قیام ہو تو وہ اسے قیامت کہتے ہیں پھر وہ اس نئے دور کے لیے کسی نئی نبوت کے منتظر ہوتے ہیں۔ اسماعیلیوں کے ہاں امام حاضر جب کسی نفس کی تفتیش کر کے اسے خدا کے قرب میں کھینچ لے اور اسے پاس کر دے تو اس سے شریعت کی پابندیاں اٹھالی جاتی ہیں اور اس کے لیے اب یہ قیامت قائم ہو گئی۔

۵۔ آغا خاں سوم کے احکام اسماعیلیوں نے کلام امام مبین کے نام سے شائع کیے ہیں اس میں فرمان ۳۱ یہ ہے :۔

---

[1]

[2] نور مبین صفحہ ۲۵۴ طبع چہارم

انسان کی زندگی اور دنیا ہر وقت بدلتی رہتی ہے ہر چیز بدلتی ہے جس میں صحیح ہدایت
امام حاضر ہی دے سکتا ہے اسماعیلیوں کے پاس کوئی لکھی ہوئی کتاب نہیں مگر
زندہ امام ہے۔ [۱]

ان کے عقائد پر ہم یہاں کوئی تبصرہ نہیں کر رہے اجمالی طور پر ان کے عقائد کا کچھ تعارف کرانا تھا سو ہم نے یہ پانچ امور گذارش کر دیئے ہیں۔

اسماعیلی عقائد کا بانی داعی اکبر عبداللہ میمون فارسی

اسماعیلی عقائد ائمہ اہلبیت میں سے کسی سے نہیں آئے مسلمانوں میں اہلبیت کے لیے جو جذبہ کارفرما ہے اس کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے عبداللہ بن سبا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اپنی تحریک کا آغاز کیا۔ اسی جذبہ عقیدت کے عبداللہ میمون اٹھا اور شیعوں کا اسماعیلی سلسلہ قائم کیا اور اسی چھپی راہ سے مختار بن ابی عبید ثقفی نے براہ راست حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عقیدت قائم کی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بن حنفیہ کے نام سے ایک پورا مذہب ترتیب دے دیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ)

این عبداللہ بن میمون قداح شخصے بود ملحد و زندیق و دشمن اسلام می خواست بہ
نہجے در دین اسلام فساد نماید تا بود نے یافت اکنوں او را نان در روغن افتاد
بدستور عبداللہ بن سبا کہ اصل منشار تشیع است۔ [۲]

ترجمہ۔ یہ عبداللہ بن میمون ایک ملحد اور زندیق شخص تھا اور اسلام کا سخت دشمن
تھا۔ چاہتا تھا کسی طرح اسلام میں کوئی گڑبڑ پیدا کرے لیکن اسے کوئی راہ نہ ملتی
تھی عبداللہ بن سبا کی طرح جو شیعیت کا بانی تھا اب اس کی روٹی گھی میں جا گری۔

یہ بات اس کے لیے بڑی آسان تھی کہ غاروں میں چھپے اماموں کے نام سے دین اسلام میں وہ ایک نئی فرقہ بندی کرے اور جو چاہے اسے اسماعیلیوں کا ایک نیا مذہب بنا کر رکھ دے۔

علمائے اسلام شروع سے اسماعیلی عقائد کو الحاد و زندقہ کہہ رہے ہیں۔ چوتھی صدی کے شروع میں اثنا عشری عقائد مرتب ہوئے اور چوتھی صدی کے شروع میں ہی اسماعیلیوں کے دور ظہور کا آغاز ہوا۔

---

[۱] کلام امام مبین صفحہ ۵۴۰ [۲] تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۸

اس سے پہلے یہ لوگ بطور باطنیہ کے جانے جاتے تھے۔

۱. امام ابومنصور عبدالقاہر (۴۲۹ھ) کی کتاب الفرق بین الفرق میں اس باطنی گروہ کا اس طرح پتہ چلتا ہے:۔

الذی یصح عندی من دین الباطنیة انھم دھریه زنادقه یقولون بقدم العالم وینکرون الرسل والشرائع کلھا لمیل الی استباحة کل مایمیل الیه الطبع۔[1]

ترجمہ۔ باطنیہ کے دین کی جو بات میرے ہاں صحیح طور پر محقق ہوئی یہ ہے کہ وہ حقیقت میں دہریہ ہیں زندیق ہیں دنیا کو قدیم مانتے ہیں اصل و شرائع کا وجود نہیں مانتے ہر اس چیز کو جس کی طرف طبائع مائل ہوں وہ حلال مانتے ہیں۔

۲. امام ابن حزم (۴۵۶ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

واما من قال ان الله عزوجل ھو فلان لانسان بعینه اوان الله تعالیٰ یحل فی جسم من اجسام خلقه اوان بعد محمد صلی الله علیه وسلم نبیاً غیر عیسیٰ بن مریم فانه لا یختلف اثنان فی تکفیره۔[2]

ترجمہ۔ اور جو کہے کہ فلاں انسان بعینہٖ خدا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی میں اُترا ہوا ہے یا یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عیسیٰ بن مریم کے سوا کوئی اور نبی بھی ہو سکتا ہے تو ایسے شخص کو کافر کہنے میں کہیں دو شخص مختلف نہیں ہوئے۔

واما الغالیة من الشیعة فھم قسمان قسم اوجبت النبوة بعد النبی صلی الله علیه وسلم لغیره والقسم الثانی اوجبوا الالٰھیة لغیر الله عزوجل فلحقوا بالنصاریٰ والیھود وکفروا اشنع الکفر۔[3]

ترجمہ۔ غالی شیعوں کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو حضورؐ کے بعد کسی اور نبوت کو واجب کہتے رہتے اور دوسرے وہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت (اس کا لائق عبادت ہونا) اوروں کے لیے ثابت مانتے تھے یہ وہ لوگ ہیں جو یہود و نصاریٰ میں آملے اور انہوں نے بدترین کفر اختیار کیا۔

---

[1] الفرق بین الفرق صـ۲۶۷ [2] کتاب الفصل جلد ۳ صـ ۲۴۹ [3] ایضاً جلد ۴ صـ ۱۸۳

عبداللہ بن میمون دہری عقیدہ رکھتا تھا اور اس کی ایک خفیہ تنظیم تھی۔ اس نے اسماعیلیوں میں کام کیا اور اثنا عشریوں کے علاوہ ایک بڑا فرقہ بنا کر رکھ دیا۔ یہ اپنے حلقے کے فری میسن تھے۔

علامہ فرید وجدی لکھتے ہیں :-

انّہ ظہر رجل مدلس اسمہ عبداللہ بن میمون من فارس مملوءًا مالاً واقدارًا فاراد ان یستخدم الاسماعیلیۃ جمعیۃ سریۃ۔ [۱]

ترجمہ۔ ایک شخص جو اپنے آپ کو چھپائے رکھتا تھا اچانک ظاہر ہوا۔ اس کا نام عبداللہ بن میمون تھا فارسی النسل تھا بڑی امیدوں اور قدروں سے سامنے آیا۔ وہ اپنی ذاتی اغراض کے تحت اسماعیلیوں کی خدمت میں آگے بڑھا اس نے اپنے آپ کو غیور شیعہ ظاہر کیا اور حقیقت میں دہری العقیدہ تھا۔ اس نے اسماعیلیوں میں ایک خفیہ تنظیم قائم کی۔

۲۔ علامہ ابن عابدین الشامی بھی ان کا ذکر کرتے ہیں :-

انہم ینتحلون عقائد النصیریۃ والاسماعیلیۃ الذین یلقبون بالقرامطۃ والباطنیۃ الذین ذکرہم صاحب المواقف ونقل عن علماء المذاہب الاربعۃ انہ لا یحل اقرارہم فی دیار الاسلام بجزیۃ ولا غیرہا۔ [۲]

ترجمہ۔ یہ لوگ نصیری اور اسماعیلی عقائد اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اسماعیلیہ جو قرامطہ اور باطنیہ کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں جن کا کہ صاحب مواقف نے ذکر کیا ہے اور چاروں مذاہب کے علماء اس پر متفق ہیں کہ انہیں اسلامی ممالک میں جزیہ لے کر یا بغیر جزیہ کے رہنے دینا حلال نہیں ہے۔

---

[۱] دائرۃ المعارف جلد ۱ ص ۲۴۸ [۲] رد المحتار جلد ۳ ص ۲۴۲ طبع دیگر جلد ۳ ص ۲۹۸

اسلام اور شیعیت کا تقابلی مطالعہ

الحمد للہ وسلام وعلی عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد:

شیعیت اسلام کی شاخ کے طور پر نہیں اس کے مقابل ایک تحریک ہے کسی مذہب کی برانچیں اس کی فروع ہوتی ہیں ان کے اپنے اپنے اصول نہیں ہوتے جیسے حنفی مالکی شافعی اور حنبلی اسلام کی فروع ہیں۔ اصول وعقائد میں یہ چاروں مذاہب ایک ہیں۔ یہ چار طریقے ہیں چار فرقے نہیں ہیں بخلاف ان فروع کے شیعیت اسلام کے ایک بالکل برابر کی آواز ہے۔ جس طرح اسلام کے تین اصول ہیں۔ ۱۔ توحید ۲۔ رسالت اور ۳۔ آخرت[1] ___ شیعیت کے اصول دین پانچ ہیں۔ ۱۔ توحید۔ ۲۔ عدل۔ ۳۔ رسالت ۴۔ امامت اور ۵۔ آخرت ___ توحید کے ساتھ انہوں نے عدل رکھا اور ذات واجب پر عدل واجب کیا۔ رسالت کے مقابل وہ امامت لائے اور اسے نبوت کی طرح ایک آسمانی عہدہ کہا اور آخرت کے ساتھ انہوں نے رجعت کو جوڑا۔ تاہم رجعت کو وہ عقائد میں لائے۔ اصول دین ان کے ہاں پنجتن کی کی طرح پانچ ہی رہے۔ سو شیعیت اسلام کے ماتحت نہیں اس کے مقابل کی ایک الگ تحریک ہے جس کے اپنے اصول ہیں سو شیعہ کے عام مسلمانوں سے اختلافات فروعی نہیں اصولی ہیں۔

اسلام اور شیعیت کے اپنے اپنے ماخذ علم

اسلام میں کسی عقیدے یا مسئلے کے اثبات کے لیے۔ ۱۔ قرآن کریم۔ ۲۔ سنت۔ ۳۔ اجماع امت

[1] آنحضرتؐ کے پاس ایک عورت آئی کہ اس کی ماں نے ایک مسلمان لونڈی آزاد کرنی تھی مگر وہ چل بسی۔ اب کیا میں اپنی ماں کی طرف سے اس باندی (ایک سیاہ رنگ کی عورت اس کے ساتھ تھی) کو آزاد کر سکتی ہوں؟ حضورؐ نے اس سیاہ رنگ عورت سے تین سوال کیے۔ ۱۔ اتشھدین ان لا الہ الا اللہ۔ کیا تو گواہی دیتی ہے کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ ۲۔ اتشھدین ان محمد ارسول اللہ۔ کیا تو گواہی دیتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ ۳۔ أتوقنین بالبعث بعد الموت۔ کیا تو یقین رکھتی ہے کہ مرنے کے بعد پھر جی اٹھنا ہے؟ اس نے تینوں کا جواب ہاں میں دیا۔ آپ نے اسے اجازت دی کہ وہ اپنی والدہ مرحومہ کی طرف سے اس لونڈی کو آزاد کر سکتی ہے (دیکھئے سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۷، ص۳۸۸) اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں اصول دین تین ہیں۔ ۱۔ توحید۔ ۲۔ رسالت اور ۳۔ آخرت۔ انہی کے اقرار سے کوئی شخص مومن اور مسلمان سمجھا جاتا ہے۔

اور ۴. قیاس مجتہد سے دلیل لائی جاتی ہے۔ اجماع اور اجتہاد (۳ اور ۴) کی ضرورت اس لیے ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کوئی مامور من اللہ نہیں تھا جس کی رہنمائی میں امت چل سکے پہلے اجتہاد سے آنے والا مجتہد اختلاف کر سکتا ہے اگر اس کا اپنا اجتہاد ہو لیکن وہ (آنے والا مجتہد) اجماع سے اختلاف نہیں کر سکتا اسے پہلے اجماع کو تسلیم کرنا ہی ہوگا۔ کوئی اجتہاد اجماع کے خلاف نہیں کیا جا سکتا۔ جس طرح حافظ ابن تیمیہ کا مسئلہ طلاق میں اجتہاد ائمہ اربعہ کے اجماع کو نہیں توڑ سکا۔ سب اہل سنت ایک ہی موقف پر رہے کسی نے بھی ابن تیمیہ کی تقلید نہ کی۔

شیعہ کے ہاں آسمانی ہدایت امامت کے نام سے باقی ہے۔ اس لیے انہیں نہ اجماع کی ضرورت ہے نہ اجتہاد کی۔ ان کے لیے نص کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہے۔ ان کے لیے دین۔ توحید و رسالت اور اتباع اہلبیت ہی کا نام ہے۔ دونوں کے ہاں اپنی اپنی روایات ہیں۔ ان روایات سے دونوں کے اپنے اپنے ماخذ علم کا پتہ چل جاتا ہے۔

۱. اہلسنت کا دوسرا ماخذ علم

امام مالکؒ اپنے موطا میں روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے کتاب اللہ کے بعد سنت سے تمسک کی تعلیم دی:۔

عن مالک انه بلغه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله وسنة رسوله [۱]

ترجمہ۔ مالک کو حضورؐ سے یہ بات پہنچی۔ آپ نے فرمایا میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ جب تک تم ان سے تمسک کرو گے گمراہ نہ ہو گے۔ ۱. کتاب اللہ اور ۲. آپ کی سنت۔

۲. شیعیت کا دوسرا ماخذ علم

نصر بن عبد الرحمٰن الکوفی زید بن حسن الکوفی صاحب الانماط سے روایت کرتا ہے کہ حضورؐ نے کتاب کے بعد دوسرا ماخذ علم اپنی عترت کو ٹھہرایا:۔

انی ترکت فیکم من ان اخذتم به لن تضلوا کتاب الله وعترتی [۲]

ترجمہ۔ میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑیں۔ اللہ کی کتاب اور اپنے اہلبیت۔

---

[۱] موطا امام مالک ص ۹۳ عربی [۲] روی الترمذی عن نصر بن عبد الرحمٰن الکوفی جلد ۲ ص ۲۱۹

حافظ ابن حجر زید بن حسن کے ترجمہ میں لکھتے ہیں :۔

روی له الترمذی حدیثاً واحداً فی الحج ۔ [1]

معلوم نہیں یہ اس کی دوسری روایت جامع ترمذی میں کیسے آگئی ؟ ہو سکتا ہے یہ ایک ہی رہا ہو۔

جمہور مسلمانوں کا اعتقاد یہ ہے کہ قرآن کتاب ناطق ہے اس کا بعض دوسرے بعض کی تفسیر کر دیتا ہے اور اس کی عملی شکل سنت سے معلوم ہو جاتی ہے۔ سنت سبیل رسول اور سبیل مومنین دونوں کا نام ہے جن کا خلاف شقاق رسول سمجھا گیا ہے۔ جمہور اہل اسلام کے ہاں یہ کتاب (قرآن) کتاب ناطق ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا۔

لکل آیۃ منہا ظہر و بطن ولکل حد مطلع رواہ البغوی فی شرح السنۃ :

ترجمہ

اور شیعہ کے عقیدہ میں قرآن ایک کتاب صامت ہے یہ ایک خاموش کتاب ہے اس کی طرف سے اہل بیت بولتے ہیں اور ان کے بول سے دین متعین ہوتا ہے سب ائمہ ایک ہی چشمہ سے بولتے ہیں اور کسی امام کی بات علی التعیین ضروری نہیں جس کی بھی بات ہو وہ عین دین ہے [2] حکم امام ہے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کے نام سے یہ بات وضع کی۔

صامت کا ایک معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا کے کسی کونے میں کوئی خاموش بیٹھا ہوا ہو اور امام غائب کی طرف سے کئے سفراء اس کی طرف سے بولتے رہیں۔ شیعہ کے ہاں اسی سے راہ اہلبیت قائم ہوتی ہے۔

جمہور اہل اسلام کے ماخذ علم

جمہور مسلمانوں کے ماخذ علم پہلے دور میں یہ سمجھے جاتے رہے ہیں :۔

۱. موطا امام مالک (۱۷۹ھ) ۲. موطا امام محمد (۱۸۹ھ)
۳. کتاب الآثار امام محمد ۴. کتاب الام امام شافعی (۲۰۴ھ)
۵. المصنف لعبد الرزاق (۲۱۰ھ) ۶. المصنف لابن ابی شیبہ (۲۳۵ھ)

پھر علم حدیث باقاعدہ مرتب ہوا اور اس نے ایک فن کی شکل پائی اس دور کی یہ چھ کتابیں صحاح ستہ کہلائیں۔

---

[1] لسان المیزان جلد ۳ صفحہ ۴۰۶ [2] نہج البلاغۃ جلد صفحہ

۱. صحیح بخاری (۲۵۶ھ) ۲. صحیح مسلم (۲۶۱ھ)
۳. سنن ابی داود (۲۷۵ھ) ۴. سنن نسائی (۳۰۳ھ)
۵. جامع ترمذی (۲۷۹ھ) ۶. سنن ابن ماجہ (۲۷۵ھ)

پھر عموم روایت میں یہ چھ ائمہ حدیث نمایاں ہوئے :۔

۱. امام احمد (۲۴۱ھ) ۲. امام دارمی (۲۵۵ھ) ۳. امام طحاوی (۳۲۸ھ)
۴. امام طبرانی (۳۶۰ھ) ۵. امام حاکم (۴۰۵ھ) ۶. امام بیہقی (۴۵۸ھ)

شیعیت کے ماخذ علم

اثنا عشری شیعوں کے ماخذ علم شروع سے ہی عام مسلمانوں سے جدا ہے۔ ان کے ہاں طریق اہل بیت جن چار کتابوں سے قائم ہوا۔ انہیں اصولِ اربعہ کہتے ہیں۔ ان کی ان چار کتابوں کا نام صحاح اربعہ نہیں اصول اربعہ ہے۔ صحاح ستہ روایات کا مجموعہ ہیں اور کہیں کہیں ان میں فقہ بھی دی گئی ہے۔ مگر اہل سنت کے مذاہب اربعہ صحاح ستہ کے لکھے جانے سے پہلے مرتب ہو چکے تھے۔ چوتھے مذہب کے امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) صحاح ستہ کے پہلے امام بخاری (۲۵۶ھ) کے استاد تھے۔ اس لیے اہل سنت کے ہاں کبھی ان کتابوں کو اصول نہیں کہا گیا۔ اصول مجتہدین کے بیان سے قائم ہوتے ہیں ان اماموں کے بیان سے نہیں جنہوں نے حدیث کی کتابیں مرتب کیں۔ شیعہ کے ہاں امام آسمانی امامت کے حامل ہیں۔ وہ کسی حدیث کی کتاب کی تصدیق کر دیں تو اب وہ کتاب صرف روایات کا مجموعہ نہ رہے گی اصول کے طور پر قبول کی جائے گی اور اس کے کسی راوی کے ضعف و ثقاہت پر بحث نہ ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ اپنے حدیث کے ان چار مجموعوں کو اصولِ اربعہ کہتے ہیں یہ ان کے تین محمدوں کی تالیف ہیں۔ ان میں پہلی کتاب کی تصدیق غیبتِ صغریٰ کے بعد بارہویں امام کر گئے۔ آپ نے فرمایا۔ ھذا کافٍ لشیعتنا۔ یہ ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے۔

۱. الکافی للکلینی (۳۲۸ھ) یہ اصول کافی، فروع کافی اور روضہ کافی کا مجموعہ ہے اور آٹھ جلدوں میں ہے۔

۲. من لا یحضرہ الفقیہ لابن بابویہ القمی (۳۸۱ھ)

۳. تہذیب الاحکام } محمد بن حسن الطوسی (۴۶۰ھ)
۴. الاستبصار }

دوراول میں ان کی یہی چار کتابیں اصول کے درجہ میں معروف تھیں۔ سولہویں صدی میں ایران پر صفوی خاندان کی حکومت قائم ہوئی اور پوری مملکت ایران کو ایک شیعہ سٹیٹ قرار دے دیا گیا۔ پہلے ایران میں تین چوتھائی حنفی مسلمان تھے شیعہ اقلیت میں تھے اب پورے ملک کو بجبر شیعہ کر لیا گیا اور اہلسنت وہاں صرف تیس فیصد کے قریب رہ گئے۔

طہران یونیورسٹی کے پروفیسر سعید نفیسی لکھتے ہیں :-

پادشاہان صفوی کہ توجہ و عنایتی خاص بانتشار دین شیعہ داشتہ اند نظر باینکہ اکثریت مردم ایران پیش ازاں حنفی بودہ اند، عدہ کافی مبلغ و پیشوای دینی برائے انتشار طریقہ شیعہ در ایران نیافتہ اند۔ ؎ (تاریخچہ تکامل نثر فارسی)

شیعہ کے اس دور کے علماء حدیث

محمد بن علی الموسوی صاحب الموسوی (۱۰۰۹ھ) زین بحرانی (۱۰۲۱ھ) محمد بن علی استرآبادی (۱۰۲۸ھ) قاضی نور اللہ شوستری (۱۰۱۹ھ) زین الدین عاملی (۱۰۳۰ھ) محمد امین استرآبادی (۱۰۴۱ھ) میر محمد باقر داماد (۱۰۴۱ھ) ملا تقی مجلسی (۱۰۷۰ھ) ملا محسن کاشانی (۱۰۹۰ھ) ملا فیض صاحب الوافی (۱۰۹۱ھ) محمد بن حسن الحر العاملی (۱۱۰۴ھ) ملا باقر مجلسی (۱۱۱۰ھ) ملا فیض کاشانی (۱۱۱۲ھ) نعمت اللہ الجزائری (۱۱۱۲ھ) رضا تبریزی (۱۱۵۸ھ)

دوسرے شیعہ فرقوں کے ماخذ علم

شیعہ کا سب سے بڑا فرقہ اثنا عشری شیعہ ہیں ان کا دوسرا بڑا فرقہ اسماعیلی ہیں۔ یہ دو امام غائب اور امام حاضر کے پیروؤں کے طور پر ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں۔ اثنا عشری اور اسماعیلی امام جعفر تک مشترک ہیں۔ چھ اماموں تک یہ یکساں چلے ہیں۔ امام جعفر نے اپنے بیٹے اسماعیل کو ساتواں امام نامزد کیا لیکن ساتواں امام چھٹے کی وفات سے پہلے راہی ملک بقا ہوا۔ اب چھٹے امام نے اپنے دوسرے بیٹے موسیٰ کاظم کو جانشین نامزد کیا اور امام موسیٰ کاظم سے اثنا عشری سلسلہ چلا اور اسماعیل کو ساتواں امام ماننے والے یہ تسلیم نہیں کرتے کہ امام جعفر نے موسیٰ کاظم کو جانشین مقرر کیا ہو۔ وہ کہتے ہیں خدائی نظام میں غلطی نہیں لگتی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا کو آسمانی امامت کی ترتیب میں اتنی بڑی غلطی لگے۔ اسماعیلی امام اسماعیل کے نام سے اب تک امام حاضر کے عقیدہ سے چل رہے ہیں اور اس وقت آغا خاں ان کے حاضر امام ہیں۔

جب یہ امام حاضر کے قائل ہیں تو ظاہر ہے کہ انہیں کسی حدیث کی کتاب کی ضرورت نہیں۔ نہ یہ ضرورت ہے کہ ان میں کوئی مسائل اجتہاد سے حل کیے جائیں۔ عقیدہ اور عمل کی جو بات یہ جاننا چاہیں ان کا حاضر امام ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ قرآن ان کے ہاں بھی کتاب صامت ہے اور حاضر امام اس کی طرف سے بولتا ہے یہ نہ کسی امام غار کے انتظار میں ہیں اور نہ یہ کسی ایسے قرآن کے قائل ہیں جو کسی غار میں محفوظ دھرا ہو۔ ان کا دین و ایمان اپنے امام حاضر کے نام سے قائم ہے۔ امام جعفر تک یہ دونوں ایک رہے اس لیے فقہ جعفری پر دونوں متفق ہیں۔ اثنا عشریوں کے ہاں فقہ جعفری کتابوں میں منضبط ہے اور اسماعیلیوں کے ہاں یہ امام حاضر کے قول و فعل میں جذب ہے اسے ہی یہ لوگ فقہ جعفری کہتے ہیں۔

اہلسنّت کے مقابل صرف اثنا عشری رہے

اہلسنّت کے مقابل علمی میدان میں صرف اثنا عشری رہے ہیں اور انہی سے ان کے علمی معرکے لگے۔ یہی دو کتابوں والے گروہ ہیں جن کی اپنی اپنی کتابیں ہیں۔ اہل سنت کے ہاں اثنا عشریوں کی تمام کتابیں وضعی ہیں اور شیعہ (اثنا عشریہ) کے ہاں اہل سنّت کی کتابیں اثنا عشری فرقہ قائم ہونے سے بہت پہلے مرتب ہو چکی تھیں۔ ان کے گیارہویں امام (۲۶۰ھ) میں فوت ہوئے اور اہل سنّت کے امام بخاری (۲۵۶ھ) میں فوت ہوئے۔

ایران کے شیعہ زیادہ اثنا عشری عقیدہ کے ہیں اور عراق میں بھی ان کی علمی درسگاہیں ہیں ان کا قم کا مدرسہ بھی یہیں ہے اور کربلا بھی یہیں ہے جس کے زائرین کربلائی کہلاتے ہیں نجف اشرف بھی یہیں ہے جہاں ان کے ہاں حضرت علی المرتضیٰؓ مدفون ہیں۔

اکابر ائمہ اہلسنّت میں سب سے پہلے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۵۶۱ھ) ان کے مقابل پر تول کر نکلے اور غنیۃ الطالبین میں ان پر پوری جرح کی۔ پھر شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) ابن مطہر الحلی (۷۶۲ھ) کے مقابل صف آرا ہوئے اور منہج الکرامہ کے جواب میں منہاج السنہ چار جلدوں میں لکھی۔ ان دو کتابوں کا یہ اثر ہوا کہ عربوں میں شیعہ عقائد کہیں بھی قبولیت نہ پا سکے۔ وقت گزرتا گیا، یہاں تک کہ ایران میں انہوں نے تین چوتھائی حنفی مسلمانوں کو بزور حکومت اثنا عشری بنایا اور صفوی عہد میں ایران ایک شیعہ سٹیٹ بن کر سامنے آیا۔ پھر اثنا عشریوں اور ترکوں میں یہ معرکہ آرائی چلی لیکن عرب دنیا اس سے واقف ہو چکی تھی کہ حضرت علیؓ، امام زین العابدینؒ، امام جعفرؒ اور امام رضاؒ جو اہل سنّت کی ممتاز شخصیات تھیں ان کے نام سے یہ ایک نیا مذہب گھڑ لیا گیا ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں بادشاہ جہانگیر کی ملکہ نورجہاں شیعیت لانے کی وجہ بنی اور اس نے قاضی نوراللہ شوستری کو ہندوستان بلوایا۔ سلسلہ چشتیہ کے روحانی بزرگ ان دنوں سرزمین ہند پر اپنی توجہات کا پہرہ دے رہے تھے شیخ سلیم چشتی کی نظر فیض اثر جہانگیر پہ کام کر گئی اور اس نے برملا نورجہاں کو کہا کہ خانم ترا جان دادم ایمان نہ دادم

تاریخ اسلام کے دوسرے ہزار سال کا آغاز ہو چکا تھا۔ پاک و ہند کی علمی سرحدوں پر اس دورہ ہزار سال کے پہلے مجدد امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ پورے فاروقی جلال کے ساتھ چمکے اور اثناعشریوں کے خلاف ردِّ رفضہ لکھ کر اس برصغیر میں حق کی حجت تمام کی۔ پھر بارہویں صدی کے مجدد امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ گیارہویں صدی کے اس مجدد اعظم شیخ احمد سرہندیؒ (۱۰۳۴ھ) کے نقش قدم پر چلے اور حق و باطل کا یہ تصادم اب تک قائم ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

یہاں اس وقت ان علمی معرکوں کا علمی تجزیہ پیش نظر نہیں نہ ان کی تاریخ بیان کرنا مقصود ہے۔ ہم یہاں صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ شیعیت کی جب کہیں کوئی علمی نمائندگی ہوئی وہ اثناعشریوں نے ہی کی اور شیعوں کا کوئی اور فرقہ سوادِ اعظم کے مقابلے میں نہیں اٹھا۔ اسماعیلی ہوں ہوں یا بوہرے علمی میدان میں یہ ہمیشہ خاموش رہے ہیں اور ان کی طرف سے بداخلاقی کے بھی کبھی وہ کبھی مظاہرے نہیں ہوئے جو اثناعشریوں کے ہاں تبرا کے نام سے ایمان کی جان سمجھے جاتے ہیں۔

اثناعشریوں کے ہاں کل عترتِ رسول اہل بیت نہیں

جس طرح لفظ شیعیت کو واضح کرنے کی ضرورت تھی کہ اس سے مراد اثناعشری شیعہ ہیں نہ کہ اسماعیلی یا بوہرے یا چھوٹے شیعہ۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ہم لفظ عترت کی بھی کچھ وضاحت کر دیں۔

اہلسنت کے ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کل اولاد عترتِ رسول ہے اور یہ سب واجب المحبت ہیں۔ ان سے محبت ان کے کسی کردار کے باعث نہیں محض خاندانی نسبت سے ہے۔ ان میں جو صالح عمل کے لوگ ہیں ان سے محبت اللہ کے لیے ہے اور جو گناہگار ہیں ان سے محبت اور خیرخواہی نسبت رسالت کی وجہ سے ہے۔ سونا گندے نالے میں بھی جا گرے تو وہ سونا ہی رہتا ہے محل نفرت نہیں ہو جاتا۔

سو اہلسنت کے ہاں کل سادات لائق احترام اور لائقِ محبت ہیں۔ بارہویں صدی کے مجدد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ العقیدۃ الحسنۃ میں لکھتے ہیں:۔

شیعہ کے ہاں سارے سید اہلبیت نہیں

شیعہ اپنے عقیدہ میں اہلِ بیت رسالت کو ثقلین میں سے ثقل ثانی اور پوری امت کے لیے واجب التمسک قرار دیتے ہیں نہ کہ انہیں صرف لائقِ محبت جانتے ہیں ــــ اور ظاہر ہے کہ تمسک محدود شخصیات سے تو ہو سکتا ہے جن کی گنتی کی جا سکے نہ کہ لامحدود شخصیات سے ــــ ان کی پیروی عقلاً اور نقلاً محال ٹھہرے گی. خصوصاً جب کہ وہ آپس میں بھی مختلف آراء ہوں اور ان میں نیک و بد سبھی قسم کے لوگ پائیں جائیں.

اہل سنت کے ہاں یہ حدیث تھی کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں. ۱. کتاب اللہ اور ۲. اپنی سنت ــــ جب تک تم ان سے تمسک کرو گے گمراہ نہ ہو گے. شیعوں نے اس کے مقابل اسے یوں پیش کیا کہ وہ دو چیزیں یہ ہیں. ۱. کتاب اللہ اور ۲. میری اہلبیت ــــ اب ظاہر ہے کہ اہلبیت سے تمسک کی تعلیم دی جا رہی ہے اور ان کی پیروی لازم کی جا رہی ہے نہ کہ یہ ان سے موانست اور حسنِ سلوک کی تلقین ہے. واجب التمسک ہونا اور بات ہے اور لائق محبت ہونا اور بات ہے.

اس صورت میں اثنا عشری مجبور ہوئے کہ سب سادات کو اہل بیت میں جگہ نہ دیں کیونکہ سادات تو قیامت تک ہوتے رہیں گے. اب ان سب کی پیروی کیسے کی جا سکے گی. لہٰذا ان کو بارہ شخصیات میں محدود کر دیا جائے کہ یہی لائق تمسک ہیں اور یہی واجب الاطاعت ــــ انہی کی زندگی تمہارے لیے سنت ہے اور یہی تمہارے ائمہ اطہار ہیں ــــ اس توجیہ سے ان بارہ کی حیثیت سے تو واقعی بہت اونچی ہو گئی لیکن ان کے بعد آنے والے جملہ سادات کی حیثیت بہت کم ہو گئی. انہیں اہلبیت سے ہی نکال دیا گیا. اب ان کے ہاں عام سید اہلبیت سے نہیں.

سلہ العقیدۃ الحسنۃ صہ

اہل بیت میں نہ ہونے پر کیا وہ سید رہے

سید سردار کو کہتے ہیں۔ سردار اسے کہتے ہیں جس کا کسی حلقے میں حکم چلے۔ یہ کیسے سید ہیں جن کو کسی حلقے میں بھی سردار نہ مانا جائے۔ گاؤں کا نمبرداری گاؤں میں بڑا سمجھا جاتا ہے اور یہ نام کے سید اپنے گاؤں کے امور میں اسی نمبردار کے ماتحت ہوں گے پھر یہ لوگ اعتقاداً بھی صرف بنی فاطمہ کو سید نہیں کہتے۔ کل اولاد ہاشم جن پر صدقہ حرام ہے انہیں بھی یہ سادات میں شمار کرتے ہیں۔ گو وہ حضرت جعفر بن ابی طالب کی اولاد میں سے ہوں یا حضرت عباس بن عبدالمطلب کی اولاد میں سے ہوں۔ نجف اشرف کے مجتہد ملا کاظم خراسانی کے فتاویٰ ذخیرۃ العباد کے نام سے جمع ہو چکے ہیں اور ان کا اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس میں ہے:۔

س: آیا سادات میں شرط ہے کہ پیغمبر کے دادا حضرت ہاشم کی اولاد سے ہوں؟

ج: شرط ہے اگرچہ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب کی اولاد سے نہ ہوں۔[1]

اہل سنت کے ہاں بھی سید صرف بنو فاطمہ نہیں۔ مولانا کرامت علی صاحب اپنے رسالہ حق الیقین میں لکھتے ہیں کہ جملہ بنو ہاشم سید ہیں۔

اس کھانے کا کھانا محتاجوں کو درست ہے غنی لوگوں اور بنو ہاشم یعنی سید کو درست نہیں۔[2]

سید ہونا ایک وصفی عزت ہے یہ کوئی نسلی ملت نہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ سید کو ایک وصفی عزت دی ہے۔ آپ نے اس لقب کو بڑے لوگوں کی رسائی سے محفوظ فرمایا ہے۔ ان پر یہ لفظ کسی طرح نہ آسکے گا۔ حضرت بریدہؓ کہتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لا تقولوا للمنافق سیّد فانه ان یك سیّداً فقد اسخطتم ربکم عزوجل۔[3]

ترجمہ: تم کسی منافق کو سید نہ کہنا وہ اگر ایسا ہو تو تم نے ایسا کہہ کر اپنے پروردگار کو غصے میں کر دیا۔

اس سے پتہ چلا کہ کسی بے دین کو سید نہیں کہا جا سکتا۔ غلام اپنے آقا کو سید کہہ سکتا ہے۔

---

[1] ذخیرۃ العباد اردو صفحہ ۲۱ [2] ذخیرۂ کرامت حصہ ۲ صفحہ ۲۶ [3] سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۳۲۴ اسنادہ صحیح جامع الاصول جلد ۱۱ صفحہ ۷۴۳

اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ سید ایک وصفی عزت ہے اگر یہ کسی خاندان کے لیے نشان ہوتا تو حضورؐ اسے عام لغوی معنی میں جاری نہ فرماتے. آپ نے یہ بھی فرمایا :۔

قوموا الیٰ سیّد کم ـــ اور آپ کا اشارہ سعد بن عبادہؓ کی طرف تھا جو انصار کے سردار تھے. حضورؐ نے اپنے بیٹے حضرت حسنؓ کو سید کہا تھا تو یہ وصفی عزت آپ نے اسے اس بڑے کردار پر دی کہ انہوں نے مسلمانوں کے دو عظیم گروہ جو ایک دوسرے سے جدا ہو چکے تھے اور ملتِ اسلامی دو ٹکڑے ہو کر رہ گئی تھی پھر سے جمع کیا اور سلطنت ایسے ہاتھوں میں دے دی جو اسلام کی سیاسی شوکت قائم کرنے میں وقت کا صحیح انتخاب تھے. حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

ابنی ھذا سیّد ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین من المسلمین۔[1]

ترجمہ: میرا یہ بیٹا سید ہے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے مسلمانوں کی دو (بڑی) جماعتوں میں صلح کرا دے.

تاریخ گواہ ہے کہ حضرت حسنؓ واقعی دو جماعتوں کو ایک کرنے میں سرداری لے گئے. شیعہ حضرات نے ہمیشہ اس ٹائیٹل کو ایک نسلی امتیاز سمجھا ہے اور پھر اس میں اتنی ٹھوکر کھائی کہ وہ اسے حضرت فاطمہؓ کی اولاد سے بھی خاص نہ کر سکے.

ہم نے یہ وضاحت اس لیے کی ہے کہ اہلسنت حضرات ان لوگوں کے ہاں لفظ سید کے عام استعمال سے اسے کوئی نسلی امتیاز نہ سمجھنے لگیں نہ انہیں اولادِ فاطمہ میں سے جانیں۔

اسلام اور شیعیت کے تقابلی مطالعہ میں جس طرح ہم نے اسلام کی یہ وضاحت کر دی کہ یہ دو سلسلے اسلام کی دو شاخیں نہیں بلکہ ہر دو فریق کے اپنے اپنے اسلام ہیں اور ہر دو فرقے ایک دوسرے سے اپنے اپنے علمی ماخذ میں بھی جدا جدا ہیں ـــ انہیں دو برابر کے عقیدے کہا جا سکتا ہے ایک اصول کی دو فروع (شاخیں) نہیں کہا جا سکتا نہ ان کے اختلاف فروعی اختلاف ہیں ـــ اسی طرح ہم نے لفظ شیعیت کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ ہمارے ان مباحث میں اس سے مراد اثنا عشری شیعہ ہیں نہ اسماعیلی یا بوہرے ـــ جن کے اپنے علیحدہ کوئی علمی ذخائر نہیں حاضر امام نے انہیں ہر فقہ اور ہر اجتہاد سے فارغ کر رکھا ہے.

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۳

شیعہ کے علمی ذخائر میں دوگونہ روایات

اثناعشری شیعوں نے پوری دنیا کے علمی ذخائر سے ایک بڑا اختلاف کر رکھا ہے۔ دنیا کے ہر مذہب اور ہر تہذیب میں راستی کو ہی درست سمجھا گیا ہے۔ علم انسان کو اندھیرے سے نکالتا ہے۔ علم کا اپنا کوئی اندھیرا نہیں ہوتا۔ اثناعشریوں نے اپنے علمی ذخائر میں علم کو اندھیروں سے ملایا ہے اور روایات صادقین (ائمہ اہل بیت) کو اندھیروں میں پرورش دی ہے۔ اس کے نتیجہ میں ان کے اہل علم موجب رسوائی ٹھہرا اور انہوں نے علم کو چھپانے میں عزت محسوس کی۔ حضرت امام جعفرؒ کے نام نے اپنے اصول یہ بات ڈالی :۔

یا سلیمان انکم علیٰ دین من کتمه اعزّه الله ومن اذاعه اذلّه الله۔ [1]

ترجمہ: اے سلیمان! تم ایک ایسے دین پر ہو جو اسے چھپائے گا اللہ اسے عزت دے گا اور جو اسے عام کرے گا اللہ اسے ذلیل کرے گا۔

کیا یہ بات امام جعفر صادقؒ نے فقہ جعفری ترتیب دینے کے لیے کہی کہ صحیح دین پیش نہ کیا جائے یا شیعہ مذہب کی یہ اساس شروع سے رہی ہے کہ ظاہر میں وہ دین پیش کرو جو تمہارا اصل دین نہ ہو۔ ملا یعقوب الکلینی نے امام باقرؒ کے نام سے یہ روایت وضع کی :۔

التقیة من دینی ودین آبائی ولا ایمان لمن لا تقیة له۔ [2]

ترجمہ: تقیہ کرنا میرا دین ہے اور میرے آباء کا بھی یہی دین تھا اور جو تقیہ نہ کرے اس کا ایمان کیسے قابل اعتبار ہو سکتا ہے۔

تقیہ کب کیا جائے جب کسی جابر کے جبر کا ڈر ہو کسی ظالم سے کوئی اندیشہ ہو؟ نہیں یہ ہمیشہ کے لیے واجب ہے اور اس وقت تک یہ حکم قائم رہے گا جب تک امام آخر الزمان کا ظہور نہیں ہو جاتا۔ شیخ صدوق اسے اپنے عقائد میں یہ جگہ دیتے ہیں :۔

التقیة واجبة لا یجوز رفعها الی ان یخرج القائم فمن ترکها قبل خروجه فقد خرج عن دین الله وعن دین الامامیة۔ [3]

ترجمہ: تقیہ واجبات دین میں سے ہے یہ حکم اس وقت تک نہیں اٹھ سکتا جب تک قائم آل محمد (امام مہدی) نہ نکلیں جس نے ان کے آنے سے پہلے تقیہ چھوڑ دیا وہ اللہ کے دین سے اور شیعہ مذہب سے نکل گیا۔

---

[1] اصول کافی مع شرح جلد ۳ ص ۳۳۶ [2] ایضاً ص ۳۳۱ [3]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ تقیہ کو رخصت نہیں سمجھتے اسے عزیمت کا درجہ دیتے ہیں اسے ایک وقتی ضرورت نہیں سمجھتے اسے تا ظہور قائم ایک مسلسل عمل قرار دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اب ان کا دینی لٹریچر تضادات کے ایک مجموعہ کے سوا اور کچھ نہ ہو سکے گا اور شیعہ مذہب شیعوں کو کتابوں سے نہیں ان کے زندہ مجتہدین سے ملے گا وہ جس روایت کو چاہیں موقع کے مطابق ترجیح دے دیا کریں سے

کس کا یقین کیجئے کس کا یقین نہ کیجئے — لائے ہیں بزم یار سے لوگ خبر الگ الگ

اسی وجہ سے یہ اس عقیدہ پر مجبور ہوئے کہ فوت شدہ مجتہد علماء کی تقلید جائز نہیں صرف زندہ علماء کی تقلید کی جائے۔ نجف اشرف کے مجتہد ابو القاسم الموسوی الخوئی کے فتاویٰ منہاج الصالحین کے نام سے بیروت کے مطبع دار الزہراء سے چھپے ہیں۔ اس میں مسئلہ ۲ اس طرح دیا گیا ہے :۔

اذا بقی علیٰ تقلید المیت غفلۃ او مسامحۃ من دون ان یقلد الحی فی ذٰلک کان کمن عمل من غیر تقلید وعلیہ الوجوع الی الحی فی ذٰلک [1]

ترجمہ۔ جب کوئی شخص غفلت اور سستی سے کسی فوت شدہ کی تقلید پر جما رہا اور اس نے کسی زندہ مجتہد کی تقلید نہ کی وہ اس دور میں غیر مقلد رہا۔ اس کے ذمہ ہے کہ اب وہ کسی زندہ مجتہد کی طرف رجوع کرے۔

اس اصول کی رو سے اثنا عشری علماء جو اس دنیا سے جا چکے ان کے تمام فتاوے کالعدم ہو گئے اور ان کا وہی دین وایمان رہ گیا جو ان کے زندہ علماء بیان کریں۔ ظاہر ہے کہ یہ وہ چکر ہے جس نے پورے کے پورے مذہب کو شکوک وشبہات اور بے سند روایات پر لا کھڑا کیا ہے پہلے تقیہ نے اس مذہب کی آدھی جان لے لی تھی اب باقی ماندہ اس اصول نے لے لی کہ مفتی کے فوت ہوتے ہی اس کے تمام فتوے فوت ہو جاتے ہیں۔ اس صورتِ حال میں یہ اثنا عشری شیعہ بھی تقریباً اسی سٹیج پر آ گئے جس پر اسماعیلی شیعہ پہلے سے کھڑے تھے کہ ایک حاضر امام کے ہوتے انہیں نہ کسی کتاب کی ضرورت ہے نہ کسی اجتہاد کی۔

عشق کی اک جست نے سب کر دیا قصہ تمام — ورنہ اس کو علم کا اک سلسلہ سمجھا تھا میں

مشترکہ مجالس میں اپنی کتابوں سے لاتعلقی

سرکاری مجالس میں حکام کبھی دو فریقوں کو بھی بلا لیتے ہیں کہ ان میں کچھ خوش آہنگی پیدا ہو

---

[1] منہاج الصالحین جلد ۱ صفحہ ۱۲ طبع ۲۲

اور ایک ملک میں رہنے والے مختلف مذاہب کے لوگ آپس میں زیادہ کشیدگی میں نہ رہیں. آپ نے ایسی مجالس کو ضرور دیکھا ہوگا جن میں سنی شیعہ کے مابین کبھی مصالحت کی کاروائی ہوتی ہے ایسے مواقع پر جب شیعہ علماء کو ان کی کتابیں دکھائی جائیں تو وہ بڑی مستعدی سے اپنی کتابوں سے بے نیازی اور لاتعلقی ظاہر کرتے ہیں اور حکام کو کہتے ہیں کہ یہ کتابیں صحیح نہیں ان میں بہت سی غلط روایات بھی موجود ہیں زیادہ بہتر یہی ہے کہ ان کو چھیڑا نہ جائے ورنہ ان سے خلیج اختلاف اور زیادہ وسیع ہوگی پھر حکام بھی ان کی دلجوئی کرتے ہیں اور افسران کے روبرو ان کو اپنی کتابیں دیکھنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ ایسا کیوں؟ یہ اس لیے کہ یہ کتابیں تقیہ پر مبنی روایات اور فوت شدہ علماء کے فتاویٰ سے لاتعلقی پر تمسک کی ہدایات کے باعث اپنی افادیت کھو چکی ہیں ان سے مصالحت کی جو بات ہوتی ہے زبانی کلامی ہوتی ہے اور اس بات کو کبھی سامنے نہیں آنے دیا جاتا کہ یہ ایک دوسرے سے لاتعلقی تبرا اور اظہار برأت کیسے ان کے مذہب کا اصول بن گیا ہے۔

ان کنت لا تدری فتلک مصیبة   وان کنت تدری فالمصیبة اعظم

علم سے بے نیازی انہیں کہاں تک لے گئی

اپنی تاریخ سے بے خبری اور علم سے بے نیازی انہیں کہاں تک لے گئی اہل علم اس کا تصور نہیں کر سکتے کہ کوئی جماعت اپنے بانی کے تاریخی وجود کا انکار کر دے شیعی فکر کا بانی (ایک یہودی) عبداللہ بن سبا حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں یمن سے نمودار ہوا اس نے آسمانی امامت کا بیج بویا. تاہم اثناعشری عقیدہ کی بنا چونکہ بارہ اماموں پر تھی اس لیے یہ مذہب گیارہویں امام حسن عسکری (۲۶۰ھ) کی وفات کے بعد تدوین کی منزل میں آیا اور چوتھی صدی کے شروع میں ان کے اصول اربعہ میں سے پہلا اصول الکافی للکلینی (۳۲۸ھ) مرتب ہوا ان کے ہاں چارسو دستاویزات تھیں جن سے اس نے ترتیب پائی. سو شیعی فکر اور شیعی مذہب میں تقریباً تین صدیوں کا تاریخی فاصلہ ہے. شیعی فکر عبداللہ بن سبا کی سربراہی میں حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری دو سالوں میں پیدا ہو چکی تھی البتہ شیعی مذہب چوتھی صدی ہجری میں مرتب ہوا.

عبداللہ بن سبا کے تاریخی وجود سے انکار

عبداللہ بن سبا کے تاریخی وجود سے انکار تاریخ سے ایک کھلا مذاق ہے یہ اسی طرح

ہے جیسے مرزا حیرت دہلوی نے ایک دفعہ کہا تھا کہ واقعہ کربلا تاریخ میں کبھی نہیں ہوا یہ لوگوں کی اپنی اختراع ہے حضرت حسینؓ تو اپنی طبعی وفات سے مدینہ میں فوت ہوئے۔ لڑنے والے کے تو ہاتھ روکے جا سکتے ہیں مگر بولنے والے کی زبان نہیں روکی جا سکتی وہ کتنا ہی غلط نہ بول رہا ہو۔

صحیح بخاری پختگی ثبوت میں تاریخ بنی آدم میں ایک بے مثال تالیف ہے اس کے مطالب سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس کے ثبوت میں نہیں۔ اس میں ایک زندیق (عبداللہ بن سبا) کا حضرت علیؓ کے حکم سے مارا جانا صریح طور پر مذکور ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اثنا عشری مذہب اس کی وفات کے مدتوں بعد بنا لیکن اس میں شک نہیں کہ اثنا عشریوں کے عقائد انہی اصولوں پر مرتب ہوئے جو ابن سبا نے پھیلائے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ سے سبائی اور اثنا عشری ناموں کا مصداق ایک ہی گروہ چلا آ رہا ہے۔ حضرت علیؓ کے لشکر میں آخر دم تک یہ سبائی موجود رہے۔ معرکہ صفین کے بعد یہ باقاعدہ منظم ہوئے اور خوارج کے نام سے انہوں نے شہرت پائی۔

عبداللہ بن سبا حضرت علیؓ کے آسمانی عہدہ امامت کا عقیدہ رکھتا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد اس عقیدے کے بہت سے لوگ حضرت علیؓ کی افواج میں آ شامل ہوئے۔ آپ انہیں نکال نہ سکتے تھے اور ان کی عام بغاوت کا آپ کو ہمیشہ خدشہ لگا رہتا تھا۔ یہی لوگ تھے جنہوں نے جنگ صفین کے بعد حضرت علیؓ سے اس مسئلے میں اختلاف کیا کہ آپ نے حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کو حکم تسلیم کر کے کفر کا ارتکاب کیا ہے۔ یہ کفر تبھی ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؓ کی امامت زمینی منصب نہ ہو کوئی آسمانی منصب ہو جس کا انکار کفر ہو۔ زمینی افراد (جیسے خاوند اور بیوی) تو اپنے میں حکم مقرر کر سکتے ہیں وہ کسی آسمانی منصب پر نہیں ہوتے لیکن آسمانی امامت کا داعی کبھی کسی شخص کو اپنے عہدے سے دستبرداری کا اختیار نہیں سونپ سکتا۔ جب حضرت علیؓ نے ابو موسیٰ الاشعریؓ کو یہ اختیار سونپ دیا تو یہ اپنے عہدہ امامت کا انکار تھا اور سبائی عقیدہ میں یہ کفر تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے خارجیوں سے مناظرہ کرتے وقت انہیں تحکیم کے جواز میں جو دلائل دیئے وہ اتنے واضح ہیں کہ کوئی سلیم الفطرت انسان ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ بایں ہمہ بیشتر خوارج ان کے ہم خیال نہ ہوئے۔ یہ اس لیے تھا کہ وہ سبائی عقیدہ کے مطابق حضرت علیؓ کو آسمانی عہدہ امامت کا امام سمجھتے تھے اور آسمانی عہدہ سے دستبرداری کی تجویز واقعی اپنے لیے کفر کا دروازہ کھولنا ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ فتنہ خوارج دراصل ایک سبائی تحریک تھی جو پہلے حضرت عثمانؓ

کے خلاف اٹھی تھی۔ اس وقت ان کا خروج حضرت عثمانؓ کے خلاف تھا۔ پھر یہ لوگ زبردستی
حضرت علیؓ کی فوجوں میں آ گھسے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ امامت ایک آسمانی عہدہ ہے۔ جو
حضور اکرمؐ کے بعد حضرت علیؓ کو حاصل تھا۔ واقعہ تحکیم کے بعد یہ حضرت علیؓ کے خلاف ہو گئے
حضرت علیؓ اور معاویہؓ کے صرف سیاسی اختلافات تھے اعتقاداً دونوں ایک تھے۔ صحابہؓ میں آپس میں کوئی
اعتقادی فتنہ نہ پھوٹا تھا۔ تاریخ اسلام میں پہلا اعتقادی فتنہ تحریک خوارج رہی اور یہ اسی سبائیت
کی ایک دوسری کڑی تھی جو حضرت عثمانؓ کی شہادت کا موجب ہوئی تھی اور اس کی تیسری کڑی یہ
اثنا عشری مذہب کی تشکیل و تدوین رہی جس کا مدار بارہ اماموں کے آسمانی عہدہ امامت پر رہا۔ یہ
یہ لوگ بڑے فخر سے اپنے آپ کو امامی کہتے ہیں۔ اس عقیدے کو ساسانی ایران میں بادشاہوں
کا ربانی حق کہا جاتا رہا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ایک دفعہ تقسیم غنائم کے موقع پر ایک شخص نے
سر اٹھایا اور حضورؐ سے عدل کرنے کو کہا۔ آپ نے فرمایا اگر میں عدل نہ کروں گا تو اور کون کرے
گا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے آسمانی باتوں کا امین بنایا تم زمینی امور میں مجھے امین نہیں سمجھتے۔ آپ
نے یہ بھی فرمایا کہ اس جڑ سے ایک قوم نکلے گی کہ تم اپنے اسلام کو ان سے کمزور محسوس کرو گے
۔ آپ نے ان کے بارے میں فرمایا۔ یمرقون من الاسلام۔ یہ لوگ اسلام سے اس طرح
نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ اس اساس پر یہ لوگ خوارج کہلائے (اسلام
سے نکل جانے والے) ان لوگوں نے صراحۃً اسلام کا انکار نہ کیا تھا عدلِ رسالت سے انکار
کیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت کے آخر میں یہ لوگ آپ کے خلاف اٹھے اور آپ
پر وہی عدل نہ کرنے کا الزام لگایا جو یہ لوگ پہلے حضورؐ پر لگا چکے تھے۔ عبداللہ بن سبا نے
ان کی قیادت یہاں تک کی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا۔ پھر یہ لوگ زبردستی حضرت علیؓ
کی فوجوں میں جا گھسے۔ یہ لوگ حضرت علیؓ کو چلنے نہ دیتے تھے۔ حضرت علیؓ نے انکے بارے میں فرمایا۔

یملکوننا ولا نملکھم۔ (نہج البلاغہ جلد ۱ ص ۹۸)

ترجمہ۔ یہ ہمارے حاکم بنے بیٹھے ہیں ہم ان پر کوئی اختیار نہیں رکھتے۔

حضرت علیؓ کو امر خلافت میں ناکام کرنے میں یہ لوگ ہمیشہ پیش پیش رہتے۔ آپ نے
انہیں صاف لفظوں میں اپنا نافرمان بتلایا۔

ایتھا الفرقۃ التی اذا امرت لم تطع واذا دعوت لم تجب ان امھلتم

خضتم وان حوربتم خرتم وان اجتمع الناس علی امام طعنتم
وان اجئتم الی مشاقة نکصتم لا ابا لغیرکم .[1]

اے وہ جدا ہونے والو! جب میں کوئی حکم دوں تو نہ ماننے والے ہو اور
جب میں تمہیں آواز دوں تو تم جواب نہیں دیتے . اگر میں تمہیں ڈھیل
دوں تم تھک جاتے ہو اور اگر تمہیں لڑنے کا کہا جاتے تو تم چیخ اٹھتے ہو
اور اگر لوگ کسی امام پر جمع ہو جائیں تو تم ان خلفاء پر طعن کرنے لگتے ہو اور
اگر تمہیں کسی مہم پر لے جایا جائے تو تم منہ پھیر لیتے ہو .

پھر تحکیم کے موقع پر یہ واقعی حضرت علیؓ سے جدا ہوئے اور انہوں نے خوارج
نام پایا . اب انہوں نے اپنے اختلافات باقاعدہ وضع کیے . جس طرح پہلے یہ حضرت معاویہؓ
کے مخالف تھے . اب یہ حضرت علیؓ کے بھی مخالف ہو گئے . عبدالرحمن بن ملجم حضرت علیؓ کا قاتل
انہی میں سے تھا . انہوں نے ہی حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کو ایک ہی
رات میں قتل کرنے کی سازش کی تھی . اب یہ ان تینوں اور ان کی اولاد کے مخالف تھے . حضرت
حسینؓ اور یزید دونوں کے خلاف ایک جیسے تھے .

---

[1] نہج البلاغۃ جلد ۱ ص ۱۲۱

پرویزی عقائد

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :۔

پرویزی عقائد سے مراد باعتبار جنس تحریک انکارِ حدیث کے انکار و نظریات ہیں۔ ہندوستان میں یہ تحریک مشہور اہل حدیث عالم مولوی محمد عبداللہ چکڑالوی سے اُٹھی ان کا پہلا نام غلام نبی تھا۔ پھر نئے نئے منکرین نئے نئے الفاظ سے یہی راگ الاپتے رہے۔ مگر یہ صحیح ہے کہ اس تحریک کو جو ادبی رنگ جناب غلام احمد پرویز ( ) نے دیا وہ اس تحریک کے پہلے داعی اسے نہ دے سکے تھے۔ دین و مذہب مجازات کے پیرائے نہیں چلتا اور حقائق مجاز کا لباس نہیں پہنتے۔ پنجاب میں ایک نبوت مجاز پر اٹھی اور ایک تفسیر نے مجاز کی گرد پیمائی میں قرآن کو ایک نئے معنی دیئے اور پھر انہی نظریات پر کچھ رسائل اور پمفلٹ لکھے گئے۔ آج کے اس بیان میں ہم اپنے قارئین کو اس نئے لٹریچر کی روشنی میں اسلام کی ان چند نئی تفسیرات کا تعارف کراتے ہیں۔ ان کی تردید کی چنداں ضرورت نہیں۔ ان کا غلط ہونا از خود واضح ہے۔

قرآن پاک سے پتہ چلتا ہے کہ رسول ایک انسان ہوتا ہے جو کھاتا بھی ہے۔ پیتا بھی ہے اور بازاروں میں بھی چلتا ہے۔ کافروں کو اسی پر اعتراض تھا کہ رسول کسی اور درجے کی مخلوق کیوں نہ ہوا۔ یہ کیسا رسول ہے جو رسالت کے ساتھ بشریت بھی رکھتا ہے۔

وقالوا مال ھٰذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق لولا انزل الیہ ملک فیکون معہ نذیرا۔ (پ۱۸ الفرقان ۷)

ترجمہ۔ اور وہ کہنے لگے یہ کیسا رسول ہے کھاتا ہے کھانا اور چلتا ہے بازاروں میں۔ کیوں نہ بھیجا گیا اس کی طرف کوئی فرشتہ کہ رہتا اس کے ساتھ (لوگوں کے) ڈرانے کو۔

مگر پرویز کہتا ہے رسول سے مراد مرکز ملت ہے کوئی بشری شخصیت جو خدا کے جہاں سے لوگوں کے سامنے آتی ہو خدا کی بات پہنچانے کے لیے۔

چوہدری پرویز لکھتے ہیں :۔

قرآن کریم میں جہاں اللہ اور رسول اللہ کا ذکر آیا ہے اس سے مراد مرکز نظام حکومت ہے۔ لہ

حضورؐ جب تک دنیا میں تھے آپ مرکز نظام حکومت تھے۔ آپ کی ان دنوں پیروی مرکز نظام حکومت کی پیروی کے طور پر تھی جب آپ کی وفات ہوئی تو یہ پیروی اگلے مرکز نظام حکومت میں منتقل ہو گئی۔ آج پاکستان میں یہ مرکز نظام حکومت پاکستان کی قومی اسمبلی ہے۔ چودھری پرویز لکھتے ہیں :۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود موجود تھے تو بحیثیت مرکز ملت آپ کی اطاعت فرض اولین تھی۔ سلہ

ایک غلطی کا ازالہ

مسلمان جب کبھی یہ کہتے ہیں کہ پرویزی عقیدہ کے لوگ حدیث کو حجت نہیں مانتے تو پرویزی اس کی تردید کرتے ہیں اور اپنی تردید میں وہ مسٹر پرویز کی وہ عبارات پیش کرتے ہیں جو انہوں نے حضور کی اطاعت بطور مرکز نظام حکومت پر لکھی ہیں۔ ان میں اس دور کے لیے ایک جدید مرکز حکومت کی پیروی کی تعلیم ہے نہ کہ اطاعتِ رسول بایں طور کہ وہ اللہ کا بھیجا ہوا ہے اور اس نے جو کچھ کہا یا کیا عصمت کے سائے میں کیا اور وہ ہمیشہ کے لیے لائق اطاعت ہے۔ پرویز لکھتا ہے :۔

اسلامی نظام میں اطاعت امام موجود کی ہو گی جو قائم مقام ہو گا اللہ اور رسول یعنی مرکز نظام حکومت اسلامی کا۔ سلہ

عقیدۂ ختم نبوت میں ایک نئی راہ

پہلے انسانوں کی دینی زندگی میں انقلاب پیغمبروں کے ذریعے آتا تھا۔ کامل ترین پیغمبر حضرت خاتم النبیینؐ کی آمد پر سلسلہ نبوت ختم ہو گیا۔ اب آئندہ کسی کو نبوت نہ ملے گی۔ گو اس میں کوئی شریعت نہ آئے کیونکہ اب کسی انقلاب کی ضرورت ہی نہ پڑے گی۔ حضور خاتم النبیین کا لایا انقلاب قیامت تک کی ہر ضرورت کو شامل ہے مگر پرویز کے نزدیک حضور خاتم النبیین

لہ معارف القرآن جلد ۴ صفحہ ۲۲۳ سلہ مقام حدیث جلد ۱ صفحہ ۱۹ سلہ اسلامی نظام صفحہ ۱۱۲

کے بعد بھی انقلابات کی ضرورت ہے۔ قرآن صرف یہ رہے گا کہ اب انقلاب شخصوں (پیغمبروں) کے ہاتھوں نہیں تصورات کے ذریعے رونما ہوا کرے گا اور وہ نئے نئے تصورات کن کے دماغوں میں اٹھیں گے قومی اسمبلی کے دماغ میں۔ وہ جو کچھ اپنی قومی اسمبلی میں طے کریں گے وہی مرکز نظام اسلام اور قال اللہ اور قال الرسول کی صدا ہوگا۔

چودھری پرویز لکھتے ہیں :۔

> ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اب دنیا میں انقلاب شخصیتوں کے ہاتھوں نہیں بلکہ تصورات کے ذریعہ رونما ہوا کرے گا اور انسانی معاشرے کی باگ ڈور اشخاص کی بجائے نظام کے ہاتھوں میں ہوا کرے گی۔[1]

اس سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی جس طرح مسلمانوں کے ہاں حضرت خاتم النبیین ؐ کے بعد کسی اور ذہنی انقلاب کی ضرورت نہیں۔ نظر و فکر کا آخری انقلاب وقوع میں آچکا، پرویزیوں کا یہ عقیدہ نہیں۔ وہ حضرت خاتم النبیین کے بعد بھی تاریخ کے مختلف موڑوں پر انقلاب کے منتظر ہیں لیکن یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اب انقلابات انسانی افراد سے نہیں تصورات کے ذریعہ رونما ہوا کرے گا۔ یہی وہ بات ہے جو قادیانی کہتے ہیں لیکن وہ اس انقلاب کو غیر تشریعی نبوت کے ذریعہ رونما کرتے ہیں۔ گویا اس فکری انقلاب کے حق میں قادیانی اور پرویزی دونوں ضرورتمند ہیں۔ قادیانی اس ضرورت کو مسیح موعود کے نام سے پورا کرتے ہیں اور پرویزی اسے طلوع اسلام کا نام دیتے ہیں لیکن اس انقلاب کے ضرورت مند دونوں ہیں مسلمان ہیں جو حضرت خاتم النبیین کے بعد کسی نئی ہدایت کا عقیدہ نہیں رکھتے۔ کتاب و سنّت کے بعد وہ کتاب و سنت سے عمل کشید (فقہ و اجتہاد) کے تو قائل ہیں لیکن کسی فکری انقلاب کے قائل نہیں۔ سو ختم نبوت کی بحث میں پرویزی مسلمانوں کی بجائے قادیانیوں کے زیادہ قریب ہیں گو وہ انہیں اپنی غیر مسلم اقلیت میں داخل کرنے کے لیے قطعاً تیار نہیں۔

شریعت رسول جب عارضی تھی تو اب یہ قابل نسخ کیوں نہ سمجھی جائے

پہلے پرویز کے الفاظ میں یہ جان لیجئے کہ شریعتِ رسول واقعی قرآن کی ایک

[1] سلیم کے نام پندرہواں خط ص۲۵ طبع اول

وقتی تشکیل تھی۔ یہ وقتی ہونا ہی بتاتا ہے کہ پرویزیوں کے ہاں شریعت رسول ایک قابل نسخ علمی دستاویز ہے۔ انہیں حدیث کے وجود میں زیادہ کلام نہیں۔ زیادہ کلام اس کی بقا اور ابدی حجیت میں ہے۔ چودھری صاحب لکھتے ہیں:۔

طلوع اسلام بار بار متنبہ کرتا رہا ہے اور اب پھر ملت کو متنبہ کرتا ہے کہ خدا کے لیے ان چور دروازوں کو بند کرو۔ دین کی بنیاد صحیح قرآن اور فقط قرآن ہے جو ابدالآباد تک کے لیے واجب العمل ہے۔ روایات اس عہد مبارک کی تاریخ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذین معہ نے اپنے عہد میں قرآنی اصول کو کس طرح متشکل فرمایا تھا۔ یہ اس عہد مبارک کی شریعت ہے۔ قرآنی اصول کی روشنی میں کسی فرد واحد کو جزئیات مستنبط کر کے اپنے عہد کے لیے شریعت بنا دینے کا حق نہیں ہے..... یہ حق صرف صحیح قرآنی خطوط پر قائم شدہ مرکز ملت اور اس کی مجلس شوریٰ کا ہے..... پھر یہی جزئیات ہر زمانے میں ضرورت پڑنے پر تبدیل کی جا سکتی ہیں۔ یہی اپنے زمانے کے لیے شریعت ہیں۔ [1]

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعین فرمودہ جزئیات کو قرآنی جزئیات کی طرح قیامت تک واجب الاتباع رکھنا تھا تو قرآن نے ان جزئیات کو بھی خود ہی کیوں نہ متعین کر دیا۔ یہ سب جزئیات ایک ہی جگہ محفوظ ہو جائیں۔ اگر اللہ کا منشاء یہ ہوتا کہ زکوٰۃ کی شرح قیامت تک کے لیے ڈھائی فیصد ہونی چاہیئے تو یہ قرآن میں خود ہی بیان کر دیتا۔ [2]

حدیث جمع کی ہی اس لیے گئی کہ قرآنی دین کے مقابل اور دین کھڑا کیا جائے

چودھری پرویز لکھتے ہیں:۔

دیکھتے ہی دیکھتے روایات کا ایک انبار جمع ہو گیا اور اس طرح دین کے مقابل جو اللہ نے دیا تھا ایک اور دین مدون کر کے رکھ دیا اور اسے اتباع سنت رسول اللہ قرار دے کر امت کو اس میں الجھا دیا۔ [3]

---

[1] مقام حدیث جلد ۱ ص ۱۹۱ [2] ایضاً جلد ۲ ص ۲۹۲ [3] ایضاً جلد ۱ ص ۴۲۱

جب شروع میں ہی اُمت اس نئے دین میں اُلجھ گئی تو کیا دین غالب آتے ہی مٹ نہ گیا۔

پرویزی شروع سے ہی اس غلط عقیدے پر چلتے آ رہے ہیں کہ جونہی اسلام دورِ اول میں تمام دنیا پر غالب آیا اور قیصر و کسریٰ کی عظیم سلطنتیں حلقہ بگوش اسلام ہوئیں مسلمان مصر کے آگے افریقہ میں داخل ہوئے اس کے فوراً بعد فکری طور پر سارا اسلام اپنی راہ بھول گیا اور اسلامی عدالتوں کے فیصلے حدیث و فقہ پر ہونے لگے۔ یہاں تک کہ پورا آفتاب اسلام غروب ہو گیا۔

چودھری پرویز سلیم کے نام اپنے پندرہویں خط میں لکھتے ہیں :۔

اس تیرہ سو سال کے عرصہ میں مسلمانوں کا سارا زور صرف اس پر رہا کہ کسی نہ کسی طرح اسلام کو قرآن سے پہلے زمانے کے مذہب میں (دورِ جاہلیت میں) تبدیل کر دیا جائے چنانچہ اس کوشش میں وہ کامیاب ہو گئے اور آج جو اسلام زمانے میں مروج ہے وہ زمانہ قبل از قرآن کا مذہب ہو تو ہو قرآنی دین سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ [1]

وہ دین جو اپنی عمر کی ایک صدی بھی صراطِ مستقیم پر نہ رہ سکا اس کے بارے میں قرآن کریم کی یہ آیت کیسی ناقابلِ فہم معلوم ہوتی ہے :۔

جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقاً۔

چودھری پرویز نے کتنا جرأت سے اعلان کیا کہ پہلا اسلام آج سے تیرہ سو سال پہلے ہی سے پورا غروب ہو چکا ہے۔ اب وہ اسے نئے سرے سے دوبارہ طلوع کریں گے۔ وہ اس دلکش نعرے کے ساتھ ہی قبر میں اُتر گئے اور وہ اسلام جو وہ چاہتے تھے کہیں طلوع نہ ہو پایا۔

وہ اسلامی عقائد جن کا پرویزیوں نے برسرِ عام انکار کیا ہے

چودھری پرویز کا ارکانِ دین کا مختلف دینی تصور :

حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

---

[1] سلیم کے نام خطوط صفحہ ۲۵۲/۲۵۳ طبع ۱۹۵۳ء ۲۵، اگست

بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمداً عبدہ ورسولہ
واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ والحج وصوم رمضان۔ (متفق علیہ)

اب آپ خود سمجھیں کہ یہ وقتی طور پر دین کی تشکیل کی جارہی ہے یا حضور اسلام کو ایک آفاقی دین کے طور پر تشکیل دے رہے ہیں۔ ہم یہاں صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ چودھری پرویز کے ہاں ان ارکان اسلام کی کیا حقیقت ہے۔ ان پانچ میں پہلی حقیقت ایمان ہے اور ظاہر ہے کہ وہ کوئی قابل تبدیل حقیقت نہیں۔ توحید ورسالت کا اقرار اسلام کی ایک ابدی حقیقت ہے۔ ظاہر ہے کہ اس مرکز کے گرد نماز وزکوٰۃ۔ روزہ اور حج کے ارکان بھی اسلام کی ایک لافانی تعلیم ہوں گے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ہاں بھی نماز وزکوٰۃ کے اعمال تھے۔ کان یأمر اھلہ بالصلوٰۃ والزکوٰۃ (مریم ۵۵) اور حضرت عیسےٰ بن مریم بھی اپنے طریق پر نماز وزکوٰۃ کے پابند تھے۔ واوصانی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ۔ (مریم ۳۰) تفصیلات مختلف شرائع میں مختلف ہوسکتی ہیں اور ہر امت اپنے پیغمبر کے خاکہ عمل پر عمل پیرا رہی ہے۔

جنت و دوزخ کے وجود خارجی کا انکار

اسلامی عقائد میں جنت و دوزخ پر ایمان۔ تقدیر پر ایمان آخرت پر ایمان اور معجزات پر ایمان ضروریات عقائد اہل سنت میں سے ہے۔ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ دوزخ اور جنت پہلے سے قائم کی جاچکی ہیں۔

واتقوا النار التی اعدت للکافرین۔۔۔ وسارعوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضھا السموات والارض اعدت للمتقین۔ (پ۴ آل عمران ۱۳۳)

ترجمہ۔ اور بچو اس آگ سے جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔۔۔۔۔ اور دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کا عرض آسمانوں اور زمین کا ہے اور وہ تیار کی گئی ہے پرہیزگاروں کے لیے۔

طول وعرض کس کا ہوتا ہے؟ جسم کا۔ اس سے واضح ہے کہ جنت اور دوزخ دونوں وجودی چیزیں ہیں اور دونوں مخلوق ہیں۔

اب ان پر چودھری پرویز کا عقیدہ ملاحظہ ہو:۔

بہرحال مرنے کے بعد کی جنت اور جہنم مقامات نہیں انسانی ذات کی

کیفیات ہیں۔[1]

تقدیر پر ایمان رکھنے سے کھلی گریز پائی

چودھری پرویز مجوسیوں (ایران کے آتش پرستوں) کی شکایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

انہوں نے تقدیر کے مسئلے کو اتنی اہمیت دی کہ اسے مسلمانوں میں جزو ایمان بنا دیا۔ چنانچہ ہمارے ایمان میں والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ کا چھٹا جزو انہی کا داخل کیا ہوا ہے۔[2]

مجوسی تو قطعاً ایک خدا کے قائل نہ تھے۔ وہ یزدان اور اہرمن کو خیر اور شر کے دو خالق مانتے تھے۔ جس طرح عیسائی تین اقانیم کے قائل ہیں۔ یہ دو علیحدہ علیحدہ خداؤں کا عقیدہ رکھتے تھے۔ چودھری پرویز نے انہیں مسلمانوں کے عقیدہ تقدیر کا ماخذ کہہ کر اپنی تاریخدانی پر ایک بڑی شہادت پیش کی ہے۔

معجزات پر ایمان نہ لانے کے لیے تاریخ کا ایک اور سہارا

مخالفین بار بار نبی کریمؐ سے معجزات کا تقاضا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر بار ان کے مطالبات کو یہ کہہ کر رد کر دیتا ہے۔ کہ ہم نے رسول اللہؐ کو کوئی حسی معجزہ نہیں دیا۔ اس کے معجزات صرف دو ہیں۔ ۱۔ یہ کتاب جس کی مثل ونظیر کوئی پیش نہیں کر سکتا۔ ۲۔ خود اس رسول کی اپنی زندگی جو سیرت و کردار کے بلند ترین کردار پر فائز ہیں۔[3]

پھر چودھری صاحب دو سے بھی صرف ایک پر آگئے اور برملا کہا:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے سوا کوئی معجزہ نہیں دیا گیا۔[4]

معراج جسمانی کا انکار

سورۃ بنی اسرائیل کی آیت اسراء میں کہا گیا ہے کہ خدا اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے گیا تاکہ وہاں اسے اپنی آیات

---

[1] لغات القرآن جلد ۱ ص۴۹۴ [2] آخری فیصلے ص۱۹ [3] سلیم کے نام خطوط ص۲۹ ص۱۲ ص۱ [4] ص۵۱ [5] ایضاً ص۲/۳۶

دکھلائے.... اگر یہ واقعہ خواب کا نہیں تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شب ہجرت کا بیان ہے. اس طرح مسجد اقصیٰ سے مراد مدینہ کی مسجد نبوی ہوگی جسے آپ نے وہاں جاکر تعمیر کروایا.[۱]

اس عبارت کے ایک ایک لفظ پر غور کریں. آپ یقین سے کہیں گے کہ چودھری پرویز بری طرح وادی حیرت میں گم ہیں وہ کوئی بات یقین سے کہتے دکھائی نہیں دیتے. پھر قرآن کی بات کو اس پیرایۂ بے یقینی میں کہنا کیا کسی مسلمان کا کام ہو سکتا ہے ؟

پورے اسلام سے ایک کھلا مذاق

حضورؐ نے اسلام کو لاوارث نہیں چھوڑا تھا. ختم نبوت کا اعلان فرمایا تو علماء امت کو ورثۃ الانبیاء فرمایا. علماء کو بھی آزاد نہ رکھا. ما انا علیہ واصحابی کا پابند کر دیا. ان میں ابوبکرؓ اور عمرؓ کا نام لے کر امت میں ان کی اقتدا چلائی. چودھری پرویز نے ورثۃ الانبیاء کے تاریخی لفظ کو ملائیت سے بدلا :-

> اس پیشوائیت نے جس کا ہمارے یہاں ملائیت نام ہے آہستہ آہستہ مسلمانوں کو یہ افیون پلانا شروع کی کہ دنیا کے معاملات دنیا داروں کا حصہ ہیں جو اس مردار کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں. مذہب انسانوں کی عاقبت سنوارنے کے لیے ہیں.... تم صرف یہ سمجھ لو کہ فلاں بات کا حکم ہے اس لیے اسے کرنا ہے اور اس کا ثواب تمہارے اعمال نامہ میں لکھا جائے گا اور یہ تمام پرزیاں قیامت کے دن ترازو میں رکھ کر تولی جائیں گی اور جنت میں لے جانے کا ذریعہ بن جائیں گی.[۲]

کتنا بڑا جھوٹ ہے کہ جو مولوی ہر روز مسجد میں یہ دعا جہرا کرتا ہے اور اکثر اسے نمازوں میں بھی پڑھتا ہے وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ مذہب صرف انسان کی آخرت سنوارنے کے لیے ہے.

ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار.

(پ۲ البقرہ ۲۰۱)

---

[۱] معارف القرآن جلد ۴ ص۱۳۵

اگر وہ یہ کہتا ہے کہ قیامت کے دن اعمال ترازو میں تولے جائیں گے تو صرف اس لیے کہ اس کی خبر قرآن کریم میں دی گئی ہے۔

والوزن یومئذن الحق فمن ثقلت موازینہ فاولئک ھم المفلحون (پ ۸ اعراف)

اب جس طرح چودھری پرویز اس مولوی پر برس رہے ہیں اس کی امید کیا کسی شریف آدمی سے کی جا سکتی ہے۔ چودھری پرویز کی اس طعن تحریر کو پڑھ کر سوائے اس کے نہیں کہ شریف انسان اسے پڑھے شرم سے سر جھکا دے اور کیا ہو سکتا ہے:۔

دیکھئے ان احادیث کی رو سے وہی جنت جس کے حصول کا طریقہ اوپر مذکور ہے کتنے سستے داموں ہاتھ آجاتی ہے لیجئے اب روایت کی رو سے جنت کے ٹکٹ خریدیئے۔ دیکھیے کتنی سستی جا رہی ہے۔ سب سے پہلے السلام علیکم کہیئے اور ہاتھ ملایئے۔ لیجئے جنت مل گئی۔ ابوداؤد کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا کہ جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو ان دونوں کے جدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ انہیں بخش دیتا ہے۔ اب مسجد چلئے اور وضو کیجئے اور جنت خریدیئے۔ مسلم کی حدیث ہے کہ وضو کرنے والے کے تمام گناہ پانی کے ساتھ ٹپک جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ پانی کا آخری قطرہ ہر عضو کے آخری گناہ کو ساتھ لے کر ٹپکتا ہے لیجئے کس قدر سستی رہی جنت۔ وضو کیا تمام گناہ اس کے پانی میں بہہ گئے اور ساتھ دو رکعتیں نفل بھی پڑھ لے تو خود رسول اللہؐ سے بھی آگے آگے جنت میں پہنچ گئے۔ اس سے بھی آسان مسلم کی حدیث ہے کہ جو شخص مؤذن کے جواب اذان کے الفاظ دہراتا ہے تو وہ شخص جنت میں جائے گا۔

ملا کے مذہب نے جرائم کے لیے ایسا لائسنس دے رکھا ہے کہ صبح سے شام تک جرم پر جرم کیے جاؤ لیکن ساتھ نمازیں بھی پڑھتے جاؤ سب جرم معاف ہوتے جائیں گے ترمذی کی حدیث ہے چالیس دن تکبیر اولیٰ کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرنے والا دوزخ اور نفاق دونوں سے بری کر دیا جاتا ہے لیجئے ایک چلہ پورا کر لیجئے اور عمر بھر جو دل میں آئے کیجئے دوزخ میں آپ کبھی نہیں جا سکتے۔ [۱]

---

[۱] مقام حدیث جلد ۲ ص ۹۶ تا ص ۱۰۰ ملخصا

شرک کی حقیقت

سوال شرک کی کیا ایک ہی حقیقت ہے یا اس کی بھی کچھ قسمیں ہیں. اگر کوئی شخص کسی مخلوق کو عبادت میں تو شریک نہ کرے لیکن اللہ تعالیٰ کی بعض صفات میں اسے عطائی طور پر شریک کرے تو کیا یہ بھی شرک ہے؟ جس طرح کفر کے مختلف درجے ہیں کفر دون کفر کسی سے پوشیدہ نہیں. یہ وہ کفر ہے جو حقیقی کفر سے نیچے ہے کیا اس طرح شرک کے بھی کچھ ایسے پیمانے ہیں جو اپنی ذات میں شرک نہیں نہ وہ ایمان کے منافی ہیں اور ایک مومن کو شرک کی اس آلودگی میں دیکھا جا سکتا ہے؟ بینوا توجروا.

جواب شرک کی اصولی درجے میں دو قسمیں ہیں:

۱. شرک اکبر اور ۲. شرک اصغر

شرک اصغر وہ شرک ہے جس پر لفظ شرک حدیث میں وارد ہے مگر کمزور درجے کے کئی مومن بھی اس میں گھرے دیکھے جاتے ہیں. اس شرک سے کوئی مومن ایمان کی حدود سے نہیں نکلتا.

۱. قرآن پاک میں جس شرک کا ذکر ہے اور ناقابلِ مغفرت ٹھہرایا گیا ہے شرکِ اکبر ہے اور وہ ہی اس آیت میں مذکور ہے:

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشآء ومن یشرک باللہ فقد ضل ضلالاً بعیداً. (پ النساء ۱۱۶)

ترجمہ. بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے نیچے جو کچھ ہے وہ جس کے لیے چاہے بخش دے.

۲. یہ شرک کفر کے حکم میں ہے یہ کسی طرح بھی ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا. یہ کفر کے درجے تک پہنچتا ہے اور کفر کے بارے میں یہی فیصلہ ہے کہ وہ بخشا نہ جائے اور وہ توبہ نہ کر پائے تو اس کی بخشش نہیں کافر کبھی جنت میں نہ جا سکیں گے. ہاں اس سے توبہ ہو سکتی ہے لیکن یہ بدل توبہ کسی طرح بھی لائق مغفرت نہیں.

ان الذین اٰمنوا ثم کفروا ثم اٰمنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفراً لم یکن اللہ لیغفر لھم. (پ النساء ۱۳۷)

ترجمہ. بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر کفر کیا انہوں نے پھر وہ ایمان پر آگئے

اور پھر وہ کافر ہوئے پھر وہ کفر میں بڑھے اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا.
اس میں کفر کو اسی طرح ناقابل مغفرت ٹھہرایا گیا ہے جس طرح شرک کو آیت ۱۱۶ میں ناقابل مغفرت ٹھہرایا گیا تھا. اسے تکذیب بآیات اللہ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے اور یہی کفر کی حقیقت ہے وہ کفر عناد ہو یا کفر الحاد. دونوں صورتیں یکساں ہیں.
ان کے بارے میں فرمایا:.

ان الذین کذبوا بآیاتنا واستکبروا عنها لا تفتح لهم ابواب السماء ولا یدخلون الجنة حتی یلج الجمل فی سم الخیاط وکذلک نجزی المجرمین.
(پ۸ الاعراف ۴۰)

ترجمہ. بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات جھٹلائیں اور ان کے مقابل اپنے کو بڑا مانا ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ گزر جائے سوئی کے ناکے سے اور مجرموں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں.

۳. کبھی شرک کا لفظ ایمان کے مقابلہ میں بھی آتا ہے اس سے یہ شرک اکبر ہی مراد ہوتا ہے. جب یہ ایمان کے مقابلے میں آئے تو اس سے کفر ہی مراد لیا جاتا ہے. ان دو آیتوں کو ملا کر پڑھیں. پہلی میں اسے شرک کہا گیا ہے اور دوسری میں کفر جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شرک اور کفر ایک حکم میں ہیں.

ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن.... ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا.
(پ۲ البقرہ ۲۲۱)

ترجمہ. اور تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لائیں.. اور نہ ہی تم مشرکین کو بیٹیاں دو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں.
یہاں ایمان اور شرک ایک دوسرے کے مقابل لائے گئے ہیں. دوسری آیت میں اس مضمون کو ایمان اور کفر کے پیرائے میں بیان کیا گیا ہے.

فان علمتموهن مؤمنات فلا ترجعوهن الی الکفار لا هن حل لهم ولا هم یحلون لهن. (پ۲۸ الممتحنہ ۱۰)

ترجمہ. پس اگر تم جان لو کہ وہ مومن عورتیں ہیں تو انہیں کافروں کی طرف نہ لوٹاؤ وہ ان کے لیے حلال نہیں اور وہ کافر ان عورتوں کے لیے حلال نہیں ہیں.

۴. اس شرک اکبر کے مختلف پیرائے ہیں. اس کی مختلف اقسام ہیں اور ان میں سے ہر

ایک کفر ہے اور ان میں سے ہر ایک کا مرتکب ایک اللہ کی رحمت سے دور جا پڑا اور اب وہ کسی طرح رحمتِ خداوندی کا مستحق نہیں رہا۔

ہم استقراءً یہ چند پیرائے بھی آپ کے سامنے کیے دیتے ہیں۔ یہ سب شرکِ اکبر کی چند اقسام ہیں۔ یہ شرک کے چھ نمبر ہیں :۔

۱. شرک استقلال

دو برابر کی بڑی قوتیں ماننا جیسا کہ آتش پرست یزدان اور اہرمن کو یا نور اور ظلمت کو دو برابر کی قوتیں مانتے ہیں۔

۲. شرک تبعیض

خدا کو مختلف قوتوں کا ایک یونٹ جاننا ہے جیسا کہ عیسائی اقالیم ثلٰثہ تین قوتوں (باپ۔ بیٹا اور روح القدس) کو ایک یونٹ مانتے ہیں۔ ان کے ہاں یہ تین سے مل کر ایک خدا بنا۔ یہ ہے۔ مسلمانوں کے ہاں خدا ایک یونٹ نہیں وہ توحید کا ترجمہ نہیں کرتے۔ وہ پر یقین رکھتے ہیں ان کے ہاں توحید میں تفرید ہے اور اسی تفرید سے خدا ایک ذات ہے۔

۳. شرک تقریب

ایک بڑے خدا کے قریب ہونے کے لیے کچھ چھوٹے خداؤں کی تجویز یہ شرک تقریب ہے مشرکین عرب اسی عقیدے پر تھے۔ وہ اپنے اپنے بزرگوں کو اپنے چھوٹے خدا ٹھہراتے تھے۔ ان کی یاد میں ان کے مجسمے اور بت بناتے اور عبادت کرتے کہ یہ انہیں خدا تعالیٰ کے قریب کر دیتے ہیں یہ شرکِ تقریب ہے۔ قرآن کریم میں ان کے شرک کو اسی لفظ سے ذکر کیا گیا ہے۔ انہوں نے جو اولیا، اپنے چھوٹے خدا بنا رکھے تھے ان کے بارے میں وہ کہتے تھے :۔

ما نعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفا۔ (پ ۲۳ الزمر ۳)

ترجمہ ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیتے ہیں۔

ان کا یہ شرک تقریب تھا۔ ان کے اس عقیدے کا ذکر قرآن کریم پ۱۸ المومنون آیت ۸۴ سے آیت ۹۰ تک کیا گیا ہے۔

۴۔ شرک تقلید

دیکھا دیکھی شرک کے اعمال بجالانا۔ دوسروں کو دیکھ کر قبروں پر سجدے کرنا۔ ان کے نام کی نذریں ماننا اور مزاروں پر بزرگوں کی خوشی اور رضا جوئی کے لیے چڑھاوے چڑھانا۔ یہ شرک تقلید تب ہے کہ اس نے ان شرکیہ عقائد کو تحقیقاً اختیار نہ کیا ہو صرف تقلیداً اس راہ پر چل نکلے ہوں۔ ہاں جو اپنی تحقیق سے شرک کی اس راہ پر آیا ہو وہ بدترین مشرک ہے اور اس سے زیادہ خطرے میں ہے جو محض تقلیداً اس راہ پر آنکلا ہے۔

۵۔ شرک اسباب

اللہ تعالیٰ نے اس نظام کو چلانے کے لیے کچھ چیزوں کو کچھ کاموں کے لیے فطری اسباب بنایا ہے۔ جو شخص ان اسباب کو مؤثر حقیقی سمجھ لے۔ مثلاً یہ سمجھ لے کہ شفا دوا کی ذات میں ہے وہ شرک اسباب کا مرتکب ہوا۔ شفا دوا کی ذات میں نہیں اللہ کے حکم میں ہے۔ کئی دفعہ ہوتا ہے کہ دوائیں استعمال میں لائی گئیں مگر ان پر کوئی اثر مرتب نہ ہوا۔ یہ لوگ گردش زمانہ کو مؤثر حقیقی سمجھتے ہیں اور شرک اسباب کے مرتکب ہیں۔ ان کے ہاں گویا یہ اسباب ہی اصل ذات ہیں۔ یہ کھلے بندوں خدا کا انکار ہے۔

ان کا عقیدہ قرآن میں اس طرح نقل کیا گیا ہے:

قالوا ما ھی الا حیاتنا الدنیا نموت و نحیا وما یھلکنا الا الدھر و ما لھم بذلک من علم ان ھم الا یظنون۔ (پ۲۵ الجاثیہ ۲۴)

ترجمہ۔ اور انہوں نے کہا نہیں کچھ مگر یہی ہماری دنیا کی زندگی ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں ہلاک نہیں کرتا مگر زمانہ۔ اور انہیں اس کا علم نہیں وہ نرے گمان دوڑا رہے ہیں۔

۶۔ شرک اعمال

وہ اعمال جو صرف خدا کے لیے بجا لانے چاہئیں انہیں اللہ کے سوا اوروں کے لیے بجا لانا مثلاً کسی پچھلے بزرگ یا ولی مرحوم کی خوشی حاصل کرنے کے لیے اس کے نام کا صدقہ وخیرات دینا یہ مالی عبادت صرف خدا کے لیے ہونی چاہیئے۔ یا جیسے کسی بزرگ کو اپنی مدد کے لیے اس طرح پکارنا جیسے ہم اپنے مصائب میں خدا کو پکارتے ہیں۔ یا جنید۔ یا جنید کی تسبیحات کرنا یا کسی مخلوق کے لیے رکوع بجا لانا یا اسے اس عقیدے سے سجدہ کرنا کہ یہی پیر یا بزرگ میرا روزی رساں ہے اور میری بیماری اور شفا اسی کے قبضے میں ہے۔ یہ وہ اعمال ہیں جو شرکِ اکبر ہیں اور ان کا مرتکب بھی کبھی خدا کی بادشاہی میں جگہ نہ پا سکے گا۔ اس کی کبھی مغفرت نہ ہوگی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ شرکِ اعمال کے ان مظاہروں کو دیکھنا ہو تو بزرگوں کی قبروں پر نگاہ کرو کس طرح لوگ ان کو اپنے جھوٹے خدا بنائے ہوئے ہیں وہ انہیں جھوٹے خدا اس لیے سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے دعویٰ اسلام میں خدا کو ایک مانتے ہیں اور کلمہ اسلام سے انکار نہیں کرتے۔

قرآن کریم کی رُو سے شرکِ اکبر کے بھی مختلف پیرائے ہیں

قرآن کریم میں پ۲۲ سورۂ سبا کی آیت ۲۲ شرک کی تمام قسموں کو شامل ہے۔ یہ مشرکین دوسروں کو خدا کی ملکیت میں، اس کے تصرف میں، اس کی مدد رسانی میں اور اس کی بخشش میں شریک کرتے تھے۔ بایں ہمہ وہ ایک بڑے خدا کو ماننے کے دعویدار بھی رہتے تھے:۔

قل ادعوا الذین زعمتم من دون اللہ لا یملکون مثقال ذرۃ فی السموٰت ولا فی الارض وما لھم فیھما من شرک وما لہ منھم من ظھیر ہ ولا تنفع الشفاعۃ عندہ الا من اذن لہ۔ (پ۲۲ السبا ۲۲۔۲۳)

ترجمہ: آپ کہہ دیں پکارو انہیں جنہیں تم اللہ کے سوا (اپنا کارساز) سمجھے بیٹھے ہو وہ لوگ ذرہ بھر کے مالک نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کا ان دونوں میں (آسمانوں اور زمین میں) کچھ بھی حصہ ہے اور نہ اللہ کا ان میں

سے کوئی مددگار ہے اور نہ اس کے پاس شفاعت کوئی کام دینی ہے مگر اس کے لیے جس کے لیے وہ خود اذن فرمائے۔

یہ آیت شرک اختیار، شرک شیاع، شرک اعانت اور شرک شفاعت چاروں اقسام شرک کو شامل ہے۔ وہ کون سی قسم شرک ہے جو ان مشرکوں میں پائی نہ جاتی تھی نہیں ملتی۔ ہاں ہم ان کا دعوے تھا کہ بڑا خدا ایک ہے۔ بزرگانِ دین اس کی عطائی قوتوں سے خدائی کرتے ہیں اور ان کے ہر شہر میں جگہ جگہ دربار لگے ہیں۔ یہی قبروں والے ہیں جو اپنے اپنے علاقوں میں اپنے زائرین اور ناذرین کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں شرک کی جو کی گئی ہے وہ زیادہ اسی شرک کی ہے جو اس وقت عربوں میں رائج تھا۔ گو یہ لوگ ایک بڑا خدا مانتے تھے لیکن ان کا یہ شرک تقریب بے شک شرکِ اکبر ہے جس کا مرتکب اور بلا توبہ مرنے والا کبھی آگ سے نہ نکل سکے گا۔

اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے مشرکین اور ہندو مشرکین میں فرق

ہندوؤں کے ہاں قبروں کا وجود نہیں وہ اپنے مردوں کو جلاتے ہیں۔ سو خدا کی طاقتیں بڑے بڑے بتوں میں اُتارتے ہیں اور انہیں وہ اپنے اوتار کہتے ہیں۔ یہ ان بتوں کی پوجا اس تصور سے کرتے ہیں کہ بڑا خدا ان میں جلوہ ریز ہوا ہے۔ وگرنہ وہ بھی جانتے تھے کہ یہ بت ہم نے خود اپنے ہاتھوں تراشے ہیں۔ اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے مشرکین نے وہ خدائی طاقتیں قبروں اور مزارات میں اُتری تسلیم کی ہیں۔

علامہ شامی لکھتے ہیں کہ دنیا میں بت پرستی کا آغاز اس طرح ہوا کہ پہلے انہوں نے صالحین کی قبروں پر سجدوں کا آغاز کیا اور پھر جہاں کوئی قبر نہ مل سکی وہاں انہوں نے بزرگوں کو قبروں کے اندر نہیں باہر لا بٹھایا۔ ان کی یاد میں بُت بنائے پھر ان کی تنظیم کی۔ ان کے گلوں میں ہار ڈالے اور پھر ان کے حضور سجدے کرنے لگے۔

بتوں اور بزرگوں میں ایک برزخی رابطے کی تجویز

مولانا احمد رضا خاں نے مرزا مظہر جانِ جاناں کے ایک مکتوب کے حوالے سے لکھا ہے کہ :۔

ان کا (ہندوؤں کی) بت پرستی شرک سے منزہ اور صوفیہ کرام کے تصور برزخ کی مثل ہے اور بحکم ولکل امۃ رسول ہندوستان میں بھی بعثت انبیاء ہونا اور ان کے (ہندوؤں کے) بزرگوں کا مرتبہ کمال وتکمیل رکھنا لکھا ہے۔[1]

مسلمان ہندوؤں کی بت پرستی اور مشرکین کی قبر پرستی کو کسی تاویل سے بھی اسلام میں جگہ نہیں دیتے۔ مگر مولانا احمد رضا خاں حضرت مرزا مظہر جانجاناں سے نقل کرتے ہیں:۔

در شان آنہا سکوت اولی است نہ مارا جزم بہ کفر وہلاک آنہا لازم است و نہ یقین بنجات آنہا بر ما واجب و مادہ حسن ظن متحقق است۔[2]

ترجمہ: ہندوؤں کے ان بزرگوں کے حق میں سکوت بہتر ہے نہ ہمیں ان کے کفر اور گمراہی کا یقین ضروری ہے نہ ان کے آخرت میں ہم نجات پانے کا عقیدہ رکھتے ہیں، ہاں ان کے بارے میں نیک یقین رکھنا یہ اپنی جگہ درست ہے۔

مولانا احمد رضا خاں نے آگے چل کر کرشن کو میر عبدالواحد بلگرامی کی کتاب سبع سنابل کے حوالہ سے کافر لکھا ہے لیکن ساتھ ہی یہ لکھا ہے کہ وہ کئی صد مقامات پر حاضر وناظر ہوتا تھا:۔

فرمود کشن کہ کافر بود چند صد جا حاضر مے شد

ترجمہ: کرشن جو کہ کافر تھا سینکڑوں جگہوں پر جا پہنچا تھا۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ آپ ہندوؤں کو اہلحدیث (باصطلاح جدید) اور رافضیوں سے بہتر جانتے تھے۔ آپ ایک مقام پر حضرت غوث اعظم کی شان میں مدح کہتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

ستم کوری وہابی رافضی کی کہ ہندو تک تیرا قائل ہے یا غوث[3]

تاہم ہمیں اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندو واقعی مشرک ہیں اور یہ کہ وہ شرک اکبر میں مبتلا ہیں۔ کسی دور کی تاویل سے بھی ان کی بت پرستی کو صوفیہ کرام کے تصور برزخ کی مثل نہیں کہا جا سکتا۔

---

[1] احکام شریعت جلد ۲ صہ ۱۹۳ [2] ایضاً [3] حدائق بخشش جلد ۲ صہ ۱۱

ایک دوسرے درجے کے شرک کا بیان

اب آیئے شرک کی دوسری قسم کا بھی کچھ تجزیہ کریں یہ چھوٹا شرک ہے۔ اس کا مرتکب جب تک ان حدود میں رہے ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔ دائرۂ ایمان سے نہیں نکلتا۔ اس کے بھی مختلف پیرائے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شرکِ اصغر، شرکِ خفی، شرکِ سرائر شرک ریا اور بھی کئی ناموں سے ذکر کیا ہے :۔

۱۔ حضرت محمود بن لبیدؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

ان اخوف ما اخاف علیکم الشرك الاصغر (قالوا وما الشرك الاصغر یا رسول اللّٰہ) قال الریاء یقول اللہ عزوجل لھم یوم القیٰمۃ اذا جزی الناس باعما لھم اذھبوا الی الذین کنتم تراؤن فی الدنیا فانظروا ھل تجدون عندھم جزاء [۱]

ترجمہ: مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ اندیشہ شرک اصغر کا ہے صحابہؓ نے عرض کی یارسول اللہ شرک اصغر کیا ہے ؟ آپ نے فرمایا۔ ریا (دکھاوے کو کوئی کام کرنا) اللہ تعالیٰ دکھاوے کی نیکیاں کرنے والوں کو قیامت کے دن جب لوگ اپنے اعمال کے ساتھ حاضر کیے جائیں گے کہیں گے تم انہی لوگوں کی طرف لوٹو جن کو دکھانے کے لیے تم نیکیاں کرتے رہے۔ پھر دیکھو کیا تمہیں ان کے ہاں ان اعمال کی کوئی جزاء مل سکتی ہے ؟

۲۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

الیسیر من الریا شرك ومن عاد اولیاء اللہ فقد بارز اللہ بالمحاربۃ ان اللہ یحب الاتقیاء الاخفیاء الذین اذا غابوا لم یفتقدوا وان حضروا لم یعرفوا قلوبھم مصابیح الدجی یخرجون من کل غبراء مظلمۃ [۲]

ترجمہ: تھوڑی سی ریا بھی شرک ہے اور جس نے اللہ کے دوستوں سے دشمنی کی اس نے اللہ سے اعلانِ جنگ کیا۔ اللہ تعالیٰ چھپے طور تقویٰ رکھنے والوں کو پسند کرتا ہے یہ وہ لوگ ہیں کہ جب نہ ہوں تو ان کی تلاش نہ کی جائے اور اگر

---

[۱] مسند امام احمد جلد ۹ صفحہ ۱۲۱ [۲] سنن ابن ماجہ صـ المستدرک جلد ۱ صـ

موجود ہوں تو پہچانے نہ جائیں۔ ان کے دل اندھیروں کے چراغ ہیں وہ تیز آندھی سے نکلے رہتے ہیں۔

۳۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

یا ایھا الناس ایاکم و شرک السرائر قالوا یا رسول اللہ ما شرک السرائر قال یقوم الرجل فیصلی فیزین صلاته جاھدًا مما یری من نظر الناس الیه فذالک شرک السرائر۔[1]

ترجمہ۔ اے لوگو! تم شرک سرائر سے بچنا۔ صحابہؓ نے عرض کی حضورؐ شرک سرائر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ایک شخص نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے پوری کوشش سے وہ اپنی نماز کو سنوارتا ہے اس سے کہ لوگ اسے دیکھ رہے ہیں یہ شرک سرائر ہے۔

۴۔ من صلی یرائی فقد اشرک و من صام یرائی فقد اشرک و من تصدق یرائی فقد اشرک۔[2]

ترجمہ جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی سو اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کو روزہ رکھا اس نے بھی شرک کیا اور جس نے دکھاوے کو کوئی صدقہ دیا۔ اس نے بھی شرک کیا۔

۵۔ الشرک فیکم اخفی من دبیب النمل۔

ترجمہ۔ شرک تم میں ایسی چال چلتا ہے جیسے چیونٹی چلتی ہے۔

اب ہم کچھ ایسے اعمال ذکر کرتے ہیں جنہیں روایات میں شرک کہا گیا ہے:۔

۱۔ جھاڑ پھونک ۲۔ تعویذ لٹکانا۔ ۳۔ محبت کے منتر ۴۔ اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا۔ ۵۔ بُرا شگون لینا۔ ۶۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا:۔

ان الرقی والتمائم والتولة شرک۔[3]

ترجمہ۔ جھاڑ پھونک لٹکانے کے تعویذ اور محبت کے منتر سب شرک ہیں۔

---

[1] سنن کبری للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۹۱ قال الذہبی اسنادہ حسن کما فی المہذب و نحوہ فی سنن ابن ماجہ صفحہ ۳۲۰
[2] مسند امام احمد صفحہ ۱۲۶ جلد ۴ طبع دوم [3] ایضاً صفحہ ۲۸۱

۲۔ من حلف بغیر اللہ فقد کفر و اشرک۔ لہ

ترجمہ: جس نے بھی اللہ کے سوا کسی کی قسم کھائی اس نے کفر کیا اور شرک کا ارتکاب کیا۔

۳۔ من حلف بشیء دون اللہ فقد اشرک وقال الآخر فہو مشرک۔ ۲ہ

ترجمہ: جس نے اللہ کے سوا کسی کے نام کا حلف اُٹھایا اس نے بیشک شرک کیا ایک دوسرا راوی کہتا ہے وہ مشرک ہے۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔
الطیرۃ شرک قالہ ثلثاً وما منا الا (ان یعرض لہ الوھم من قبل الطیرۃ) ولکن اللہ یذھبہ بالتوکل۔ ۳ہ

ترجمہ: بشگون لینا شرک ہے آپ نے یہ بات تین دفعہ فرمائی ہم سے کوئی نہیں مگر یہ کہ وہ بدشگونی میں وہم میں جا گھرے لیکن اللہ تعالیٰ توکل سے اسے دُور کر دیتا ہے۔

اس کے ساتھ یہ روایت بھی دیکھ لیں :۔

سنن ابن ماجہ باب ما یکون فیہ الیمن والشوم۔ حضورؐ نے فرمایا :۔
لا شوم وقد یکون الیمن فی ثلثۃ فی المرأۃ والفرس والدار۔ صـ۱۴۴

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا :۔
الشوم فی ثلثۃ فی المرأۃ والمسکن والدابۃ رواہ الترمذی۔

یہاں شوم کا لفظ ہے اپنے اعم معنی میں ہے اور وہ یمن کو بھی شامل ہے۔

عن ابن عباسؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتفاءل ولا یتطیّر وکان یحب الاسم الحسن رواہ البغوی فی شرح السنۃ مشکوٰۃ صـ۳۹۲

حضرت ابن عباسؓ حضورؐ سے یہ بھی روایت کرتے ہیں :۔
یدخل الجنۃ من امتی سبعون الفاً بغیر حساب ھم الذین لا یسترقون ولا یتطیّرون وعلی ربھم یتوکلون متفق علیہ مشکوٰۃ صـ۴۵۲

لہ مسند امام احمد جلد ۲ صـ۱۲۵ و المستدرک جلد ا صـ۱۸ ۲ہ ایضاً جلد ۲ صـ۲۹۷ ۳ہ ایضاً جلد ا صـ۳۸۹ رواہ ابوداؤد والترمذی کما فی المشکوٰۃ صـ۳۹۲ المستدرک للحاکم جلد ا صـ۱۷

۵. حضرت عقبہ بن عامر الجہنی روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من علق تمیمۃ فقد اشرک [1]

ترجمہ: جس نے تعویذ لٹکایا بے شک اس نے شرک کیا۔

اب کچھ وہ روایات بھی دیکھ لیں جن میں بعض حالات میں تعویذ لکھنے کا ثبوت ملتا ہے:

کسی مصیبت کے وارد ہونے سے پہلے اس سے بچنے کا تعویذ لٹکانا یہ ممنوع ہے لیکن مصیبت آنے پر یا بلا اُترنے پر تعویذ کا استعمال یہ ایک علاج ہے۔ یہ مصیبت یا بیماری کو ٹالنے کا عمل نہیں۔ تمیمہ جو نزولِ بلاء سے پہلے باندھا جائے اس کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی کہتی ہیں:۔

التمائم ما علق قبل نزول البلاء واما ما علق بعد نزول البلاء فلیس بتمیمۃ۔ [2]

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:۔

داؤدی اور حافظ ابن عبدالبر مالکی کی بھی رائے یہی ہے۔ [3]

حافظ ابن کثیر نے حضرت عبداللہ بن عباس رض سے نقل کیا ہے کہ اس قسم کی باتیں اس شرک خفی کے قریب ہیں جو چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ خفی ہے۔ آپ آیت کریمہ فلا تجعلوا للہ انداداً کے تحت لکھتے ہیں:۔

الانداد ھو الشرک اخفی من دبیب النمل علی صفاۃ سوداء فی ظلمۃ اللیل۔

پھر آگے آپ نے اس کی چند مثالیں دی ہیں انہیں غور سے پڑھیے:

۱. ان یقول واللہ وحیاتک یا فلان وحیاتی۔

۲. ویقول لولا الکلبۃ ھذا لاتانا اللصوص البارحۃ۔

۳. ولولا البط فی الدار لاتی اللصوص۔

۴. وقول الرجل لصاحبہ ما شاء اللہ و شئت۔

۵. وقول الرجل لولا اللہ و فلان لا تجعل فیہا فلان ھذا کلہ شرک وفی الحدیث ان رجلا قال لرسول اللہ صلعم ما شاء اللہ و شئت قال اجعلتنی للہ نداً و فی الحدیث الاخر نعم القوم انتم لولا انکم تنددون تقولون ما شاء اللہ وشاء فلان۔ [4]

[1] مسند امام احمد جلد ۴ صفحہ ۱۵۶ طبع اول [2] سنن بیہقی جلد ۹ صفحہ ۳۵۰ [3] فتح الباری جلد ۱۰ صفحہ ۱۴۹
[4] ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۵۸

شرکُ دنیا میں کب تک رہے گا۔

جب تک دنیا میں کفر و اسلام کی نظریاتی جنگ ہے دنیا میں شرک کسی نہ کسی درجے میں ضرور رہے گا۔ شرک کی شکلیں گو بدلتی رہیں لیکن شرک یہاں رہتی دنیا تک رہے گا۔ شرک کی مختلف اقسام ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ کسی کو خدا کے برابر ماننا یا کسی کو خدا کا بیٹا ماننا یا کسی کو اللہ کا نورِ ذات ماننا یا کسی کو اللہ تعالیٰ کی عطا سے اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ذاتیہ کا مظہر سمجھنا غرض کوئی صورت بھی ہو اس کارگاہ بزم و رزم میں دونوں طرح کے لوگ رہتی دنیا تک رہیں گے۔ هو الذی خلقکم فمنکم کافر و منکم مؤمن ۔ (پ۲۸ التغابن)

صرف ایک خطہ ہے جہاں شیطان شرک پھیلانے سے مایوس ہو چکا اور وہ ارضِ حجاز ہے۔ جہاں دو مراکزِ اسلام ہیں۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ ـــ یہاں شیطان لوگوں کو شرک میں کھینچنے سے مایوس ہے۔ یہاں اب کبھی غیر اللہ کی عبادت نہ ہو پائے گی۔ چوری چھپے مشرکین یہاں اپنی علیحدہ جماعت کرا لیں تو یہ نہ ہونے کے برابر ہے النادر کالمعدوم عمومی طور پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے تمہارے شرک میں جانے کا اندیشہ نہیں۔ اندیشہ ہے تو صرف تمہاری آپس کی لڑائیوں کا۔ اس سے مراد کل دنیا نہیں صرف خطہ حجاز ہے۔ اس قسم کی روایات سے ہندوستان اور دیگر غیر مسلم ممالک سے ہندوؤں بدھوں آتش پرستوں اور چینیوں کی نفی نہیں کی جا سکتی۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا :۔

ان الشیطان قد ائیس من ان یعبده المصلون فی جزیرة العرب ولکن فی التحریش. رواه مسلم. [۱]

ترجمہ۔ بے شک شیطان مایوس ہو گیا کہ مسلمان جزیرۂ عرب میں اس کی عبادت (شرک) پر چلیں۔ ہاں مسلمانوں کی آپس میں آویزش ہو گی۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :۔

ان الشیطان قد ائیس من ان یتبدل دین الاسلام ویظهر الاشراك ویستمر ویصیر الامر کما کان من قبل. [۲]

---

[۱] مشکوٰۃ ص۱۹ [۲] لمعات التنقیح جلد ا ص۱۳۷

ترجمہ: شیطان اس سے مایوس ہو چکا کہ یہاں دینِ اسلام کو بدل کر پھر سے شرک لے آئے وہ شرک کو غالب کرے اس پر اسے دوام حاصل ہو اور معاملہ پہلے کی طرح ہو جائے۔

اس سے پتہ چلا کہ یہ بات صرف جزیرۂ عرب کے بارے میں ہے ساری دُنیا کے لیے نہیں۔ سو جو بریلوی مولوی پاک و ہند کے بارے میں یہ دعوے کر رہے ہیں کہ یہاں شرک نہیں آ سکتا وہ غلطی پر ہیں۔ ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، آسام اور برما میں اب بھی مندر گردوارے، گرجے، آتش کدے اور بزرگوں کے مزارات اب بھی کھلے بندوں شہادت دے رہے ہیں کہ وہاں شیطان اب بھی لاکھوں انسانوں کو شرک کی دلدل میں گرائے ہوئے ہے۔ سو مذکورہ بشارت صرف خطۂ عرب کے بارے میں ہے کہ وہاں شرک دوبارہ راہ نہ پا سکے گا۔ جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ بریلوی حضرات کا یہ دعویٰ کہ کبھی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس ہوا کرے گا۔ ان کی یہ لمبی امید کبھی بر نہ آئے گی۔ ان کے لیے بہترین راہ عمل یہی ہے کہ وہ صدقِ دل سے ہر عمل شرک سے توبہ کر لیں اور اپنے عوام کو بھی ان اعمال شرکیہ سے بچائیں جو ان کی سرپرستی میں حضرت علی ہجویری اور کئی دوسرے اکابر اولیاء اللہ کے مزارات پر سالانہ عرس کی شکل میں عمل میں آتے ہیں۔

مزارات اسباب میں سے نہیں

اللہ تعالیٰ نے دنیا کو مسبب بالاسباب بنایا ہے۔ بچے کے لیے ماں اس کی مدد کا سبب ہے پھر باپ اس کی مدد کا سبب ہے۔ ڈاکٹر اور حکیم وقت ضرورت اس کی مدد کا سبب ہے۔ پولیس مظلوم لوگوں کی مدد کے لیے ہے حکومت لوگوں کے حقوق کا تحفظ کرتی ہے۔ بندہ مومن ان سب اسباب کو مظہر مدد خداوندی سمجھتا ہے اور یہ اسباب ایاک نعبد و ایاک نستعین کے خلاف نہیں ہے۔ روحانی دائرہ میں بزرگوں کی دعا بھی ایک سبب ہے۔ بزرگ اور اولیاء کرام بھی ایسے مواقع میں ایک خدا کے در رحمت پر ہی دستک دیتے ہیں لیکن قبریں اور مزارات ہرگز ان اسباب مادیہ اور اسباب عادیہ میں سے نہیں۔ جو لوگ قبروں پر جا کر نذریں مانتے ہیں وہ اسی عقیدہ سے ایسا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سائلین کو بچے دینے محتاجین کو رزق دینے اور ان سے بلائیں ٹالنے کے اختیارات

دیئے ہوئے ہیں. قرآن وسنت میں کہیں ان قبروں اور مزارات کو اس عقیدے سے اسباب میں شمار نہیں کیا گیا جس قدر اللہ رب العزت کی توحید روشن ہے. اس کے بنائے اسباب بھی قرآن کریم میں اسی درجہ میں روشن ہونے چاہیئں.

یہ اہل بدعت کے اپنے تجویز کردہ اسباب ہیں. قرآن وسنت رشد راشدین مجتہدین اور کرامات صادقین میں کہیں انہیں اسباب میں ذکر نہیں کیا گیا. یہ صریح شرک ہے.

علامہ شامی نے صحیح لکھا ہے کہ دنیا میں بت پرستی کی ابتدا قبور صالحین پر اس کیے جانے والے شرک سے ہی پیدا ہوئی. اور اب تک شرک کی جتنی کونپلیں بھی پھوٹی ہیں ان کے پس پشت وہی جذبہ کارفرما ہے جو آج ان مزارات اور قبور کاملین کے گرد ہم شب و روز دیکھ رہے ہیں. ورنہ اسباب سے کام لینا تو ہرگز شرک نہ تھا. کیونکہ یہ اسباب سب اسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں. لیکن جس چیز کو اس نے سبب نہیں بنایا اسے اپنی طرف سے کتاب وسنت کی رہنمائی کے بغیر سبب شرعی سمجھنا یہ ایک جہالت اور بطالت کے سوا کچھ نہیں ہے. ؎

حمد را با تو نسبتے است درست بر در ہر کہ رفت بر درِ تست

ترجمہ. تعریف صرف اسی ایک خدا کی ہے. یہ بات درست ہے. کیوں کہ (اسباب کی دنیا میں) انسان جس دروازہ پر بھی گیا وہ اسے اللہ تیرے دروازے پر ہی آیا (کیونکہ انسان کے لیے یہ اسباب تو نے ہی تو بنائے

صالحین کی دعا بھی بے شک ان اسباب میں سے ہے. ہم کسی بزرگ کو اپنی مشکلات میں دعا کے لیے تو کہہ سکتے ہیں لیکن اسے مشکل کشا نہیں کہہ سکتے. نہ ان میں سے کوئی بذاتِ خود کسی کی مشکل دور کر سکتا ہے.

یاد رکھیئے مزاراتِ اولیاء کرام اور قبریں ہرگز ان اسباب میں سے نہیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی حاجات پورا کرنے کے لیے پیدا کیے ہیں. جو لوگ اللہ کو وسیلہ بنا کر مزاروں سے مانگتے ہیں وہ اور مجرم ہیں کہ دینے والا انہیں مانا اور خدا کو وسیلہ کے درجے میں لے آئے کہ اے صاحبِ مزار میری خدا کے لیے کچھ مدد کر دے.

فروعی مسائل میں مذاہبِ اربعہ کو برداشت کرنے سے فرقہ بندی کم ہوتی ہے۔

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد!

اسلام میں جو کام کرنے کے ہیں اسلام نے ان میں بہت وسعتِ عمل رکھی ہے۔ اجتہادی امور میں وسعتِ عمل پر یقین مسلمانوں کو تقسیم ہونے نہیں دیتا یہی وجہ ہے کہ قرونِ اولیٰ اور قرونِ وسطیٰ میں مختلف اجتہادی مسلک تو موجود تھے لیکن ان کی علیحدہ علیحدہ مسجدیں نہ تھیں۔ اہلحدیث (باصطلاح جدید) پہلا مذہبی گروہ ہے جنہوں نے فروعی اختلافات پر اپنی مسجدیں علیحدہ بنائیں۔ لاہور میں مسجد چینیاں والی اہلحدیث کی پہلی مسجد ہے۔

قرآن کریم میں سات قرأتیں متواتر چلی آرہی ہیں لیکن ان قراءتوں کی بنا پر امت کبھی تقسیم نہ ہوئی فقہی مذاہب بھی ابتداء میں سات تھے اور پوری دنیا میں امام ابوحنیفہ امام مالک امام سفیان الثوری امام اوزاعی امام شافعی امام اسحٰق اور امام احمد کے مقلدین کے مکاتبِ فکر تھے۔ مرورِ زمانہ سے یہ سات مذاہب چار میں منحصر ہوئے۔ بایں ہمہ ان چار مذاہب میں کبھی حق و باطل کے فاصلے قائم نہ ہوئے اور ان کی علیحدہ علیحدہ مسجدیں بنیں۔ اختلافِ قرأت اور اختلافِ مذاہب سے قرآن و سنت کی شاہراہ کبھی مجروح نہ ہوئی اور امت اپنے اصولی مسائل میں ایک ہی رہی۔

ہندوستان میں انگریزی دور میں کچھ لوگ اٹھے اور انہوں نے فروعی مسائل میں بھی امت کو ایک کرنے کی کوشش کی۔ چار مذاہب اپنی جگہ قائم رہے ختم نہ ہو سکے اور ایک پانچواں مسلک اہلحدیث (باصطلاح جدید) آموجود ہوا۔ اس نے اہل سنت سے وہ حنفی ہوں یا حنبلی حق و باطل کے فاصلے قائم کیے۔ ائمہ مجتہدین کی تقلید کو گناہ قرار دیا اور صحابہ کرامؓ کے خلاف بھی وہ زبان استعمال کی جو یہ پہلے مذاہبِ اربعہ کے خلاف استعمال کرتے رہے۔

ہندوستان میں محدثین دہلی کا گھرانہ احناف کا علمی خزانہ سمجھا جاتا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) کے بیٹے حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی (۱۲۳۰ھ) نے وہ دور دیکھا جب انگریز ہندوستان پر قابض ہوئے اور انہوں نے مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے کے لیے اس نئی فکر کو راہ دی کہ مسلمانوں کو فروعات میں بھی ایک رستے پر لایا جائے۔ ظاہر ہے کہ اسی کوشش سے

کئی صحابہ اور اکابر تابعین سے بدظنی بڑھے گی اور مذاہب اربعہ جو امت میں وسعتِ عمل کی راہ سے اپنی اپنی جگہ مقبول عام تھے ان سب کے خلاف بلکہ اسلام کی پہلی تیرہ صدیوں کے خلاف ایک فکری جنگ شروع ہو جائے گی۔ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے وقت کی نبض پہ ہاتھ رکھتے ہوئے ایمانیات اور فروعات کے لیے ہندوستان کے مسلمانوں کے سامنے ایک میزان رکھی۔

> جو باتیں یقین لانے کی ہیں (اصولِ دین) ان میں فرق نہ چاہیئے اور جو کرنے کی ہیں (فروعِ دین) ان کے طریقے کئی ہوں تو بُرا نہیں۔ [۱]

پہلی بات میں آپ نے اشارہ دیا کہ اگر کسی وقت میں کوئی گروہ ختم نبوت میں اختلاف کو قابلِ قبول بنانا چاہے تو اس کے لیے وسعت پیدا نہ کی جائے ختم نبوت اصولِ دین میں سے ہے اور اصولِ دین میں فرق روا نہیں رکھا جا سکتا اور دوسری بات میں اشارہ دیا کہ اگر اہلِ حدیث (باصطلاحِ جدید) فروعی مسائل میں بھی کوئی اختلاف گوارا نہ کریں اور مسلمانوں کو صحابہؓ و تابعین اور ائمہ مجتہدین سے بدگمان کرنے کے لیے ایک فکری جنگ شروع کر دی جائے تو یقیناً مسلمانوں کی فرقہ بندی میں اضافہ ہو گا۔ یہ وہ راہ تھی جس سے مسلمانوں کو اپنے علمی ماضی سے جُدا کیا جا سکتا تھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے ہندوستان میں یہ اعلان کیا تو شیخ عبدالوہاب نجدیؒ نے عرب میں یہ اعلان کیا کہ فروعی مسائل میں اختلافِ امت رحمت ہے نقمت نہیں۔

حضرت شیخ رح لکھتے ہیں :-

> ان الرجل افترٰی علی اموراً لم اقلها ولم یات اکثرها علی بالی فمنها انی مبطل کتب المذاهب الاربعة . . . . وانی اقول ان اختلاف العلماء نقمة وانی اکفر من توسل بالصالحین . [۲]

> ترجمہ: اس شخص نے مجھ پر افتراء باندھا۔ ان باتوں میں جو میں نے نہیں کہیں اور ان میں سے بیشتر کی مجھ پر کوئی ذمہ داری نہیں آتی۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں مذاہبِ اربعہ کو خلافِ حق سمجھتا ہوں اور میں کہتا ہوں کہ علماء کا اختلاف ایک مصیبت ہے۔ اور میں صالحینِ امت سے توسل کرنے والوں کو کافر کہتا ہوں۔

---

[۱] موضح القرآن ص۔ [۲] مؤلفات الشیخ جلد ۱ ص ۱۲

اسلام میں وسعتِ عمل کی حدود

اسلام میں وسعتِ عمل صرف انہی حدود میں روا رکھی جائے جو صحابہ کرامؓ، اکابر تابعینؒ اور ائمہ اربعہ میں اختلافی صورت میں سامنے آئے ان کے بعد کی کوئی وسعت اسلام میں گوارا نہ کی جائے۔ پہلی تین صدیوں کے بعد کی نئی صورتِ عمل بدعت ہوگی وسعت نہ ہوگی۔

قطر کے شیخ ابن حجر لکھتے ہیں :۔

ہمیں انہی امور کا دائرہ وسیع سمجھنا چاہیئے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام، چاروں اماموں اور ابتدائی تین صدیوں کے لوگوں نے وسیع قرار دیا ہے۔[1]

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں :۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ مختلف فقہی مذاہب کے اماموں کا اختلاف لوگوں کے لیے باعثِ رحمت ہے ان اماموں کی دلیلیں واضح ہیں۔ رات میں پڑھی جانے والی نفلی نمازیں کئی طریقہ سے مروی ہیں۔ یہ بات تہجد گزار لوگوں کی سہولت اور وسعت کے لیے شریعت میں واقع ہوئی ہے۔ کسی ایک امام کا ان مختلف طرق وکیفیات میں سے کسی خاص طریق وتر کا اختیار کرنا اس بناء پر ہے کہ اس کی نظر و اجتہاد میں وہی تعریف زیادہ راجح ہے۔

ائمہ اربعہ کا اختلاف صحابہؓ کے اختلاف کی طرح ہے

ائمہ اربعہ نے فروعی اختلافات خود قائم نہیں کیے صحابہ سے وراثت میں پائے ہیں۔ مولانا محمد ابراہیم میر لکھتے ہیں :۔

صحابہ اور تابعین کے اختلاف میں الحاد بے دینی کجروی اور بداعتقادی اتباع ہوٰی اور بدمذہبی نہ تھی اور اگر حدیث اختلاف امتی رحمۃ کا اعتبار کیا جائے تو اس کی بس یہی صورت ہے جو صحابہ وتابعین میں تھی اور ائمہ مجتہدین کا اختلاف بھی اسی پر مبنی ہے۔[2]

حافظ عبداللہ روپڑی بھی لکھتے ہیں :۔

---

[1] تحذیر المسلمین عن الابتداع والبدع فی الدین ص۵۱ [2] تاریخ اہل حدیث ص۷۳

ائمہ اربعہ کا اختلاف قریب قریب صحابہؓ کے اختلاف کے ہے۔[1]

سو ائمہ اربعہ کے اختلاف کو لائق نفرت ٹھہرانا اسی طرح سمجھا جانا چاہیئے جس طرح کوئی صحابہؓ کے اختلافات کو قابل نفرت ٹھہرائے۔ سو جس طرح صحابہؓ کے خلاف اظہار بیزاری کرنے والے شیعہ کہلاتے ائمہ اربعہ کے خلاف فضائے نفرت پھیلانے والوں کو بھی شیعہ ہی سمجھنا چاہیئے۔ شیعت نام ہے پہلوں سے اظہار بیزاری کا اور ان سے کٹنے کا، سو جس طرح صحابہ سے کٹنے والے بڑے شیعہ شمار ہوتے ہیں ائمہ اربعہ کے اختلاف سے بیزاری کرنے والے بھی تو چھوٹے شیعہ ضرور ہی سمجھے جانے چاہیئں۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اپنے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلوی سے ان کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ پھر تو یہ چھوٹے شیعہ ہوئے۔[2]

مولانا ثناء اللہ صاحب شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے شاگرد اور مولانا نذیر حسین صاحب حضرت شاہ محمد اسحق محدث دہلوی کے شاگرد تھے۔ اس لیے ان حضرات سے ائمہ دین میں سے کبھی کسی کی گستاخی سننے میں نہیں آئی۔ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کے ساتھ مجھے ایک مدت رہنے کا اتفاق ہوا۔ بزرگوں کے احترام میں ماشاء اللہ اپنی مثال آپ تھے۔ اکثر فرماتے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رح کا ادب و احترام مجھے باطنی طور پر القاء کیا گیا ہے۔ غزنوی حضرات بھی ائمہ کی شان میں بہت مؤدب تھے۔ ان چند حضرات کے سوا غیر مقلدین کو جہاں بھی دیکھا ائمہ کی شان میں گستاخ ہی پایا۔

---

[1] فتاوے اہلحدیث ص[illegible]   [2] دیکھیے تاریخ اہلحدیث مولانا محمد ابراہیم میر ص[illegible]

اصولی اختلافات کے فاصلے

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

اسلام میں جو باتیں ماننے کی ہیں ان میں راہ صرف ایک ہے اور وہی صراطِ مستقیم ہے اس کے دوسری راہوں سے اختلافات اصولی ہیں۔ اور جو باتیں کرنے کی ہیں ان میں مختلف طریقے ہوسکتے ہیں اور یہ اسلام کی وسعتِ عمل ہے اور ان کے آپس میں اختلافات فروعی ہیں۔ مذاہبِ اربعہ کے آپس میں اختلافات فروعی ہیں۔ اور اہل السنۃ والجماعۃ کے معتزلہ سے، روافض و خوارج سے، جہمیہ سے اور کرامیہ اور مرجئہ سے اور اثناعشریوں اور اسماعیلیوں سے اختلافات اصولی ہیں۔ اصولی اختلافات کے فاصلے کبھی مٹتے نہیں اور اصولوں پر کبھی سودے بازی نہیں ہوتی۔ فروعی اختلافات کے فاصلے صرف صواب اور خطا کے فاصلے ہوتے ہیں حق و باطل کے فاصلے نہیں ہوتے اور ان میں ایک دوسرے کی رعایت بھی کی جاسکتی ہے۔

اثناعشریوں سے ہمارے اختلافات زیادہ تر اصولی اور بنیادی ہیں صرف فروعی اور عملی نہیں۔ آٹھویں صدی میں یہ بات شہرت عام رکھتی تھی اور مسئلہ قطعی درجہ میں کھل چکا تھا۔ علامہ تاج الدین سبکیؒ (۷۷۱ھ) یہ کہہ کر اس ذمہ داری سے فارغ ہو چکے۔

ان خطاء المعتزلی والرافضی قطعی والمسئلۃ قطعیۃ [1]

ترجمہ: معتزلہ اور روافض کی غلطی اسلام کے قطعی امور میں ہے اور ان سے اہل السنۃ کا اختلاف (ظنی نہیں) قطعی ہے۔

حضرات محققین نے انہیں ان کے عقائد ثمانیہ (آٹھ عقیدوں) کے باعث ہمیشہ دائرہ اسلام سے باہر سمجھا ہے، یہ نہیں کہ انہیں اسلام سے باہر کیا ہے۔ یہ عقائد اسلام میں تھے ہی کب کہ انہیں باہر کیا جائے۔ جو عقیدہ دائرہ اسلام کے اندر ہو اسے کوئی باہر نہیں نکال سکتا۔ اور جو اسلام کے قطعی عقیدوں سے معارض ہو اسے اپنے اندر کوئی مسلمان جگہ نہیں دے سکتا۔ لزوم اور التزام اور بات ہے ـــ اور جو بات کفر ہو اس کا التزام اور اقرار اور بات ہے ان دونوں صورتوں میں حکم بدل جاتا ہے ـــ شیعوں کے ان عقائد کا ان کے ہاں بار بار اقرار ہے ـــ اور یہ لوگ اس کا برملا اظہار کرتے رہتے ہیں، ان عقائد ثمانیہ کی بنا پر علماء حق نے

---

[1] طبقات الشافعیہ جلد ا صفحہ ۱۳

ہمیشہ انہیں مسلمانوں سے باہر سمجھا ہے۔ وہ عقائد یہ ہیں:

① موجودہ قرآن پاک کے کمی بیشی سے محفوظ ہونے سے انکار۔ اور اس کے کہنے والے کو کافر نہ کہنا۔

② ختم نبوت کے اس مفہوم کا انکار کہ اس سے آسمانی سلسلہ مامورین بند ہو چکا۔

③ عقیدہ رجعت کہ آخرت سے پہلے اس دنیا میں ایک بار پھر آنا ہے۔

④ امام کے دوسرے انبیاء سے افضل ہونے کا عقیدہ اور افضلیت انبیاء کا انکار۔

⑤ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جن کا صحابی ہونا ــــ اللہ اور اس کے رسول کا رضا یافتہ اور جنتی ہونا امر قطعی ہے ان کے ایمان کا انکار۔

⑥ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت کا عقیدہ رکھنا اور قرآن کریم کے فیصلہ برأت کو نہ ماننا۔

⑦ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عہد میں اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہوئے تھے۔

⑧ حضورؐ کے بعد آپ کی بلا فصل خلافت قائم ہونے کا خدائی دعویٰ پورا نہیں ہوا۔

اگر بعض علماء نے انہیں کبھی مسلمان سمجھا ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ لفظ شیعہ ایک مشترک المعنی لفظ رہا ہے۔ ان کی اصطلاحات اور فرقے مختلف ہیں۔ اثنا عشری شیعوں کے بارے میں اسلام کی بارہ صدیوں میں کبھی کوئی اختلاف نہیں رہا۔ اور اگر ان لوگوں نے کبھی اپنے مسلمات کا انکار کیا ہے تو ایسا ان کے ہاں ازراہِ تقیہ ہوتا رہا ہے اور یہ بات کسی صاحب علم سے مخفی نہیں۔

جن علماء نے اثنا عشری عقائد کا ان کے اصل ماخذوں سے مطالعہ نہیں کیا وہ محض سوال کی عبارت پر ان کے بارے میں فتوے دیتے رہے ہیں۔ سو ان کا فتویٰ ان کے حق میں معتبر نہیں ہو سکتا۔ اس باب میں ان علماء کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے ان لوگوں کا قریب سے مطالعہ کیا ہے یا انہوں نے ان کے اصل ماخذوں پر اطلاع پائی ہے۔

متقدمین میں شیعہ کے بارے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) امام ثوریؒ (۱۶۱ھ) امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) امام مالکؒ (۱۷۹ھ) امام لیث بن سعدؒ (ھ) امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ) امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) امام احمدؒ (۲۴۱ھ) امام طحاویؒ (۳۲۱ھ) اور امام ابوالحسن الاشعریؒ (۳۲۴ھ) کی رائے معتبر ہو سکتی ہے۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کے زمانے میں ملحدین

نے اسلام میں الحاد کی راہیں قائم کیں۔

شیعوں کا اثنا عشری مذہب اس وقت تک قائم نہ ہوا تھا۔ یہ مذہب اپنے بارہویں امام (جن کی پیدائش (۲۵۶ھ) میں ہوئی اور غائب (۲۶۰ھ) ہوئے) کی شیعیت کے بعد قائم ہوا۔ چوتھی صدی کے شروع میں انہوں نے اپنا مذہب مرتب کیا ہے۔ علی بن ابراہیم القمی (۳۰۷ھ) کی تفسیر جو اس مذہب کی اساس ہے گو تیسری صدی کے ختم پر لکھی گئی۔ مگر چوتھی صدی کے نصف تک وہ زیر پردہ رہی۔ پھر علی بن ابراہیم القمی کے شاگرد محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۸ھ) نے اس مذہب کی پہلی حدیث کی کتاب مرتب کی اور ابتداء میں وہ بھی زیادہ تر زیر پردہ ہی رہی پھر کہیں ظاہر ہوئی۔

شیعیت ان دنوں صرف اسی جہت سے متعارف تھی کہ کچھ لوگ یہود و مجوس کے زیرِ اثر جمہور صحابہؓ سے بغض رکھنے لگے ہیں اور چونکہ ان حضرات (صحابہ کرامؓ) کا اللہ کا رضا یافتہ ہونا قرآن کریم اور دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اور وہ خیر امت اور خیر القرون ہیں اس لیے ان کی تنقیص اور ان سے بغض رکھنا اس دور میں ہمیشہ موجبِ کفر سمجھا گیا۔ گو اس وقت یہ عقیدہ کسی منضبط صورت میں سامنے نہ آیا تھا۔

علامہ شعبیؒ (۱۰۴ھ) تو شروع ہی سے ان کے اسلام کے قائل نہ تھے وہ انہیں اسلام سے خارج نہ کرتے تھے فرماتے یہ لوگ اسلام میں داخل ہی کب ہوئے تھے کہ انہیں خارج کیا جائے۔ یہ اسلام میں اسے ایک سچا دین سمجھتے ہوئے داخل نہ ہوئے تھے ان کا مقصد ابتداء ہی سے مسلمانوں میں داخلی انتشار پیدا کرنا تھا۔ حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) علامہ شعبیؒ سے نقل کرتے ہیں:-

قال الشعبی احذرکم اهل هذه الاهواء المضلة وشرها الرافضة لم یدخلوا فی الاسلام رغبة ولا رهبة و لکن مقتا لاهل الاسلام وبغیاً علیهم۔[1]

ترجمہ: علامہ شعبیؒ نے کہا میں تمہیں گمراہ کرنے والے اہلِ بدعت سے ڈراتا ہوں اور ان میں سے سب سے بدتر رافضی ہیں وہ اسلام میں طلبِ حق اور خوفِ خدا سے داخل نہیں ہوئے۔ اہل اسلام کی دشمنی اور جذبۂ انتقام

---

[1] منہاج السنۃ جلد ۱ ص۸

انہیں یہاں لے آیا ہے۔

حضرت علامہ شامیؒ (۱۲۵۲ھ) نے اپنے رسالہ تنبیہ الولاۃ والحکام میں علامہ ابوالسعودؒ (۹۸۲ھ) کے حوالہ سے امام ابو حنیفہؒ، امام سفیان الثوریؒ اور امام اوزاعیؒ تینوں مجتہدین کا یہ فتوے نقل کیا ہے:۔

یعنی اگر یہ لوگ توبہ کر کے اسلام میں آجائیں تو انہیں قتل نہ کیا جائے اور عام کافروں کی طرح انہیں توبہ کے بعد معاف کر دیا جائے

سو امام ابو حنیفہؒ کے فتویٰ اقتلوا الزندیق سرًا فان توبته لاتعرف کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کے توبہ کرنے سے پہلے پہلے تم انہیں جا پکڑو۔ اس وقت ان کی توبہ کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ ان پر زندقہ کی سزا جاری کی جائے گی۔

امام مالکؒ (۱۷۹ھ) نے فتوے دیا کہ قرآن کی رو سے وہ تمام لوگ کافر ہیں جو صحابہؓ سے بغض رکھیں۔ قرآن کریم کی آیت لیغیظ بھم الکفار (پ ۲۶ الفتح آیت ۲۹) میں مذکور وجہ کفر ان لوگوں میں موجود ہے۔

ائمہ مجتہدین ہی نہیں امام ابن حزم ظاہریؒ (۴۵۶ھ) نے بھی یہی بات کہی ہے:۔

ھی طائفة تجری مجری الیھود والنصاریٰ فی الکذب وان الروافض لیسوا من المسلمین۔ [1]

ترجمہ: شیعہ ایسا گروہ ہیں جو جھوٹ بولنے اور کفر کرنے میں یہود و نصاریٰ کی راہ پر چلے ہیں اور روافض لوگ ہرگز مسلمان نہیں ہیں۔

یہ پانچویں صدی کی بات ہے کیا اس میں کوئی ابہام ہے؟ کیا اثنا عشری شیعوں کے کفر میں کسی کا کوئی اختلاف ہوا؟

امام مالکؒ نے یہ فتوے بھی دیا کہ جو مال مسلمانوں کو بطور فے حاصل ہو اور وہ ان میں تقسیم کیا جائے اس میں شیعوں کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔ آپ کے مسلک کے محدث شہیر اور فقیہ کبیر قاضی عیاض مالکیؒ (۵۴۴ھ) لکھتے ہیں:۔

قال مالک من انتقص احدًا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلیس له فی ھٰذہ الفئ حق۔ [2]

---

[1] کتاب الفصل جلد ۲ ص ۷۸ [2] شفاء جلد ۲ ص ۲۶۸

ترجمہ. امام مالکؒ کہتے ہیں جس نے اصحاب رسول میں سے کسی کی بھی شان میں کمی کی
اس کا مالِ فئے میں کوئی حق نہیں ہے۔
اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایسا شخص مسلمان نہیں، سو وہ مال مسلمین سے کوئی حصہ نہ پائے. آپ نے جب یہ فتوے دیا تو آپ کے ہمعصر اکابر علما، و مجتہدین اور بڑے بڑے شاگردوں (جیسے امام محمدؒ و امام شافعیؒ) میں سے کسی نے اس پر انکار نہیں کیا. بلکہ ایک جماعت علماء نے کھل کر ان کی موافقت کی.

حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:۔

ووافقه طائفة من العلماء رضی الله عنهم علی ذلك.[1]

ترجمہ. اور علماء کے ایک بڑے گروہ نے ان سے اس فتوے میں موافقت
کی ہے. اللہ ان سب سے راضی ہو چکا ہے.

علامہ قاضی عیاضؒ (۵۴۴ھ) ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:۔

ونقطع بتكفير كل قائل يتوصل به الی تضليل الامة وتكفير
جميع صحابة.[2]

ترجمہ. اور ہم قطعی طور پر اس شخص کو کافر سمجھتے ہیں جو پوری امتِ اسلامیہ کو
گمراہی پہ سمجھے اور سب صحابہؓ کی تکفیر کا قائل ہو.

علامہ سرخسیؒ (۴۸۳ھ) صحابہؓ کے بارے میں جن کا جنتی ہونا تواتر و یقین سے ثابت ہے لکھتے ہیں:۔

فمن طعن فيهم فهو ملحد منابذ للاسلام ودواءه السيف ان
لم يتب.[3]

ترجمہ. جو صحابہؓ پر طعن کرے وہ ملحد ہے اسلام کی چادر اس نے اتار پھینکی
اس کا علاج تلوار ہے اگر توبہ نہ کرے.

امام فخر الدین رازیؒ (۶۰۶ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

ادعاء الروافض ان القرآن دخله الزيادة والنقصان والتغير
والتحريف ذلك يبطل الاسلام.[4]

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۲۰۴ [2] الشفاء جلد ۲ صفحہ ۲۸۶ [3] اصول سرخسی جلد ۲ صفحہ ۱۳۴ [4] تفسیر کبیر جلد ص

ترجمہ. روافض کا یہ کہنا کہ قرآن کریم میں کمی بیشی ہوئی ہے اور تبدیل و تحریف نے اس میں راہ پائی ہے یہ عقیدہ ان کے اسلام کو باطل کر دیتا ہے (یہ کہنا صحیح نہیں کہ ہمارے اسلاف کو ان کے عقیدہ قرآن پر اطلاع دھتی).

اسلام میں یہ تواتر سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم :-

① اپنے مشن میں کامیاب ہوئے اور اللہ کی نعمت آپ پر تمام ہوئی.
② مکہ مکرمہ میں حق آیا اور باطل گیا اور سلطنت اسلام قائم ہوئی.
③ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہوئے.
④ یہ کامیابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر ختم نہ ہوئی بلکہ آگے چلی اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ استخلاف پورا ہوا.
⑤ حضرات خلفاء ثلاثہ رض (حضرت ابو بکر صدیق رض حضرت عمر فاروق رض حضرت عثمان رض) مومن تھے اور خاتم الانبیاء کا پورا اعتماد پائے ہوئے تھے.
⑥ چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ رض ان خلفائے ثلاثہ کے تسلسل میں خلیفہ بنے اور انہوں نے اپنی خلافت کی بنا ان کی خلافت پر رکھی.
⑦ حضرت حسن رض کا حضرت معاویہ رض کو خلافت دینا انہیں مسلمان سمجھتے ہوئے تھا وہ مسلمانوں کو کسی کافر کے سپرد نہ کر رہے تھے.

یہ امور سبعہ مسلمانوں کا ذخیرہ اعتقاد ہیں اور ثابت بہ تواتر طبقہ و اسناد ہیں. اب جو لوگ ان سب امور کا بیک جنبش زبان یا بیک حرکت قلم انکار کردیں اور عقیدہ رکھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باستثنائے چند سب صحابہ رض (معاذ اللہ) مرتد ہو گئے تھے ان کے کفر میں کیا کسی صاحب علم کو شبہ ہو سکتا ہے؟ یہی نہیں بلکہ جو شخص ان کے کفر میں شک کرے کیا وہ جمیع صحابہ رض سے بدگمان ہونے کا مجرم نہیں؟

چھٹی صدی ہجری کے مسلمانوں کی آواز آپ علامہ قاضی عیاض رح سے سن آئے ہیں. اب نویں صدی کے تأثرات حافظ ابن ہمام رح (۸۶۱ھ) سے معلوم کریں. آپ لکھتے ہیں :-

ان من فضل علیاً علی الثلاثة فمبتدع وان انکر خلافة الصدیق او عمر رضی اللہ عنہما فھو کافر.[1]

---

[1] فتح القدیر شرح ہدایہ جلد ۱ ص ۳۴۴

ترجمہ: جو شخص حضرت علیؓ کو خلفائے ثلاثہؓ سے افضل جانے وہ بدعتی ہے۔
اور اگر وہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کا (جو قرآن میں موعود ہے) انکار کرے تو کافر ہے۔

اب آٹھویں صدی کی یہ دو شہادتیں بھی سُن لیں۔
شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) نے ساتویں صدی کے آخر میں جو کام کیا اور صحابہؓ کے مخالفین میں سے ایک ایک کو لیا آپ کے تأثرات شیعوں کے بارے میں یہ ہیں:-

زعم انھم ارتدوا بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا نفراً قلیلاً لا یبلغون بضعۃ عشر نفسا او انھم فسقوا عامتھم فھذا لا ریب ایضاً فی کفرہ لانہ مکذب لما نصہ فی غیر موضع من الرضی عنھم والثنا علیھم بل من یشک فی کفر مثل ھذا فانہ کفر متعین۔ [1]

ترجمہ: یہ بات کہ صحابہؓ (ماسوائے چند کے جن کی گنتی انیس تک نہیں پہنچتی) سب مرتد ہوگئے تھے یا یہ کہ عامۃ الناس سب فاسق ہوگئے۔ سو اس کے کفر ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ ایسا کہنے والا اس حصہ قرآن کا مکذب ہے جس پر (اور یہ ایک مقام نہیں کئی مقامات ہیں) نص وارد ہوئی ہے اور ان کی (صحابہ کرامؓ کی) تعریف کی گئی ہے بلکہ جو شخص ایسے کافروں کے کفر میں شک کرے اس کا کفر بھی اپنی جگہ طے پا چکا ہے۔

اور قاضی ابویعلیٰؒ سے نقل کرتے ہیں:-

الذی علیہ الفقھاء فی سب الصحابۃ ان کان مستحلاً لذلک کفر۔ [2]

ترجمہ: جس بات پر سب فقہاء متفق ہیں وہ یہ ہے کہ صحابہؓ کو برا بھلا کہنا، اگر اسے جائز سمجھ کر ہو تو یہ کھلا کفر ہے۔

اب آیئے اس آٹھویں صدی میں چلیں۔ حضرت امام مالکؒ کے فتویٰ کی صدا یہاں بھی اسی طرح سنائی دے رہی ہے۔ مفسر قرآن حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:-

---

[1] الصارم المسلول ص۵۸۶ [2] ایضاً ص۵۶۹

ومن هذه الاٰیة انتزع الامام مالکؒ فی روایة عنه بتکفیر الروافض الذین یبغضون الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنهم قال لانهم یغیظونهم ومن غلظ الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنهم فهو کافر لهذه الاٰیة ۔[1]

ترجمہ۔ اور اس آیت سے ایک روایت کے مطابق امام مالک نے رافضیوں کی تکفیر کا حکم نکالا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو صحابہ سے بغض رکھتے ہیں۔ آپ نے ایسا اس لیے کہا کہ رافضی صحابہؓ سے دشمنی رکھتے ہیں اور جو صحابہؓ سے غصہ رکھے وہ اس آیت کی رو سے کافر ہے۔

یہ کسی عام مفسر یا فقیہ کا استدلال نہیں امام مالکؒ کا استدلال ہے جو مجتہد مطلق ہیں آپ کا اس آیت سے یہ استنباط کرنا کہ صحابہؓ سے بغض اور غصہ رکھنا کافروں کا ہی کام ہے۔ اپنی جگہ بڑا اصولی وزن رکھتا ہے۔

چھٹی، ساتویں اور آٹھویں صدی میں یہ لوگ (یعنی روافض) صرف اسی لیے مسلمانوں سے الگ اور اسلام دشمن سمجھے جاتے تھے کہ یہ بغض صحابہؓ کے سایہ میں مسلمانوں کی سیاسی شوکت کے دشمن تھے اور جس طرح یہود و نصاریٰ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کا نظام خلافت درہم برہم ہو۔ یہ لوگ صفوفِ اسلام میں ان کی بڑی امید گاہ تھے اور یہ ہر وقت اس کوشش میں رہتے تھے کہ مسلمانوں کی تباہی جس طرح بھی ہو اس میں کمی نہ کی جائے۔

خلافتِ بغداد کی تباہی میں خلیفہ معتصم باللہ (۶۵۲ھ) کے شیعہ وزیر مؤیدالدین محمد بن محمد علی العلقمی (ھ) کا بنیادی ہاتھ تھا۔ تاتاریوں کے اس حملے میں سولہ لاکھ کے قریب مظلوم مسلمان شہید ہوئے۔ مگر ابن العلقمی کی انتقام کی آگ پھر بھی نہ بجھی۔ اس کی تفصیل کے لیے تاریخ ابن خلدون جلد ۳ ص۵۳۷ کی طرف مراجعت فرمائیے۔

ع آسماں را حق رسد کہ خوں ببارد بر زمیں
بر زوال ملک مستعصم امیر المومنیں

اس ابن علقمی کے بارے میں علامہ تاج الدین السبکی (۷۷۱ھ) لکھتے ہیں:۔[2]

کان فاضلاً ادیباً وکان شیعیاً رافضیاً فی قلبه غل الاسلام واهله۔

ترجمہ۔ وہ عربی کا بڑا ادیب تھا اور رافضی شیعہ تھا۔ اس کے دل میں اسلام

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۴ ص۲۰۴ [2] طبقات الشافعیہ جلد ۵ ص۱۱۰

اور مسلمانوں کا بھرپور کینہ تھا۔

اب آپ ہی اندازہ کریں کہ علامہ سبکیؒ کی نظر میں شیعہ کیا مسلمانوں میں سے ہیں یا اعدائے اسلام میں سے ہیں۔ یہ آٹھویں صدی کی آواز ہے۔

اس کے ساتھ حکیم نصیرالدین طوسی (۶۷۲ھ) مصنف تجریدالاعتقاد (جس کی علامہ ابن مطہر حلی شیعی (۷۲۶ھ) نے کشف المراد شرح لکھی ہے) تھا جس نے خلیفہ مستعصم کے قتل کا فیصلہ دیا تھا۔ اس کے متعلق علامہ سبکیؒ لکھتے ہیں:۔

وکان نصیر من اشد الناس علی المسلمین۔[1]

ترجمہ۔ نصیرالدین طوسی مسلمانوں کے خلاف شدید ترین لوگوں میں سے تھا۔

شام میں عیسائیوں کی صلیبی جنگوں میں بھی شیعوں نے عیسائیوں کا ساتھ دیا تھا۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:۔

تجدھم یعاونون المشرکین واھل الکتاب علی المسلمین اھل القراٰن کما تدجرّبہ الناس غیر مرۃ فی مثل اعانتھم للمشرکین من الترک وغیرھم علی اھل الاسلام بخراسان والعراق والجزیرۃ والشام وغیر ذلک واعانتھم للنصاریٰ علی المسلمین بالشام ومصر وغیر ذلک فی وقائع متعدّدۃ من اعظم الحوادث التی کانت فی الاسلام فی المائۃ الرابعۃ والسابعۃ فانہ لما قدم کفار الترک الی بلاد الاسلام وقتل من المسلمین مالا یحصی عددہ الا رب الانام کانوا من اعظم الناس عداوۃ للمسلمین ومعاونۃ للکافرین۔[2]

ترجمہ۔ تم ان شیعوں کو مسلمانوں کے خلاف جو قرآن کو ماننے والے ہیں مشرکین اور اہل کتاب کی مدد کرنے والا پاؤ گے جیسا کہ لوگ پہلے کئی دفعہ آزما چکے ہیں۔ ان شیعوں نے خراسان، عراق، جزیرہ شام اور دوسرے کئی ممالک میں مسلمانوں کے خلاف تاتاریوں کی مدد کی اور شام اور مصر وغیرہ میں مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کا ساتھ دیا۔ ایسا ایک دفعہ نہیں چوتھی اور ساتویں صدی میں ایسے کئی حوادث پیش آئے جب تاتاریوں نے (ہلاکو خاں نے)

---

[1] طبقات الشافعیہ جلد ۵ ص ۱۱۵ [2] منہاج السنۃ جلد ۵

بلادِ اسلام پر یلغار کی اور مسلمان اس کثیر تعداد میں مارے گئے کہ بس اللہ ہی ان کی تعداد کو جانتا ہے۔ تو یہ لوگ مسلمانوں کی عداوت اور کافروں کی مدد میں ایک بڑی طاقت رہے ہیں۔

حافظ اس سے پہلے یہ بھی لکھ آئے ہیں :-

نفیہم جہل و ظلم لا سیما الرافضۃ فانہم اعظم ذوی الاھواء جہلاً وظلماً یعادون خیار اولیاء اللہ تعالیٰ من بعد النبیین من السابقین الاولین من المہاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ویوالون الکفار المنافقین من الیھود النصاریٰ والمشرکین واصناف الملحدین کالنصیریۃ والاسماعیلیۃ و غیرھم من الضالین۔ [1]

ترجمہ: حرص و ہوا کے ان بندوں میں جہالت اور ضد (کوٹ کوٹ کر) بھری ہے۔ خاص طور پر رافضیوں میں۔ یہ اہلِ اہوا میں سب سے زیادہ ظلم اور جہل کا شکار ہیں۔ انبیاء کے بعد جو سب سے بہتر اللہ کی ولایت میں ہیں جیسے سابقین اولین مہاجرین و انصار میں سے اور ان میں سے جو ان کے پیچھے چلے اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ یہ شیعہ لوگ کفار و منافقین سے موالات رکھتے ہیں۔ کفار میں سے یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے ان کی دوستی ہے اور منافقین میں سے یہ نصیریہ۔ اسماعیلیہ اور ان جیسے دوسرے ملحدین کے ساتھی ہیں اور ان سے موالات رکھتے ہیں۔

اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ جو لوگ اس طرح کھلے بندوں کافروں کے ساتھ رہے اور قافلۂ اسلام کے پیچھے ہراول دستہ صحابہ کرام کے خلاف دن رات بغض کا لاوا اُگلتے ہیں اور مسلمانوں کی جب کبھی کافروں سے پنجہ آزمائی ہو وہ ان کے ساتھ مل جاتے ہیں اور تاتاریوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی تاریخی تباہی انہی کے ہاتھوں عمل میں آئی اور خلافتِ بغداد انہی کے عمل سے مٹی ہوا۔ پھر ان کے کفر و الحاد میں کسی منصف کو کسی قسم کا شک و تردد نہیں ہو سکتا؟ نہیں تو قرآن کریم کی اس شہادت کو لے لیں اور پھر آپ خود فیصلہ کریں کہ کیا ان کو مسلمان

---

[1] منہاج السنۃ ص ۵

سمجھا جاسکتا ہے:۔

ومن یتولھم منکم فانہ منھم۔ (پ۶ المائدہ ع ۸)

ترجمہ: اور تم (دعوئے اسلام کرنے والوں) میں سے جو ان سے دوستی رکھے گا وہ انہی میں سے ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ سے یہ بات پوشیدہ نہ تھی کہ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو موجودہ قرآن میں کمی بیشی کے قائل ہیں۔ تاہم اس وقت تک ان کی آگ زیادہ تر صحابہ کرامؓ کے خلاف ہی بھڑکتی تھی۔ حافظ اپنی دوسری کتاب الصارم المسلول میں لکھتے ہیں:۔

من زعم منھم ان القرآن نقص منہ آیات وکتمت ۔۔۔۔ واما من جاوز ذلک الی ان زعم انھم ارتدوا بعد رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام الا نفراً قلیلاً ۔۔۔۔ او انھم فسقوا عامتھم فھذا لاریب ایضاً فی کفرہ لانہ مکذب لما نصہ القرآن فی غیر موضع من الرضی عنھم والثناء علیھم بل من یشک فی کفرہ مثل ھذا فان کفرہ متعین فان مضمون ھذہ المقالۃ ان نقلۃ الکتاب والسنۃ کفار او فساق وان ھذہ الآیۃ التی ھی کنتم خیر امۃ اخرجت للناس وخیرھا ھو القرن الاول کان عامتھم کفارا او فساقاً ومضمونھا ان ھٰذہ الامۃ شر الامم وان سابقی من ھذہ الامۃ ھو شرارھا وکفر ھٰذا مما یعلم بالاضطرار من دین الاسلام ولھذا تجد عامۃ من ظھر علیہ شیٔ من ھٰذہ الاقوال فانہ یتبین انہ زندیق وعامۃ الزنادقۃ انما یستترون بمذھبھم۔ [1]

ترجمہ: جس کا عقیدہ یہ ہو کہ موجودہ قرآن میں (انسانی ہاتھوں) کئی آیات کم کر دی گئی ہیں اور چھپالی گئی ہیں۔۔۔۔ اور جو اس سے بھی آگے جا کر یہ عقیدہ رکھے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد چند لوگوں کے سوا باقی سب مرتد ہو گئے تھے یا اکثر مسلمان فاسق ہو گئے تو ایسے شخص کے کفر میں بھی کوئی شک نہیں کیونکہ وہ اس حقیقت کا منکر ہے جو قرآن کریم میں کئی مقامات

[1] الصارم المسلول ص۵۸۶ و ص۵۸۷

پر منصوص ہو چکی کہ اللہ تعالیٰ ان سے (صحابہؓ سے) راضی ہو چکا اور ان کی مدح فرما چکا بلکہ جو شخص ایسے لوگوں کے کفر میں شک کرے گا اس کا اپنا کفر طے پا چکا ہے۔
کیونکہ اس بات کا حاصل تو یہ ہے کہ امت تک قرآن اور سنت نقل کرنے والے سب کفار تھے یا فساق تھے اور یہ آیت کہ "تم خیر امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کیے گئے" اور امت کا خیر قرن اول ہے جب وہ سب کافر یا فاسق ٹھہرے تو آیت کا مضمون یہ ٹھہرا کہ یہ امت شر الامم ہے اور امت کے جو لوگ باقی رہے وہ بھی اشرار ہیں تو اس عقیدے کا کفر ہونا دین اسلام میں ضروری طور پر واضح ہو چکا ہے۔
اور لہذا تم اس قسم کے عقائد رکھنے والے عام لوگوں کو اس طرح پاؤ گے کہ ان کا زندیق ہونا واضح ہو گا اور عام زندیق لوگ ہمیشہ انہی (شیعوں) کے پردے میں چھپے ملیں گے۔

اب آپ یہ دیکھیں کہ حافظ ابن تیمیہؒ نے جن شیعی عقائد کو کفر لکھا ہے وہ اثنا عشری شیعوں کے عقائد ہیں یا نہ؟ اگر واقعتہً اثنا عشری عقائد یہی ہیں تو اب کیا ان کا کفر مجمع علیہ نہ ہوا؟ کیا ان پر کفر کی حجت تمام نہیں ہو چکی؟ اور کیا وہ ان کفریات میں سے ایک ایک کے قائل نہیں ہیں؟ اور اس تلخ حقیقت سے بھی اثنا عشری علماء ناواقف نہیں کہ اُن ہاں قرآن کریم کی یہ آیت کنتم خیر امۃ اخرجت للناس محض ایک مذاق بن کر رہ گئی ہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص قرآن کریم کے ساتھ اس قسم کے طنز اور استہزاء پر آجائے جو اثنا عشری عقیدے میں اسی آیت سے ہوتا گیا ہے وہ کسی صورت میں مسلمان نہیں رہ سکتا اور جو شخص ان سب باتوں کے باوجود اسے مسلمان سمجھتا ہے اس کا اپنا کفر بھی طے ہو چکا ہے۔

اثنا عشری عقیدہ موجودہ قرآن کے بارے میں

چھٹی صدی کے نامور اثنا عشری عالم ابو منصور احمد الطبرسی (ھ) لکھتا ہے:-

دلو شرحت کلما اسقط وحرف و بدل مما یجری ھذا المجری طال و ظھر ما تحظر التقیۃ اظھارہ۔[1]

[1] احتجاج للطبرسی جلد ۱ صفحہ ۲۵۴

ترجمہ۔ اور اگر میں تمہارے سامنے کھول دوں کہ کیا کچھ قرآن سے نکالا گیا ہے اور اس کی تحریف کی گئی ہے اور اس کے الفاظ بدلے گئے ہیں تو بات لمبی ہو جائے گی اور وہ بات ظاہر ہو جائے گی جس کے اظہار سے تقیہ روکتا ہے

پھر گیارہویں صدی کا محقق عالم ملا فیض کاشانی علامہ طبرسی کی مذکورہ بالا عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے :-

المستفاد من جمیع هذه الاخبار وغیرها من طریق اهل البیت علیهم السلام ان القران الذی بین اظهرنا لیس بتمامه کما انزل علی محمد صلی الله علیه و اله بل منه ما هو خلاف ما انزل الله ومنه ما هو مغیّر محرّف وانه قد حذف عنه اشیاء کثیرة منها اسم علی علیه السلام فی کثیر من المواضع ومنها لفظة آل محمّد صلی الله علیه و آله غیر مرة ومنها اسماء المنافقین فی مواضعها ومنها غیر ذلك وانه لیس ایضاً علی الترتیب المرضی عند الله وعند رسوله صلی الله علیه وسلم و به قال علی بن ابراهیم القمی[1]

ترجمہ۔ ان تمام احادیث اور اہل بیت کی دیگر روایات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ قرآن جو اس وقت ہمارے سامنے ہے یہ پورا نہیں ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا تھا بلکہ اس میں ایسی باتیں بھی ہیں جو اللہ کی نازل کردہ باتوں کے خلاف ہیں اور ایسی بھی ہیں جو بدلی ہوئی ہیں اور ان میں تحریف کی گئی ہے اور بہت سی باتیں اس میں سے نکال دی گئی ہیں۔ اس سے حضرت علی کا نام بھی بہت سے مقامات سے نکال دیا گیا ہے۔ لفظ آل محمد بھی اس میں کئی جگہ تھا اس میں منافقین کے نام بھی کئی جگہ تھے اور بھی کئی باتیں تھیں۔ اور پھر اس کی ترتیب بھی تو اللہ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی اختیار کردہ نہیں ہے۔ اور یہ بات (ہمارے جلیل القدر مفسر علی بن ابراہیم القمی (۳۰۷ھ) نے کہی ہے۔

اثنا عشری شیعوں کے عقیدہ تحریفِ قرآن کا کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے جن

---

[1] تفسیر الصافی جلد ۱ صفحہ ۳۲

چار علماء متقدمین نے صحتِ قرآن کا دعویٰ کیا. ان کے جمہور علماء نے اسے رد کر دیا اور اب یہ سب کلینی (۳۲۸ھ) سے لے کر خمینی تک اسی عقیدہ پر ہیں کہ موجودہ قرآن میں کمی واقع ہوئی ہے اور یہ ہرگز نبوی ترتیب پر نہیں ہے. کوئی تقیۃً نہ مانے تو اور بات ہے. الجزائر کے مشہور اثنا عشری شیعہ عالم جناب طیب الموسوی نجف اشرف سے لکھتے ہیں :-

ولکن الظاھر من کلمات غیرھم من العلماء والمحدثین منھم والمتاخرین القول بالنقصیۃ کالکلینی والبرقی والعیاشی والنعمانی وفرات بن ابراھیم واحمد بن ابی طالب الطبرسی صاحب الاحتجاج والمجلسی والسید الجزائری والحر العاملی والعلامۃ الفتونی والسید البحرانی وقد تمسکوا فی اثبات مذھبھم بالآیات والروایات التی لا یمکن الاغماض منھا.[1]

یعنی ان چار کے علاوہ ان کے تمام متقدمین علماء اور محدثین سے جو ظاہر مذہب منقول ہے اور سب متاخرین اسی کے ساتھ ہیں وہ یہ ہے کہ قرآن شریف میں واقعی کمی ہوئی ہے اور ان علماء نے اپنے اس مذہب (عقیدہ تحریف قرآن) کو ثابت کرنے میں آیاتِ (محرفہ) کی مثالیں دی ہیں اور وہ روایات پیش کی ہیں کہ ان سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی.

علامہ طیب الموسوی الجزائری نے وہ بڑے بڑے نام گنوائے ہیں جو قرآن پاک کی تحریف کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اس میں کمی کے قائل ہیں اور یہ سب علماء وہ ہیں جنہیں علامہ خمینی اپنے لائق اعتبار اکابرین شمار کرتے ہیں.

آنحضرتؐ کے بعد عام تضلیل امت کا عقیدہ

حافظ ابن تیمیہؒ نے اثنا عشری شیعوں کے وجوہ کفر میں ان کے عام امتِ محمدیہ کے گمراہ ہو جانے کے عقیدے کو بھی ذکر کیا ہے. قرآن کریم میں اسے خیر امت کہا گیا ہے جسے لوگوں پر سچائی کے گواہ بتایا گیا ہے مگر شیعہ اس امت کی عام گمراہی کے اس طرح قائل ہیں. ان کا اول درجے کا محدث ملا محمد یعقوب الکلینی (۳۲۸ھ) یہ عقیدہ اس طرح بیان کرتا ہے :-

[1] مقدمہ تفسیر القمی ص۲۳ و ص۲۴

كان الناس اهل ردة بعد النبي صلى الله عليه وسلم الا ثلثة.[1]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سوائے تین کے سب لوگ مرتد ہو گئے تھے۔
(استغفر اللہ العظیم)
پھر آگے ان تین کے نام لکھے ہیں:۔

۱۔ مقداد بن الاسود ۲۔ ابوذر غفاری ۳۔ سلمان الفارسی۔

کیا یہی خیر امت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ساری کی ساری ارتداد کی گود میں چلی گئی؟ اب ان اثنا عشریوں کا وہ طنز اور استہزاء ملاحظہ ہو جو اس آیت کنتم خیر امة اخرجت للناس کے ساتھ کرتے ہیں۔ ان کا قرآن کا مترجم ملا مقبول دہلوی اس آیت پر لکھتا ہے۔ امام جعفر صادق کے سامنے کسی نے یہ آیت پڑھی۔ کنتم خیر امة۔ تو آپ نے فرمایا:۔

آیا وہ امت خیر امت ہے جس نے جناب امیر المومنین و حسنین کو قتل کیا اس پڑھنے والے نے عرض کیا میں آپ پر فدا ہوں یہ آیت کیونکر نازل ہوئی تھی؟ فرمایا اس طرح نازل ہوئی تھی:۔
انتم خیر ائمة اخرجت للناس۔[2]

اثنا عشری مفسر علی بن ابراہیم القمی (۳۰۷ھ) بھی کہتا ہے کہ حضرت امام نے فرمایا:۔
فقال ابو عبد الله عليه السلام خير امة يقتلون امير المؤمنين والحسن والحسين عليهم السلام فقال القارى جعلت فداك كيف نزلت قال نزلت كنتم خير ائمة اخرجت للناس۔[3]

خیر امت پر کیا طنز ہے؟ بھلا وہ امت خیر امت ہو سکتی ہے جو ائمہ کو قتل کرے یعنی ہرگز نہیں۔ یہ تو شر الامة ہے۔ (استغفر اللہ)

عام تفضیل امت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر میں

عام تفضیل امت کا عقیدہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نزدیک خود آپ کو گمراہ قرار دینے (معاذ اللہ) سے بھی زیادہ گمراہی ہے۔ یہ نصوص قرآن سے کھلا تصادم ہے۔ خوارج جب اس

---

[1] فروع کافی کتاب الروضہ ص۱۱۵ لکھنؤ [2] ترجمہ ملا مقبول دہلوی ص۷۵ [3] تفسیر قمی جلد ۱ ص۱۱۰ بیروت

بات پر ڈٹ گئے کہ حضرت علیؓ نے تحکیم قبول کر کے غلطی کی ہے اور وہ علی الاعلان حضرت علیؓ کو گمراہ کہہ رہے تھے تو آپ نے اپنی ذات کو ایک طرف رکھتے ہوئے ان سے دردمندانہ اپیل کی کہ میری وجہ سے تم ساری امت کو کیوں راہ گم کردہ ٹھہرا رہے ہو عام تضلیل امت کوئی کم درجے کا گناہ نہیں ہے۔

کیا وہ امت جسے اللہ رب العزت خیر اُمت کہے، پوری کی پوری گمراہی کے گڑھے میں گر سکتی ہے؟ خلافت کا مسئلہ خلافِ مرضئ رسالت کر سکتی ہے؟ کچھ خیال تو کرو تم کدھر جا رہے ہو۔ آپ نے انہیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

فان ابیتم الا ان تزعموا انی اخطأت وضللت فلم تضللون عامة امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم بضلالی وتاخذونھم بخطای وتکفرونھم بذنوبی۔ ؎

ترجمہ۔ اگر تم اس کے سوا کچھ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ میں نے غلطی کی ہے اور میں راہِ راست سے بھٹک گیا ہوں تو تم میری وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی عام تضلیل کیوں کر رہے ہو اور میری خطا کا بوجھ ان پر کیوں ڈال رہے ہو اور میرے گناہوں کی وجہ سے عامہ امتِ محمدیہ کی تکفیر کیوں کر رہے ہو۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے نزدیک عام تضلیلِ امت کا عقیدہ خود ان کی ذات سے اعتماد اٹھانے سے بھی زیادہ خطرناک ہے اور آیت کنتم خیر امة سے صریح ٹکراؤ کے باعث یہ عقیدہ صریح کفر ہے۔

تحریف قرآن کے بعد یہ دوسرا کفریہ عقیدہ ہے جس نے عام مسلمانوں اور اثنا عشریوں کے مابین ایمان و کفر کے قطعی فاصلے قائم کر رکھے ہیں۔ عام تضلیل امت تحریف قرآن کے عقیدہ سے کم جرم نہیں اور اثنا عشری تو ان دو عقیدوں کے بعد اس کفریہ عقیدے میں بھی بری طرح گھرے ہیں کہ بارہ اماموں کا درجہ انبیاء سابقین سے بڑا اور برتر ہے:۔

جس فرقے کا یہ عقیدہ ہو کہ قرآن کی آیت میں کچھ کمی ہوئی ہے یا کچھ آیتوں کو چھپا لیا گیا ہے یا جن کا یہ عقیدہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سوائے

؎ نہج البلاغہ جلد ۱ صفحہ ۲۴۲ مصر

چند اشخاص کے سب مرتد ہو گئے تھے یا یہ کہ فاسق ہو گئے تھے تو ان لوگوں
کے کفر میں کوئی شک نہیں بلکہ جو ان کے کفر میں شک کرے ان پر بھی کفر
لازم آئے گا۔[1]

تحریفِ قرآن اور عام تفضیلِ امت کے عقیدے اپنی جگہ پر مستقل وجوہِ کفر ہیں لیکن شیعہ کی عام شہرت زیادہ صحابہ کرامؓ کو برا کہنے کے پہلو سے ہوئی ہے اور اس میں اشتعال کا پہلو دوسرے وجوہِ کفر سے زیادہ نمایاں پایا جاتا ہے۔ ان کا ملا باقر مجلسی جسے علامہ خمینی اپنے اکابر علماء اعلام میں شمار کرتا ہے، لکھتا ہے :۔

باید بعد از ہر نماز بگوید اللّٰھم العن ابا بکر وعمر وعثمان ومعاویۃ و
عائشۃ وحفصۃ وھند وام الحکم۔[2]

اس قسم کے ہذیانات سے تمام اثنا عشری لٹریچر اٹا پڑا ہے۔ دورِ اول میں مسلمانوں نے ان کے اس تبرا کے خلاف مدحِ صحابہؓ پر زیادہ محنت کی۔ ان کے دوسرے عقائد کی ان دنوں زیادہ شہرت نہ تھی۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں کہ ان کا عقیدہ تحریفِ قرآن اہلِ علم سے چھپا ہوا تھا۔ حافظ ابن تیمیہؒ آٹھویں صدی میں ان کے عقیدہ کا واضح طور پر ذکر کرتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا یہ عقیدۂ کفر اس دور میں اکابر علماء کو پوری طرح معلوم تھا۔

ہاں یہ صحیح ہے کہ عام مسلمانوں کے سامنے شیعوں کا صرف بغض صحابہؓ اور ان کی ملت دشمنی تھی۔ ابھی ان کے دوسرے عقائد کفریہ کھل کر سامنے نہ آئے تھے۔ ابھی یہ صرف اس لیے مسلمان شمار نہ ہوتے تھے کہ یہ صحابہ کرامؓ کے اللہ کے یہاں رضا یافتہ ہونے کے منکر ہیں اور صحابہ کرامؓ کا یہ مقام اور ان کا خیر امت ہونا چونکہ متواترات اسلام میں سے ہے اور متواتراتِ اسلام کا انکار کفر ہے۔ اس لیے انہیں اس دور میں مسلمانوں کا شدید ترین سیاسی دشمن اور یہود و نصاریٰ کا ایجنٹ سمجھا گیا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ان کے مخصوص عقائد سبھی ایک ایک کر کے ابھر رہے تھے اور یہ بات بھی عام ہوتی جا رہی تھی کہ یہ لوگ موجودہ قرآن میں تحریف کے قائل ہیں۔ تاہم ابھی تک ان کی اپنی کتابیں مسلمانوں کے ہاں پوری نہ کھلی تھیں، چند اکابر علماء کے سوا عام علماء بھی انہیں بہت کم جانتے تھے۔

---

[1] الصارم المسلول ص۵۸۷ [2] عین الحیوٰۃ ص۵۹۹

یہ شیعوں کا چوتھی صدی سے لے کر آٹھویں صدی تک کا حال ہے۔ اب ذرا نویں صدی میں چلیے۔ صحابہ کرامؓ کی تنقیص و تکفیر تو ایک طرف رہی جو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی مطلقاً تفضیلت کا قائل نہ ہو وہ بھی ان دنوں تک مسلمان نہیں سمجھا جاتا تھا۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) ایک بحث میں لکھتے ہیں:۔

لیس قائله من اهل السنة بل ولا من اهل الایمان[1]

ترجمہ: ایسا کہنے والا اہل السنۃ میں سے کس طرح ہو سکتا ہے بلکہ وہ تو اہلِ ایمان بھی شمار نہ ہوگا یعنی اسے مسلمان نہ سمجھا جائے گا۔

جو صحابہ کرامؓ کو بُرا کہے جمہور علماء کہتے ہیں اسے کوڑے لگائے جائیں۔ بعض مالکیہ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ بعض شافعیہ نے مالکیہ کے اس فتوے کو عام نہیں رکھا۔ اسے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے خاص کیا ہے کہ جو انہیں بُرا کہے وہ اس سزائے قتل کا مستوجب ہے۔ قاضی حسین نے بھی یہ دو قول نقل کیے اور علامہ سبکیؒ نے بھی اس کی تائید کی ہے کہ جو شخص ان دو بزرگوں کو کافر کہے وہ ہرگز مسلمان نہیں رہتا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:۔

وقواه السبکی فی حق من کفر الشیخین وکذا من کفر من صرح النبی بایمانه او تبشیره بالجنة اذا تواتر الخبر بذلک عنه لما تضمن من تکذیب رسول الله صلی الله علیه وسلم[2]

ترجمہ: اور علامہ سبکیؒ نے اس فتوے کفر کی اس شخص کے بارے میں پوری تائید کی ہے جو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو کافر سمجھے اور اسی طرح کسی اور شخص کو جس کے اہلِ ایمان ہونے کی یا جنتی ہونے کی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی اور وہ خبر حضورؐ سے تواتر کے ساتھ پہنچی ہو اس کی تکفیر کفر ہے۔ اب ایسے شخص کو کافر قرار نہ دینے میں تکذیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم لازم آتی ہے۔

ظاہر ہے کہ تکذیب رسول حقیقت میں کلمہ محمد رسول اللہ کا انکار ہے جو چیزیں اسلام میں قطعی طریق سے ثابت ہیں ان کا انکار اور ان میں سے کسی کا انکار اپنے کلمہ شہادتین کو

---

[1] فتح الباری جلد ۱۲ صفحہ ۱۵۲ [2] ایضاً صفحہ ۱۷۳

باطل کر لینا ہے اور یہ صریح کفر ہے۔

شیعہ کی پوری حقیقت معلوم کرنے کے لیے ابھی یہ نو صدیاں کافی نہیں یہ دسویں صدی کا آخر اور گیارہویں صدی کا آغاز ہے جب یہ لوگ کھل کر سامنے آئے اور اب ان کے عقائد سبعہ علمی سطح پر پردے میں نہ رہے۔

دسویں صدی ہجری کے نامور عالم علامہ ابو السعودؒ (۹۸۲ھ) کا فتویٰ ملاحظہ کریں جو آپ نے اپنے وقت کے عثمانی خلیفہ کے استفسار پر تحریر فرمایا تھا۔ حضرت علامہ شامیؒ نے یہ پورا فتوے اپنے رسائل میں نقل کیا ہے۔ سوال یہ تھا کہ شیعوں سے لڑنا جہاد ہے یا نہ؟ اور ان سے جنگ کرتے ہوئے جو لوگ مارے جائیں وہ شہید ہیں یا نہیں؟ آپ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:۔

ان قتالھم جھاد اکبر والمقتول منا فی المعرکة شھید وانھم باغون فی الخروج عن طاعة الامام وکافرون من وجوہ کثیرة وانھم خارجون عن الثلاث وسبعین فرقة من الفرق الاسلامیة لانھم اخترعوا کفرًا وضلالًا مرکبًا من اھواء الفرق المذکورة وان کفرھم لا یستمر علی وتیرة واحدة بل یتزاید شیئًا فشیئًا فمن کفرھم انھم یھینون الشریعة الشریفة ... فلذا اجمع علماء الاعصار علی اباحة قتلھم وان من شک فی کفرھم کان کافرًا .... ولا ریب ان القتال معھم اھم من القتال مع سائر الکفار .... ولا شبھة فان قتیلنا فی معرکتھم شھید۔[1]

ترجمہ۔ ان سے جہاد کرنا جہاد اکبر ہے اور ہمارا جو آدمی اس معرکہ میں مارا جائے وہ شہید ہے۔ یہ لوگ طاعتِ امام سے نکلنے کے باعث باغی ہیں اور کئی دوسری وجوہ سے کافر ہیں اور یہ تہتر فرقِ اسلامیہ میں سے بھی باہر ہیں۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے وہ کفر و ضلال اختیار کر رکھا ہے جو ان تمام گمراہ فرقوں کی اہواء سے مل کر بنا ہے اور ان (شیعوں) کا کفر کسی ایک بنا پر قائم نہیں رہتا بلکہ درجہ بدرجہ بڑھتا رہتا ہے اور یہ بھی ان کا ایک کفر ہے

---

[1] رسالہ تنبیہ الولاة والاحکام از رسائل علامہ ابن عابدین الشامی جلد ا ص ۳۶۹

کہ یہ شریعت بل کی توہین کرتے رہتے ہیں۔۔۔ سو اس لیے تمام ادوار کے علماء کا ان کے ختم کرنے پر اجماع رہا ہے اور یہ بھی ہے کہ جو اُن کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔۔۔۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارے جو لوگ اس معرکہ آرائی میں مارے جا رہے ہیں وہ سب شہید ہیں۔

آگے پھر یہ بھی لکھا ہے:

ان الغلاة من الروافض المحکوم بکفرھم لا ینفکون عن اعتقادھم الباطل فی حال اتیانھم بالشھادتین وغیرھما من احکام الشرع کالصوم والصلوٰۃ فھم کفار۔[1]

ترجمہ۔ غالی شیعہ جن پر کفر کا حکم لگ چکا ہے اپنے اعتقادِ باطل سے ذرا نہیں ہٹتے اور اس کے ساتھ وہ کلمہ بھی پڑھتے رہتے ہیں اور روزہ اور نماز کے احکام بھی (کسی حد تک) بجا لاتے ہیں سو اس کے باوجود وہ کافر ہیں مسلمان نہیں ہیں۔

اہل سنت کے ہاں خلافت اصول میں سے نہیں فروع میں سے ہے۔ یہ ایک عملی انتظام کی چیز ہے۔ عقد حکومت ایک انتظامی معاملہ ہے۔ مگر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کو ماننا انتظام مملکت کی جہت سے نہیں۔ ان کی شخصیات مسلّمہ کی جہت سے مسلمانوں پر فرض ہے۔ ان کی صحابیت۔ ان کا ایمان و اسلام اور ان کا تقویٰ و تزکیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر سے ثابت ہے اور پھر ان خلافتوں پر پوری امت کا اجماع ہے۔ اسلام میں اس اجماع کو قطعیت حاصل ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔

سو انکار خلافت بجہتِ خلافت نہیں بجہت شخصیت شیخین کفر ہے۔ حضرت ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) نے اس جہت سے انکارِ خلافت شیخین کو کفر قرار دیا ہے:۔

لو انکر خلافة الشیخین یکفر اقول وجھه انھما ثبتت بالاجماع من غیر نزاع۔[2]

ترجمہ۔ اگر کسی نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے خلیفۂ رسول ہونے کا انکار کیا وہ کافر قرار پائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی خلافت بغیر کسی اختلاف

---

[1] رسالہ تنبیہ الولاة والاحکام از رسائل علامہ ابن عابدین الشامی جلد ا ص ۳۶۷ [2] شرح فقہ اکبر ص ۱۹۸

کے بالاجماع منعقد ہوئی ہے۔

پھر اکثر صحابہؓ کی تکفیر بھی شیعوں کے کفر کی ایک مستقل وجہ ہے۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ کا خدا کی رضا پائے ہوئے ہونا نصِ قرآن سے ثابت ہے۔

حضرت ملّا علی قاریؒ ایک دوسرے مقام پر تحریر کرتے ہیں:۔

فانھم یعتقدون کفر اکثر الصحابۃ فضلاً عن سائر اھل السنۃ و الجماعۃ فھم کفرۃ بالاجماع من غیر نزاع۔[1]

ترجمہ۔ رافضی لوگ کل اہل السنۃ والجماعۃ کے بارے میں کیا بلکہ اکثر صحابہؓ کے بارے میں کفر کے قائل ہیں انہیں کافر سمجھتے ہیں سو یہ رافضی بغیر کسی اختلاف کے مجمع علیہ درجے کے کافر ہیں۔

ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں:۔

وکذلک نقطع بتکفیر غلاۃ الرافضۃ فی قولھم ان الائمۃ المعصومین افضل من الانبیاء والمرسلین و ھذا کفر صریح۔[2]

ترجمہ۔ اور اسی طرح ہم غالی شیعوں کو قطعی طور پر کافر جانتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ائمہ معصومین انبیاء مرسلین سے افضل ہیں یہ صریح کفر ہے۔

یہاں سے غالی شیعوں کی تعریف بھی معلوم ہوگئی۔ غالی وہی نہیں جو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلا تبرا بکتے ہوں۔ وہ بھی غالی شیعہ ہیں جو اپنے بارہ اماموں کو سابق انبیاء و مرسلین سے افضل جانتے ہوں اور یہ کوئی مختلف فیہ کفر نہیں کفر صریح ہے حضرت ملّا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری (۱۰۱۴ھ) دسویں صدی کے مجدد ہیں۔ آپ نے جب یہ فتویٰ کفر دیا تو کسی دوسرے عالم نے اس کی مخالفت نہیں کی سب نے اسے بالاتفاق تسلیم کیا ہے۔

اور پھر ان کی صرف یہی وجہ کفر نہیں ان کے عقائد سبعہ میں عقیدہ تحریف قرآن بھی تو ہے۔ ملّا علی قاریؒ لکھتے ہیں:۔

وکذلک من انکر القرآن او حرفاً منہ او غیر شیئاً او زاد فیہ۔[3]

ترجمہ۔ اور اسی طرح وہ شخص کافر ہے جس نے قرآن پاک کا یا اس کے ایک حرف کا انکار کیا یا اس کی کسی بات کو بدلا ہوا بتلایا یا اس میں کوئی زیادتی

---

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۹ صفحہ ۱۳۷ [2] شرح شفا جلد ۲ صفحہ ۵۲۹ [3] ایضاً صفحہ ۵۲۵

کی کہ قرآن میں زیادتی بھی ہوئی اور کمی بھی کی گئی ہے۔ (معاذ اللہ)
یہ بات حروف والفاظ تک محدود نہیں۔ قرآن کریم کی موجودہ ترتیب (نظم الفاظ، آیات اور نظم سُور) اور اس کے فیصلوں میں جو زیادتی کرے (تحریف معنوی کرے) یہ سب امور اس کے کفر کا موجب ہیں:۔

الزيادة فی کتاب اللہ فی نظمه وحکمه کفر۔ [1]

ترجمہ۔ قرآن کریم میں اس کے الفاظ اور اس کے فیصلوں میں کوئی زیادتی بتلانا کُفر ہے۔

اور یہ صرف بعض شیعہ کی بات نہیں کل شیعہ قوم اس پر متفق ہے۔ ابن حزمؒ (۴۵۶ھ) پانچویں صدی میں اپنی شہادت دے چکے ہیں:۔

ومن قول الامامية كلها قديما وحديثا ان القرآن مبدل زيد فيه ماليس منه ونقص منه كثير وبدل كثير۔ [2]

ترجمہ۔ اور تمام شیعوں کا وہ پُرانے ہوں یا نئے سب کا متفقہ عقیدہ ہے کہ (موجودہ) قرآن کریم بدلا ہوا ہے اس میں زیادتی کی گئی ہے اور اس میں کمی بھی کی گئی ہے اور بہت سا حصہ بدل ڈالا گیا ہے۔

شیعہ کے عقیدہ تحریفِ قرآن کی یہ پانچویں صدی کی صدا ہے۔ چوتھی صدی میں ان کے پہلے بڑے محدث ملا محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۹ھ) کی کتاب الکافی عالم وجود میں آئی اور پانچویں صدی کے علماء اسلام نے ان کے ایک ایک فرد کو موجودہ قرآن کا منکر پایا۔ اب آپ ہی بتائیں کہ کیا یہ تحریفِ قرآن کی متفرق روایات ہیں یا یہ ان کا ایک طے شدہ مذہب ہے۔ اثنا عشری عقیدہ ان دنوں اسی طرح معروف تھا کہ یہ موجودہ قرآن پر ایمان نہیں رکھتے۔ کتاب الفصل کا پیرایۂ بیان بتلاتا ہے کہ یہ بات ان دنوں خبر مستفیض تھی اور اس وقت کوئی دوسرا عالمِ دین اس مسئلہ میں کوئی دوسری رائے نہیں رکھتا تھا۔ نہ اس میں کسی عالمِ دین کو کوئی تردد تھا کہ قرآن کریم کے بارے میں یہ عقیدہ بلاریب کفر ہے۔

پانچویں صدی سے دسویں صدی تک ہم یہ آواز برابر سنتے آرہے ہیں۔ محدث جلیل ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) کی جو عبارات ہم شرح شفا اور شرح مشکوٰۃ سے اوپر نقل کر آئے ہیں

---

[1] مرقات جلد ۱ صنہ ۱۸ [2] کتاب الفصل جلد ۲ صہ ۱۸۲

ان سے پتہ چلتا ہے کہ دسویں صدی کے آخر تک شیعہ کے بارے میں عالمِ اسلام اس موقف پر سختی سے کاربند تھا کہ یہ لوگ بطور عقیدہ اس قرآن کو محرف اور مبدل مانتے ہیں اور یہ بات از خود ظاہر ہے کہ قرآن پر ایمان نہ رکھنے والا اس امت میں کبھی مسلمان نہیں سمجھا گیا اور یہ بھی ایک امر قطعی ہے کہ قرآن صرف ایک ہے دو نہیں اور وہ موجودہ قرآن پاک ہی ہے۔ یہ نہیں کہ موافق تنزیل کے کوئی اور جمع شدہ قرآن کسی غار میں محفوظ رکھا ہو۔ یہ عقیدہ اہل اسلام میں سے کسی کا نہیں ہو سکتا۔

تحریف قرآن کے اس عقیدے کے ساتھ اگر ان کے عقیدہ امامت (یہ کہ ان کے بارہ امام انبیاء سابقین سے بھی افضل ہیں) اور ان کے عقیدہ تضلیل امت (کہ حضورؐ کی وفات کے بعد تین چار افراد کے سوا ساری امت بھٹک گئی تھی) کو بھی شامل کر لیا جائے تو پھر کون سا عالم ہوگا جو ان کو صفِ اسلام میں جگہ دے سکے۔

ملا علی قاریؒ نے شرح شفا میں ان کے عقیدہ تضلیل امت کو ان کفریہ عقائد میں ذکر کیا ہے جو قطعی درجے میں کفر ہیں اور ہر حق پرست عالمِ دین کو اثنا عشری شیعوں کے بارے میں یہی موقف اختیار کرنا پڑتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے دسویں صدی میں شیعہ کا عقیدہ تحریفِ قرآن خاصا معروف ہو چکا تھا اور یہ بات بھی عام ہو چکی تھی کہ شیعہ حضورؐ کے بعد آپ کی پوری امت کے گمراہ ہو جانے کے قائل ہیں۔ ملا علی قاریؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔

وکذلک نقطع بتکفیر کل قائل قال قولاً یتوصل بہ الی تضلیل الامۃ وتکفیر الصحابۃ وکذلک بتکفیر بعض الصحابۃ عند اھل السنۃ والجماعۃ۔[1]

اثنا عشریوں کا عقیدہ تحریف قرآن پہلے بھی بیان ہو چکا ہے اور اپنے اس عقیدہ کو وہ اپنے ائمہ سے نقل کرتے ہیں۔ اب ترجمہ لیجئے:۔

ترجمہ۔ اور اسی طرح ہم اس شخص کی قطعی تکفیر کرتے ہیں جو ایسی بات کہے جس سے پوری امت گمراہ ٹھہرے اور تمام صحابہؓ کافر ٹھہریں اور اسی طرح بعض صحابہؓ (جن کا ایمان تواتر سے ثابت ہے) کو کافر کہنے سے بھی ایسا شخص اہل السنۃ

---

[1] شرح شفا جلد ۲ صفحہ ۵۲۱

والجماعۃ کے ہاں کافر قرار پائے گا۔

واما من کفر جمیعہم فلا ینبغی ان یشک فی کفرہ لمخالفۃ نص القرآن من قولہ سبحانہ وتعالیٰ والسابقون الاولون من المہاجرین والانصار وقولہ رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ وبیانہ ان ہذہ الآیات قطعیۃ فلا یبطلہ قول مموہ لا اصل لہ من جہۃ النقل ولا من طریق العقل۔[1]

ترجمہ اور جو شخص سب صحابہؓ کو کافر کہے تو اس کے کفر میں شک بھی نہ کیا جائے کیونکہ وہ نص قرآن کے خلاف جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کے سابقین الاولین کے بارے میں اپنی رضا کا اظہار فرمایا جب وہ ایک درخت کے نیچے حضورؐ سے بیعت کر رہے تھے اور اس کا بیان یوں ہوگا کہ یہ سب آیات قطعی ہیں۔ سو انہیں کوئی تاویل زدہ قول جس کی نہ کوئی اصل نقل کی رو سے ہو اور نہ اسے عقل کی رو سے مانا جا سکے باطل نہیں کر سکتا۔

انا لا نکفر اھل البدع والاھواء الا ان اتوا بکفر صریح لا استلزامی لان الاصح ان لازم المذہب لیس بلازم۔[2]

ترجمہ ہم سب اہل بدعت اور اہل اہوا کو کافر نہیں کہتے مگر اسی وقت جب وہ کسی کفر صریح کے مرتکب ہوں۔ کفر استلزامی نہ ہو۔ کیونکہ اصح یہ ہے کہ جو چیز لازم آرہی ہو ضروری نہیں کہ وہ واقع بھی ہو۔

اعلم ان سب الصحابۃ حرام من اکبر الفواحش ومذہبنا ومذہب الجمہور انہ یعزر وقال بعض المالکیۃ یقتل وقال القاضی عیاض سب احدہم من الکبائر انتہی۔ وقد صرح بعض علمائنا بانہ یقتل من سب الشیخین ففی کتاب السیر من کتاب الاشباہ والنظائر للزین ابن نجیم کل کافر تاب فتوبتہ مقبولۃ فی الدنیا والآخرۃ الا جماعۃ الکافر بسب النبیؐ وسب الشیخین او احدہما او بالسحر

---

[1] شرح شفا ص ۔ [2] مرقات جلد ۱ ص

اوبالزندقة ولو امرأة اخذ قبل توبته وقال سب الشيخين بغضهما كفر وان فضل علياً عليهما فمبتدع كذا في الخلاصة .[1]

ترجمہ. تم جان لو کہ صحابہؓ کو بُرا بھلا کہنا بڑے فحش گناہوں میں سے ہے اس میں ہمارا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس پر تعزیر جاری کی جائے بعض مالکیہ لے اس کے مرتکب کو سزائے موت دینے کا حکم دیا. قاضی عیاض کہتے ہیں کسی صحابیؓ کو بُرا کہنا گناہِ کبیرہ ہے اور ہمارے بعض علماء نے صراحت سے کہا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کو بُرا کہنے والے کے لیے سزائے موت کا حکم ہے. علامہ ابن نجیم کی کتاب الاشباہ والنظائر کے کتاب السیر میں ہے ہر کافر کی توبہ دنیا اور آخرت میں قبول ہے مگر جو لوگ نبی پاک کو بُرا بھلا کہنے سے یا حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کو بُرا بھلا کہنے سے کافر ہوئے یا جادو اور زندقہ کے جرم میں کافر ٹھہرے عورت ہی کیوں نہ ہو وہ توبہ سے پہلے پکڑے جائیں تو ان کی توبہ قبول نہ کی جائے گی. حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کو بُرا بھلا کہنا اور ان پر لعنت بکنا کفر ہے اور اگر کوئی ان پر حضرت علیؓ کو فضیلت دے وہ مبتدع ہے ایسا ہی خلاصہ میں لکھا ہے.

یہ دسویں صدی کی آواز ہے. اس کے بعد شیعہ اور کھلے اور پُورے کھل گئے اور پھر دسویں صدی سے لے کر چودھویں صدی تک ان کے کفریاتِ قطعیہ اور کھلتے رہے اور علمائے اہل السنۃ بھی تاریخ کے ان ادوار میں یک زبان رہے اور کسی نے اُن کو دائرہ اسلام میں جگہ نہیں دی.

شیعہ چوتھی صدی سے لے کر نویں صدی تک اپنے عقائد کفریہ میں کچھ دَبے دَبے سے رہے تھے اور اس دور میں انہوں نے بڑی بڑی اسلامی سلطنتوں کو پامال کیا تھا اور وہ اسی لیے مسلمانوں کے دشمن سمجھے جاتے تھے. جب بھی انہوں نے موقع پایا مسلمانوں کی سیاسی شوکت کو تاراج کیا. حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ ان ادوار کے بارے میں لکھتے ہیں:

واکثر تخریب السلطنت الاسلامية كان على ايدى الروافض خذلهم الله.[2]

---

[1] مرقات جلد ۱ صفحہ ۲۷ [2] فیض الباری جلد ۱ صفحہ ۱۷۲

ترجمہ۔ اور اسلامی حکومت کی بیشتر بربادی ان رافضیوں کے ہاتھوں سے ہوئی ہے
خدا انہیں رسوا کرے۔

دسویں صدی کے آخر میں یہ رافضی کھل کر سامنے آگئے۔ اب یہ اہل السنتہ والجماعتہ پر کھلے بندوں برسنے لگے۔ حضرت ملا علی قاری اس صدی کا المیہ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

الرافضة الخارجة فی زماننا۔

ترجمہ۔ رافضی جو اب ہمارے دور میں نکلے ہیں (اب پورے نمایاں ہوئے ہیں)

اِدھر یہ نکلے، اُدھر حکمتِ ربانی متقاضی ہوئی کہ اب گیارہویں صدی کا مجدد وہ ہو جو امام مالکؒ کے فتوے کا پرچم پھر سے لہرا دے اور شیعوں کے بارے میں پھر سے صدائے حق بلند کرے کہ وہ مسلمان نہیں ہیں ۔۔۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ مجاہد امام مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ (۱۰۳۴ھ) کی صورت میں اُٹھایا۔ آپ نے فیصلہ دیا اور کھلے بندوں کہا کہ شیعہ کافر ہیں :۔

شک نیست کہ شیخینؓ از اکابر صحابہؓ اند بلکہ افضل ایشاں پس تکفیر بلکہ تنقیص ایشاں موجب کفر و زندقہ و ضلالت باشد۔ [1]

ترجمہ۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اکابر صحابہؓ میں سے ہیں بلکہ سب سے افضل ہیں ۔ پس ان دو بزرگوں کی تکفیر اور ان کی تنقیص بھی کفر و زندقہ اور کھلی گمراہی ہے۔

یعنی جو شخص انہیں غیر مومن کہے یا ان کی شان میں کچھ کمی کرے اور اس کے کافر اور زندیق اور گمراہ ہونے میں کسی درجے کا شک نہیں ہے۔ اس دور میں ہندوستان میں دوسرے معتقدر عالم شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) گزرے ہیں۔ آپ نے حضرت امام ربانیؒ کے اس اعلانِ حق سے سرمو اختلاف نہ کیا اور پوری پوری موافقت کی۔

حضرات مجددین بعہدۂ تجدید دین کو ان تمام ملاوٹوں سے پاک کرتے ہیں جو اہلِ ہوا نے اس میں شامل کر رکھی ہوں ملحدین اور اہلِ بدعت جو نئی باتیں دین میں داخل کرتے ہیں مجدد وقت دین کو ان تمام آلائشوں سے صاف کرتے ہیں اور تاریخ گواہ ہے کہ اس سلسلہ میں مجدد مائتہ دہم ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) مجدد مائتہ یازدہم حضرت مجدد الف ثانی (۱۰۳۴ھ) اور

---

[1] رسالہ رد روافض از حضرت امام ربانی ص۳۱

مجدد مائۃ دوازدہم حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) اور خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) نے بنیادی کام کیا۔ آپ شیعہ کو جب بھی جاننا چاہیں تو ان چار صدیوں میں دیکھیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رح جب دہلی میں شیعہ پر تحفہ اثنا عشریہ لکھ رہے تھے تو ایران میں مرزا حسین نوری (۱۳۲۰ھ) اس کے رد عمل میں قرآن میں تحریف ثابت کرنے کے لیے فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب لکھ رہا تھا۔

شیعہ علمائے ایران بھی زیادہ اسی دور میں اُبھرے ہیں اور شیعیت ان کی تالیفات میں پوری طرح کھل کر سامنے آئی۔ محمد بن علی موسےٰ صاحب مدارک (۱۰۰۹ھ) قاضی نور اللہ شوستری (۱۰۱۹ھ) زین الدین بحرانی (۱۰۲۱ھ) محمد بن علی استرآبادی (۱۰۲۸ھ) زین الدین عاملی (۱۰۳۰ھ) میر محمد باقر داماد (۱۰۴۱ھ) ملا تقی مجلسی (۱۰۷۰ھ) ملا فیض صاحب وافی (۱۰۹۱ھ) محمد بن حسن الحر العاملی (۱۱۰۴ھ) ملا محمد باقر المجلسی (۱۱۱۰ھ) ملا فیض کاشانی (۱۱۱۲ھ) نعمت اللہ الجزائری (۱۱۱۲ھ) محمد رضا تبریزی (۱۱۵۸ھ) انہی ادوار میں ہوئے ہیں۔

گیارہویں صدی کے آخر میں سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ (۱۱۱۸ھ) کی نگرانی میں فتاویٰ عالمگیری تیار ہوا اور حکومتی سطح پر شیعہ کو غیر مسلم قرار دیا گیا۔ اقلیت ان کو اس لیے قرار نہ دیا گیا کہ اقلیت کو قانونی تحفظ ملتا ہے اور شیعی الحاد ان کے ہاں کسی تحفظ کا حقدار نہ سمجھا گیا۔ شیعہ کا حکم کسی اور کتاب میں ملے تو وہ ایک فتوے ہے اور علمی رائے ہے۔ مگر یہ موضوع جب فتاوےٰ عالمگیری میں ملتا ہے تو یہ ان کے غیر مسلم ہونے کے بارے میں اسلامی سلطنت کا فیصلہ ہے جسے آئندہ سلطنتیں لے کر بڑھ سکتی ہیں بغیر اس کے کہ اس پر کسی مزید بحث کی ضرورت ہو۔

فتاویٰ عالمگیری کسی ایک عالم کی تحریر نہیں۔ اس وقت کے علماء اسلام کی یہ قومی اسمبلی کا فیصلہ ہے:۔

الرافضی اذا کان یسب الشیخین او یلعنهما والعیاذ باللہ فهو کافر ..... ولو قذف عائشة رضی اللہ عنهما بالزنا کفر باللہ و من انکر امامة ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ فهو کافر وعلیٰ قول بعضهم هو مبتدع ولیس بکافر والصحیح انہ کافر وکذلک من انکر خلافة عمر رضی اللہ عنہ فی اصح القول کذا فی الظهیریة۔ ویجب اکفارهم باکفار عثمان وعلی وطلحة وعائشة رضی اللہ عنهم۔ ویجب اکفار

الروافض فی قولھم برجعۃ الاموات الی الدنیا .... وھؤلاء القوم خارجون عن ملۃ الاسلام واحکامھم احکام المرتدین کذا فی الظہیریۃ ¹

ترجمہ۔ رافضی جب حضرات شیخین رض کو برا بھلا کہتا ہو یا وہ ان پر لعنت کرتا ہو تو وہ کافر ہے .... اور اگر اس نے ام المومنین رض پر زنا کی تہمت لگائی تو بھی وہ کافر ہو گیا اور جو حضرت ابو بکر رض کی امامت کا انکار کرے تو وہ بھی کافر ہے اور بعض کے نزدیک وہ مبتدع ہے کافر نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ وہ واقعی کافر ہے اور اسی طرح جو حضرت عمر رض کی خلافت کا انکار کرے تو وہ بھی اصح القول کے مطابق کافر ہے ایسا ظہیریہ میں ہے اور انہیں (صحابہ کرام رض کو برا بھلا کہنے والوں کو) حضرت عثمان رض، حضرت علی رض، حضرت طلحہ رض اور حضرت عائشہ رض جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوئے کو کافر کہنے سے بھی کافر قرار دیا جائے گا اور روافض کو ان کے عقیدۂ رجعت (کہ اموات پھر اس دنیا میں لوٹتے ہیں) کی بنا پر بھی کافر قرار دینا واجب ہے .... اور یہ سب لوگ ملت اسلامیہ سے خارج ہیں اور ان کا حکم شرعاً مرتد کا حکم ہے۔

یہ صرف ہندوستان یا برصغیر کا فیصلہ نہیں پورے عالم اسلام کا یہی فیصلہ ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض کے بارے میں اثنا عشری عقیدہ

منافقین نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض پر ایک ناپاک تہمت لگائی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں آپ کی برّیت کا اعلان فرمایا :-

لولا اذ سمعتموہ ظن المؤمنون والمؤمنات بانفسھم خیرًا وقال ھذا افک قدیم۔ (پ ۱۸ النور ۱۲)

ترجمہ۔ کیوں نہ ایسا ہوا کہ جب تم نے یہ سنا تھا تو مومن مرد اور مومن عورتیں اپنے لوگوں پر بھلا گمان رکھتے اور کہہ دیتے کہ یہ تو کھلا بہتان ہے۔ اپنے لوگوں پر نیک گمان رکھتے ــ کون لوگ ؟ مومن مرد اور مومن عورتیں ــــ

---

¹ فتاوے عالمگیری جلد ۲ صـ ۲۸۳ طبع مصر صـ ۲۶۸ طبع ہند

مومنین کے اپنے کون ہو سکتے ہیں جو خود مومن ہوں ـــــ قرآن کریم نے بہتان کی تردید کے ساتھ ام المومنینؓ کے ایمان کی بھی کھلی گواہی دے دی۔

سو یہ قطعی عقیدہ اسلام ہے کہ حضرت ام المومنینؓ اس الزام سے پاک ہیں اب جو شخص اس کے خلاف عقیدہ رکھے وہ قطعاً کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

فتاوٰے شامی میں ہے:۔

لا شك فی تکفیر من قذف السیّدة عائشة رضی الله عنها او انکر صحبة الصدیق رضی الله عنه۔[۱]

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

آجکل شیعہ عموماً وہ لوگ ہیں جو قطعیاتِ اسلام کا انکار کرتے ہیں۔ مثلاً حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگاتے ہیں یا تحریفِ قرآن وغیرہ کے قائل ہیں اور اس عقیدہ کے لوگ باجماع امت کافر ہیں۔[۲]

اس عقیدے کے شیعہ اثنا عشری شیعہ کہلاتے ہیں۔ ان کا عقیدہ حضرت ام المومنینؓ کے بارے میں یہ ہے:۔

چوں قائم ما ظاہر شود عائشہ را زندہ کند تا بر و حد بزند و انتقام فاطمہ بکشد۔[۳]

ترجمہ: جب امام مہدی ظاہر ہوں گے عائشہؓ کو زندہ کریں گے تاکہ اس پر حد جاری کریں اور ان سے فاطمہؓ کا انتقام بھی لیں۔ (استغفر اللہ)

حق الیقین اثنا عشری شیعوں کی کتاب ہے۔ علامہ خمینی اس کے مصنف ملا باقر مجلسی کو اپنے اکابر میں لکھتے ہیں۔

حد فقہ کی ایک اصطلاح ہے اور یہ انہی جرائم پر جاری کی جاتی ہے جن کی سزا اسلام میں طے شدہ ہے اسے حاکم کی رائے پر نہیں چھوڑا جاتا۔ انتقامی کاروائی حدود میں نہیں آتی۔ اس لیے مجلسی نے اسے واؤ عاطفہ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ حد کے ساتھ مارنے کا لفظ اثنا عشریوں کے عقیدہ قذف عائشہ کی پوری صراحت کرتا ہے۔ سو شامی کی رو سے بھی اب ان اثنا عشریوں کے کفر میں کوئی شک نہیں رہ جاتا۔

اب یہ فیصلے آپ کریں کہ اثنا عشری شیعہ اس عقیدے کے بعد مسلمان ہیں یا نہیں؟

---

[۱] ردالمحتار جلد ۲ صفحہ ۲۲۲ باب المرتد [۲] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند امداد المفتیین جلد ۲ صفحہ ۲۱۵ [۳] حق الیقین صفحہ ۱۳۹ ایران

اور جو ان اثنا عشریوں کو مسلمان سمجھے وہ مسلمانوں سے کتنے دور کے فاصلے پر جا کھڑا ہوا ہے۔

علامہ علاؤ الدین صاحب درمختار (۱۰۸۸ھ) جو اپنے وقت کے جلیل القدر محدث فقیہ، نحوی اور بلند پایہ خطیب گزرے ہیں وہ بھی لکھتے ہیں:

من سبّ الشیخین او طعن فیهما کفر ولا تقبل توبته وبه اخذ الدبوسی وابو اللیث وهو المختار للفتویٰ انتهی وجزم به فی الاشباه واقره المصنف قالا هذا یقوی القول بعدم قبول توبة ساب رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو الذی ینبغی التعویل علیه فی الافتاء والقضاء[1]

ترجمہ: جس نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو برا بھلا کہا یا ان پر کوئی طعن کیا وہ کافر ہو گیا اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے گی۔ علامہ دبوسی ابو اللیث کی یہی رائے ہے اور فتوے اسی پر ہے۔ الاشباہ میں اسی پر اعتماد کیا گیا ہے اور مصنف نے اسی کا اقرار کیا ہے۔ دونوں نے کہا ہے اس سے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ کی بھی توبہ قبول نہیں اور اسی پر فتوے اور فیصلے میں اعتماد کیا جانا چاہیئے

فتاویٰ عالمگیری کی یہ صدا ایران تک سنی گئی۔ یہ محض ایک فتوے نہیں ایک اسلامی سلطنت کا فیصلہ ہے۔ ایران میں بحرین کے مشہور شیعہ عالم نعمت اللہ الجزائری (۱۱۱۲ھ) مرکزی حیثیت رکھتے تھے۔ اب اس فیصلہ کو کہ مسلمانوں کے ہاں شیعہ کس درجہ میں شمار ہونے لگے۔ اسے نعمت اللہ کی زبان سے سنیئے:

ہمارے زمانہ کے بہت سے اہل السنۃ یہود و نصاریٰ کو ہم سے بہتر سمجھتے ہیں اور جب ہم ان کے ساتھ سفر کرتے ہیں تو وہ ہم سے ٹیکس وصول کرتے ہیں۔[2]

شیعوں سے جزیہ لیا جانا بتلاتا ہے کہ یہ ایک محض علمی موضوع نہیں تھا ایک ملکی فیصلہ تھا جس سے مسلمان جہاں جہاں بھی تھے خاصے متاثر ہوئے اور شیعہ اس طرح سمجھے جانے لگے کہ یہ گویا یہود و نصاریٰ سے بھی دور کا کوئی اور مذہب رکھتے ہیں۔

---

[1] درمختار بحاشیہ الشامی جلد ۳ ص ۳۰۴ طبع جدید جلد ۴ ص ۲۳۵ [2] الانوار النعمانیہ جلد ۲ ص ۳۰۷

گیارہویں صدی میں بھی اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں شیعہ کا یہی تصور رہا ہے حضرت مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۴ھ) ہوں یا شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) یا سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ (۱۱۱۸ھ) سب کا موقف ایک ہی رہا ہے :۔

آیئے اب آپ کو بارہویں صدی ہجری میں لے چلیں۔ اس صدی کے مجدد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) کا کام اس سلسلے میں مجددانہ کام ہے۔ آپ کی معرکۃ الآراء کتاب ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء اس باب میں سنگِ میل کا درجہ رکھتی ہے۔

آپ کافروں کی مختلف قسمیں بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جو شخص ظاہراً اسلام کا اقرار کرے لیکن بعض ضروریاتِ دین کی وہ تشریح کرے جو صحابہ کرامؓ اور ان کے پیروؤں میں نہ تھی اور اجماع امت کے خلاف چلے تو وہ زندیق ہے اور ظاہر ہے کہ زندیق کھلے کافر سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ آپ مؤطا کی شرح میں لکھتے ہیں :۔

وان اعترف به ظاهراً لكنه يفسر بعض ما ثبت من الدين ضرورة بخلاف ما فسره الصحابة والتابعون واجمعت عليه الامة فهو زنديق۔[1]

ترجمہ۔ اور اگر کوئی شخص ظاہراً اسلام کا اقرار کرے لیکن بعض ضروریاتِ دین کا وہ مطلب لے جو صحابہؓ اور تابعینؒ نے نہیں لیا اور جس پر کہ امت کا اجماع چلا آرہا ہے تو وہ زندیق ہے۔

شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جو شخص حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو جنتی نہ مانے حالانکہ متواتر احادیث (جن میں شک ہو ہی نہیں سکتا) ان کے حق میں چلی آرہی ہیں تو وہ شخص زندیق ہے۔

اسی طرح وہ شخص بھی زندیق ہے جو ختم نبوت کا اقرار کرے لیکن مفہوم نبوت کو حضورؐ کے بعد ائمہ اہلبیت میں جاری سمجھے اور کہے کہ حضورؐ کے بعد مرتبۂ امامت ہے۔ اور امام مامور من اللہ اور معصوم ہوتا ہے تو یہ حقیقت میں ختم نبوت کے اسلامی مفہوم کا انکار ہے اور ایسا ماننے والا زندیق ہے۔

اب ان شیعہ کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا فیصلہ سنئیے :۔

فذلك هو الزنديق وقد اتفق جماهير المتاخرين من الحنفية والشافعية

---

[1] المسوّیٰ شرح مؤطا جلد ۲ صفحہ ۱۱۱

علی قتل من یجری ذالک المجری۔[1]

ترجمہ: پس وہ شخص زندیق ہے اور جمہور متاخرین حنفی مسلک کے ہوں یا شافعی مسلک کے وہ ایسا اعتقاد رکھنے والے کے لیے سزائے موت تجویز کرتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین لکھی ہے آپ اس میں لکھتے ہیں کہ اس وقت شیعہ تین حصوں میں بٹے ہیں۔ ۱۔ اسماعیلیہ ۲۔ امامیہ ۳۔ زیدیہ۔

اسماعیلیہ کہ زندیق صرف اند و امامیہ کہ بہ حقیقت منکر ختم نبوت اند و زیدیہ کہ فتنہ مقاتلات بین المسلمین را ایشاں منشائی شدہ اند۔[2]

اسماعیلیہ کہ زندیق محض ہیں اور امامیہ کہ حقیقت میں ختم نبوت کے منکر ہیں اور زیدیہ جو مسلمانوں کو ہمیشہ لڑائے رکھتے ہیں۔

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں:۔

ازاں جملہ شیعہ امامیہ کہ نزدیک ایشاں قرآن بنقل ثقات ثابت نیست۔ زیرا کہ نقل صحابہ و قراء سبعہ پیش ایشاں حجت نیست و روایت از ائمہ ایشاں منقطع و ہم چنیں احادیث مرفوعہ روایت ندارند و استفاضہ احادیث پیش ایشاں متصور نیست و در ختم نبوت زندقہ پیش گرفتہ اند۔[3]

ترجمہ: اور ان میں شیعہ امامیہ بھی ہیں ان کے نزدیک قرآن کریم ثقہ لوگوں کی روایت سے مروی نہیں۔ کیونکہ صحابہؓ کی روایت یا قراء سبعہ کی نقل ان کے ہاں لائق اعتبار نہیں اور ان کے ائمہ سے اس قرآن کی روایت ویسے ہی ثابت نہیں۔ اسی طرح ان کے ہاں احادیث مرفوعہ (وہ احادیث جو حضورؐ کی روایت سے چلیں) موجود نہیں اور خبر مستفیض کا ان کے ہاں تصور تک نہیں اور عقیدہ ختم نبوت میں بھی وہ زندقہ کی راہ چلے ہیں۔

پھر تفہیمات میں لکھتے ہیں:۔

امام باصطلاح ایشاں معصوم مفترض الطاعۃ منصوب للخلق است و وحی باطنی درحق امام تجویز مے نمایند۔ پس در حقیقت ختم نبوت را منکر اند گو بزبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را خاتم الانبیاء مے گفتہ باشند۔[4]

---

[1] المسوی عربی شرح موطا جلد ۲ صفحہ ۱۱۰ [2] قرۃ العینین ص ۱۴۸ [3] ایضاً ص ۱۵۲ [4] تفہیمات ص ۲۴۴ ج ۲ وصیت نامہ

ترجمہ. امام ان لوگوں کی اصطلاح میں ایک معصوم اور مفترض الطاعۃ (جس کی اطاعت فرض مانی جائے) شخصیت ہے جسے مخلوق کی راہنمائی کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ یہ لوگ امام کے حق میں مخفی وحی بھی جائز سمجھتے ہیں سو یہ حقیقت میں ختم نبوت کے منکر ہیں گو زبان سے (تقیۃً) حضورؐ کو خاتم النبیین کیوں نہ کہتے ہوں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ امام کے بارے میں شیعہ کی جو اصطلاح نقل کی ہے اسے ملا باقر مجلسی کی کتاب حیات القلوب میں بھی دیکھ لیجئے :۔

حق ایں است کہ در کمالات و شرائط و صفات فرقے میان پیغمبر و امام نیست۔ [1]

ترجمہ. حق بات یہ ہے کہ کمالات و شرائط اور صفات میں پیغمبر اور امام میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مرتبہ امامت بالاتر از مرتبہ پیغمبرے است. چنانچہ حق تعالیٰ بعد از نبوت بحضرت ابراہیم خطاب فرمود کہ انی جاعلك للناس اماماً۔ [2]

ترجمہ. بلکہ امامت کا درجہ نبوت کے درجے سے بالاتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو نبوت کے بعد درجہ امامت عطا فرمایا تھا۔

ملا جی کی بے علمی اور کج فہمی ملاحظہ ہو۔ یہاں موضوع وہ امامت ہے (حضرت علیؓ کی اور گیارہ اماموں کی) جو بغیر نبوت کے ہو۔ اور ملا جی دلیل میں وہ امامت لائے ہیں جو مع النبوت ہے۔ سوال کے دعوئ اور دلیل میں مطابقت نہیں ہے۔ شیعہ علماء کے دلائل علمی سطح پر ایسے ہی کمزور ہوتے ہیں۔

حیات القلوب کی ان عبارتوں سے واضح ہوتا ہے کہ شیعوں کے ہاں امامت نبوت سے افضل ہے۔ سوان کے ہاں حضورؐ کے خاتم النبیین ہونے کا مطلب صرف یہ ہے کہ نبی کا لفظ امام کے لیے نہیں۔ ورنہ نبوت کے جمیع اوصاف مامور من اللہ ہونا اور معصوم ہونا لوگوں کے لیے حجت ہونا اس کی اطاعت کا فرض ہونا اور حرام و حلال کی لسانِ ناطق ہونا —— امام میں پائے جاتے ہیں اور مفہوم نبوت کے اعتبار سے نبوت جاری ہے۔ صرف اسم نبوت کے

---

[1] حیات القلوب حصہ سوم ص۲ [2] ایضاً ص۳

لحاظ سے یہ سلسلہ ختم ہوا ہے۔ ملا باقر مجلسی لکھتا ہے :۔

از برائے تعظیم حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم و آنکہ آں جناب خاتم انبیاء باشد منع اطلاق اسم نبی و آنچہ مرادف ایں است در آنحضرت کردہ اند۔ [1]

ترجمہ۔ حضورؐ کی محض تعظیم کے لیے اور اس لیے کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں لفظ نبی کا اطلاق یا اس کے کسی مترادف کا اطلاق کسی پر جائز نہیں۔

یعنی ختم نبوت محض ایک اعزاز ہے اور تعظیم ہے ورنہ اس سے آسمانی ماموریت ہرگز بند نہیں ہوتی۔ یہ وہ عقائد فاسدہ ہیں جن کی وجہ سے حضرت شاہ صاحبؒ نے اثنا عشری شیعوں کے زندیق ہونے کا فتوے دیا ہے اور یہ کافروں کی بدترین قسم ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنے زمانہ کے شیخ الشیوخ استاذ الاساتذہ اور دہلی کی مسند حدیث کے صدر نشین ہیں۔ سو آپ کا یہ فیصلہ پورے ہندوستان کی اجماعی آواز اور ایک عالمی صدائے حق ہے۔

اب آیئے آپ کو تیرہویں صدی میں لے چلیں۔ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) علامہ محمود آلوسیؒ صاحب روح المعانی (۱۲۷۰ھ) اس دور میں حق کے چراغ تھے۔ ان میں حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ وہ مرکزی شخصیت ہیں جن کی علمی سلطنت روم و شام اور سمرقند و بخارا تک پھیلی ہوئی تھی اور آج آپ کو شاید ہی کوئی ایسا عالم ملے جس کی علمی سند میں حضرت شاہ صاحبؒ کا نام نہ آتا ہو۔

آیئے پہلے آپ سے دریافت کریں اور یہ جانیں کہ آپ کے ہاں شیعہ شرعاً کیا حکم رکھتے ہیں۔ آپ نے علماء کی قومی اسمبلی کے اس فیصلے کی زبردست تائید کی جو سلطان اورنگ زیب عالمگیر کی زیر نگرانی فتاوےٰ عالمگیری کی صورت میں شائع ہوا۔

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں :۔

در مذہب حنفی موافق روایات، مفتی بہ حکم فرقہ شیعہ حکم مرتداں است، چنانچہ در فتاویٰ عالمگیری مرقوم است۔ [2]

ترجمہ۔ مذہب حنفی میں مفتی بہ روایات کے مطابق ان لوگوں کا حکم مرتدین کا ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے۔

---

[1] حیات القلوب جلد ۳ [2] فتاویٰ عزیزی جلد ۱ ص۱۲ طبع دہلی ۱۳۴۱ھ

پھر ایک اور مقام پر یہ بھی لکھا ہے۔

بلاشبہ فرقہ امامیہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے منکر ہیں اور کتب فقہ میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کا جس نے انکار کیا وہ اجماعِ امت کا منکر ہوا اور وہ کافر ہو گیا۔

علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) نے تیرہویں صدی کو دوسری صدی سے متصل کیا ہے اور حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ) نے اپنے وقت میں شیعوں کے بارے میں جو فیصلہ دیا تھا اسی کو پھر دُہرایا ہے۔ یہ صورتِ حال بتلاتی ہے کہ اُمتِ اسلامیہ ان تیرہ صدیوں میں صحابہ کرامؓ سے بغض رکھنے والوں کی تکفیر پر ہمیشہ مجتمع رہی ہے۔

وفی المواھب ان الامام مالکاً قد استنبط من ھذہ الآیۃ تکفیر الروافض الذین یبغضون الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم فانھم یغیظونھم ومن غاظہ الصحابۃ فھو کافر ووافقہ کثیر من العلماء .... وفی البحر ذکر عند مالک رجل ینتقص الصحابۃ فقرأ مالک ھٰذہ الآیۃ فقال من اصبح من الناس وفی قلبہ غیظ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقد اصابتہ ھٰذہ الآیۃ ویعلم تکفیر الرافضۃ بخصوصھم[1]

ترجمہ۔ امام مالکؒ نے اس آیت سے رافضیوں کی جو صحابہ کرامؓ سے بغض رکھتے ہیں تکفیر ثابت کی ہے کیونکہ یہ اُن سے جلتے ہیں اور جس کو صحابہؓ سے جلن ہو وہ کافر ہے اور بہت سے علماء نے امام مالکؒ کے اس استنباط کی موافقت کی ہے .... البحر میں ہے کہ امام مالکؒ کے پاس ایک شخص کا ذکر کیا گیا جو صحابہؓ کی عیب جوئی کرتا تھا۔ حضرت امام مالکؒ نے اس پر یہ آیۃ تلاوت فرمائی۔ لیغیظ بھم الکفار اور فرمایا جو شخص موقع پائے اور اس کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے بارے میں کوئی غصہ ہو تو اسے اس آیت نے لے لیا ہے اور اس سے رافضیوں کی تکفیر خاص طور پر ہوتی ہے۔

---

[1] روح المعانی جلد ۲۲ ص۱۲۸

یہ بات صرف امام مالکؒ سے ہی نہیں چلی آپ سے پہلے حضورؐ کے خادم خاص حضرت انس بن مالکؓ جنہیں حضرت امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) نے بھی دیکھا تھا واضح طور پر یہ بات کہہ چکے ہیں۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں:۔

صحابہؓ کے خلاف جس کے دل میں کوئی جلن اور غیظ ہو وہ اس آیت کا مصداق ہے۔

اور پھر لکھتے ہیں:۔

اہل سنت کا اجماع ہے کہ تمام صحابی عدول تھے (کوئی فاسق اور غیر صالح نہ تھا) اور سب محفوظ تھے (اللہ نے ان کی مغفرت فرمادی تھی۔[۱]

پھر ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

متواترات از نصوص قرآن و حدیث بمدح صحابہؓ پُراست کہ ایں ہا باہم محبت و رحمت داشتند و نیز بر کفار غلاظ و شداد بودند۔ ہر کہ آنہارا باہم مبغض و بے الفت داند منکر قرآن است۔ و ہر کہ باآنہا دشمنی و غصہ داشتہ باشد در قرآن بروے اطلاق کفر آمدہ صحابہ حاملانِ وحی و راویانِ قرآن اند۔ ہر کہ منکر آنہا باشد او را ایمان بہ قرآن وغیرہ از ایمانیات ممکن نیست۔[۲]

ترجمہ۔ قرآن وحدیث کی متواتر نصوص مدح صحابہؓ سے پُر ہیں اور قرآن کریم میں ہے کہ سب آپس میں محبت اور رحمدلی رکھتے تھے اور یہ کفار پر سخت اور تند تھے اور جو کوئی انہیں آپس میں ایک دوسرے سے بغض رکھنے والا جانے وہ قرآن کریم کا منکر ہے اور جو کوئی صحابہؓ سے غصہ یا دشمنی رکھے قرآن کریم میں اس پر کفر کا اطلاق وارد ہے۔ صحابہؓ حاملانِ وحی اور راویانِ قرآن ہیں جو کوئی ان کا منکر ہوا یہ ممکن نہیں کہ اس کا قرآن اور دوسرے مؤمن بہ امور پر ایمان ہو۔

پھر قتادہؒ برہانی کے حوالہ سے یہ بھی لکھتے ہیں:۔

---

[۱] تفسیر مظہری اردو جلد ۱۰ ص۵۷۵ [۲] ایضاً ص۵۷۶ [۳] مالابد منہ ص۱۱

از سب شیخین کافر شود. ؎

ترجمہ۔ انسان حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو برا بھلا کہنے سے کافر ہو جائے گا۔

یہ تیرہویں صدی کی آواز ہے۔ حضرت علامہ ابن العابدین الشامیؒ (۱۲۵۲ھ) بھی اسی دور میں ہوئے ہیں۔ آپ نے بھی ان وجوہ کو کفر کہا ہے جن وجوہ کی بنا پر دوسرے اکابر نے شیعہ کی تکفیر کی :-

نعم لا شك فی تكفیر من قذف السیدة عائشة رضی الله عنها او انكر صحبة الصدیق او اعتقد الالوهیة فی علی او ان جبریل غلط فی الوحی او نحو ذلك من الكفر الصریح المخالف للقرآن ولكن لو تاب تقبل توبته۔ ؎

ترجمہ۔ ہاں اس شخص کے کافر ہونے میں شک نہ کیا جائے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگاتا ہے یا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صحابی ہونے کا منکر ہے انہیں (معاذ اللہ) منافق سمجھتا ہو یا حضرت علیؓ کو خدا (مشکل کشا) سمجھتا ہو یا یہ کہ جبریل نے قرآن لانے میں غلطی کی (اسے محفوظ نہیں پہنچایا) اور اسی طرح کے اور صریح کفر (جیسے قرآن میں کمی بیشی کا عقیدہ) جو قرآن کریم کے خلاف ہوں کہے۔ ہاں رافضی اگر توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کرلی جائے گی (یعنی گرفت سے پہلے پہلے)

علامہ شامیؒ کے اختلاف کا پس منظر

بعض لوگوں نے علامہ شامیؒ کے بارے میں سمجھ رکھا ہے کہ آپ شیعوں کی علی الاطلاق تکفیر کے قائل نہ تھے حقیقت یہ ہے کہ علامہ شامیؒ نے شیعوں کو قریب سے بہت کم دیکھا تھا نہ اس وقت شیعہ کی عام کتابیں شام پہنچی تھیں۔ علامہ شامیؒ محمد علی پاشا کے زیر اثر تھے اور یہ بات صحیح ہے کہ ترکوں کے ہاں اس وقت شیعیت خلاف قانون تھی۔ ترکوں کے ہاں شیعیت کا ابتدائی تعارف صرف یہ تھا کہ کچھ لوگ ہیں جو صحابہ کرامؓ کو برا بھلا کہتے ہیں اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کو حق نہیں مانتے۔ اپنے آپ کو شیعان علی کہتے ہیں اور بس ــــ شیعوں کے دوسرے

؎ رد المحتار جلد ۲ ص۲۹۴ طبع جدید جلد ۴ ص۲۳۴

عقائد کفریہ (جیسے موجودہ قرآن پاک میں تحریف کا قائل ہونا — ائمہ اہل بیت کو انبیاء سابقین سے افضل ماننا — عقیدہ امامت سے مفہوم ختم نبوت کا انکار کرنا — قیامت کو جی اُٹھنے سے پہلے اس دنیا میں دوبارہ آنے کا عقیدہ رکھنا (عقیدہ رجعت) — اور یہ کہ حضورؐ اس دنیا میں کامیاب نہ ہو سکے تھے وغیرہ وغیرہ) وہاں متعارف نہ تھے اور نہ عمومی طور پر شیعوں کے عقائد سبعہ معروف تھے۔

صحابہ کرامؓ کو بُرا کہنا کفر ہے۔ یہ بحث علامہ کے سامنے خوارج کی بحث سے چلی۔ جو علی المرتضیٰ۔ حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کو بُرا کہتے تھے۔ اب مسئلہ یہ اُٹھا کہ خوارج کو اس غلطی پر کافر کہا جا سکتا ہے یا نہ؟ علامہ ابن ہمامؒ کا فتوےٰ تھا کہ جمہور فقہاء اور محدثین کے ہاں خارجی باغی ہیں کافر نہیں۔ مگر بعض محدثین ان کے کفر کے قائل تھے۔

علامہ ابن ہمامؒ کا فتوےٰ تھا کہ صحابی کو کسی شبہ اور تاویل کی بناء پر بُرا کہنا گمراہی ہے لیکن کفر نہیں۔ سو اگر کوئی کسی صحابی کو کسی خارجی عمل کے باعث بُرا کہے تو وہ مبتدع اور ضال ہوتا ہے۔ یہ ان لوگوں کا حکم نہیں جو صحابہ کرامؓ کے نام پر جلیں۔ وہ بلاشبہ کافر ہیں۔ لیغیظ بھم الکفار قرآن کریم کی نص ہے۔

علامہ ابن ہمامؒ کی مراد ہرگز یہ نہ تھی کہ قطعیاتِ اسلام کا انکار بھی کفر نہیں۔ آپ نے المسایرہ میں یہ بات بڑی وضاحت سے لکھی ہے کہ ضروریاتِ دین اور قطعیات اسلام میں سے کسی ایک کا بھی انکار ہو تو انسان مسلمان نہیں رہتا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صحابی رسول ہونے میں اور آپ کا ساتھی ہونے میں شک کرے وہ مسلمان نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ آپ کا صحابی رسول ہونا قرآن کریم کی نص قطعی سے ثابت ہے۔ حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبولؐ کا رضایافتہ ہونا تواتر اور قطع ویقین سے ثابت ہے۔ ان حضرات کا جنتی ہونا یہ بھی تواتر سے منقول ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کا حضورؐ کے ایام علالت میں آپ کا قائم مقام امام ہونا اور رسول پاکؐ کی مرضی سے ہونا متواترات اسلام میں سے ہے۔ اسی طرح ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا تہمت سے پاک ہونا آیاتِ قرآنی میں موجود ہے۔ اب جو شخص ان حضرات کو یا ان میں سے کسی ایک کو کافر کہے وہ علامہ ابن ہمامؒ کے عقیدے میں یقیناً کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہو گا۔ کیونکہ وہ ایسا کہہ کر تکذیبِ رسول کر رہا ہے

اللہ اور اس کے رسول برحق جن کے جنتی ہونے اور اللہ کی رضا پائے ہوئے ہونے کی خبر دے چکے انہیں جہنمی کہنا کیا یہ متواترات اسلام کا انکار نہیں ؟ اور کیا یہ کفر نہیں ؟

علامہ شامیؒ نے جو احتیاط اختیار کی وہ علامہ ابن ہمامؒ کے فتح القدیر کے بیان کی روشنی میں تھی لیکن جب آپ نے علامہ ابن ہمامؒ کی کتاب المسایرہ میں قطعیات اسلام کے انکار کا کفر ہونا دیکھا تو آپ نے کھل کر ان لوگوں کو کافر کہا جو حضرت ام المومنینؓ پر تہمت کے قائل ہوں یا حضرت ابوبکرؓ کے صحابی رسول ہونے کے منکر ہوں یا قرآن کریم میں تحریف کے قائل ہوں۔

اب اگر کوئی شخص (گو ایسا شخص دنیا میں کہیں نہ ہو) کہتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جنتی ہونے اور اللہ اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے رضا یافتہ ہونے کے باوجود خلیفہ برحق نہ تھے۔ بڑوں کے ہوتے ہوئے چھوٹے درجے والے کو بھی قیادت دی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ حضورؐ نے حضرت علیؓ کے ہوتے ہوئے حضرت زید بن حارثہؓ کو لشکر اسامہ کا سردار مقرر کیا تھا۔ سو خلافت آپ نے حضرت علیؓ کو دی تھی اور غدیر خم میں حضرت علیؓ کے خلیفہ ہونے کا اعلان کیا تھا (گو ایسا کبھی نہ ہوا) تو ایسا شخص مبتدع اور گمراہ ہے اور اجماع صحابہؓ کا منکر ہے لیکن بعض فقہاء اسے کافر نہیں کہتے۔ اس بات میں بحث کرتے ہیں کہ اس نے قطعیات اسلام اور متواترات دین میں سے کسی بات کا انکار کیا ہے یا نہ ؟

اب اگر اس میں کچھ اختلاف ہو اور علامہ شامی ایسے شخص کو کافر نہ کہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ اثنا عشری شیعوں کو بھی کافر نہیں کہتے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے جن وجوہ کی بنا پر شیعہ پر کفر کا فتوٰے دیا وہ سب وجوہ اثنا عشری شیعوں میں موجود ہیں۔ اور ان وجوہ کو علامہ شامیؒ ڈٹ کر کافر کہہ رہے ہیں اور ان امور کے کفر ہونے میں کبھی آپ کو کوئی شبہ نہ ہوا۔ جن شیعوں پر علامہ شامیؒ نے عدم کفر کا فتوٰے دیا ہے ایسا کوئی شیعہ دنیا میں عموماً کوئی نہیں دیکھا گیا۔

فتاویٰ شامی میں آپ نے کھل کر شیعوں کی تکفیر کی ہے:-

نعم لاشك فی تکفیر من قذف السیدہ عائشة رضی اللہ عنہا او انکر صحبة الصدیق او اعتقد الالوهیة فی علی او ان جبریل غلط فی الوحی [1]

---

[1] ردالمحتار شامی جلد ۳ صفحہ ۳۰۲

حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ کا صحابی ہونا حضورؐ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے اور متواتر کا انکار کفر ہے۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:۔

یعرف کونه صحابیاً بالتواتر کابی بکر و عمر رضی الله عنهما۔ [۱]

اس کا ترجمہ پہلے دے آئے ہیں۔ یہاں ہم دو ضمنی سوالوں کا جواب دینا چاہتے ہیں۔

سوال ۔ اس کا ثبوت کیا ہے کہ اثنا عشری شیعہ قذف عائشہؓ کے مرتکب ہیں اور ان پر تہمت رکھتے ہیں اور یہ کہ قرآن کریم نے ان کی جو برأت بیان کی ہے اس پر ایمان نہیں رکھتے؟

جواب ۔ ملا باقر مجلسی جو علامہ خمینی کی تحریرات کی رو سے شیعہ مذہب کا بہت بڑا محدث اور مجتہد ہے۔ وہ اپنی اثنا عشری عقائد کی کتاب حق الیقین میں لکھتا ہے:۔

چوں قائم ما ظاہر شود عائشہ را زندہ کند تا بر او حد بزند۔ [۲]

ترجمہ: جب قائم آل محمد (بارہویں امام المہدی) تشریف لائیں گے۔ تو عائشہ کو زندہ کریں گے تاکہ اس حد لگائیں۔

حد جن گناہوں پہ ہے وہ چند گنے چنے ہیں اور پھر اسی پر اکتفا نہیں کی۔ اس کے بعد یہ بھی ہے کہ آپ ان سے حضرت فاطمہؓ کا انتقام لیں گے۔ یہ انتقام کس طرح لیا جائے گا؟ یہ لاش کی بے حرمتی کی طرف اشارہ ہے۔

افسوس صد افسوس کہ حضرت علیؓ تو جنگ جمل کے بعد بھی فرمائیں کہ ولها بعد حرمتها الاولیٰ (نہج البلاغۃ جلد ص) کہ آپ کا احترام آج کے بعد بھی وہی ہے جو پہلے تھا۔۔۔ اور اثنا عشری ہیں کہ ان کے ہاں انتقام کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوتی۔

سوال ۔ اگر کوئی اجمالاً پورے قرآن پہ عقیدہ رکھے کسی ایک آیت کا انکار کرے اور کہے کہ یہ آیت یہاں نہ تھی جس طرح کہ شیعہ کہتے ہیں آیت تطہیر انیسویں پارے میں ازواجِ مطہرات کے بیان میں نہ تھی تو کیا اتنے اختلاف پر بھی کفر کا حکم دیا جا سکتا ہے؟

جواب ۔ ہاں قرآن پاک کی ایک آیت کا انکار (اصلاً ہو یا محلاً یا معنیً) بھی کفر ہے حافظ ابوبکر جصاص رازیؒ لکھتے ہیں:۔

من کفر بایۃ من القران فقد کفر به کلّه۔ [۳]

ترجمہ: جس نے قرآن پاک کی ایک آیت کا بھی انکار کیا وہ پورے قرآن کا منکر ہو گیا۔

---

[۱] مرقات جلد ۱۱ صـ۱۴۲ [۲] حق الیقین فارسی صـ۳۴۷ [۳] احکام القرآن جلد ۲ صـ۸۲

قاضی عیاض مالکیؒ (۵۴۴ھ) کا فیصلہ بھی دیکھ لیجئے:۔

وکذلک من انکر القراٰن او حرفاً منه او غیر شیاء منه او زاد فیه۔[1]

ترجمہ۔ اور اسی طرح وہ ہے جو قرآن کا انکار کرے یا اس کے ایک حرف کا انکار کرے یا اس کے کسی حرف کو بدلے یا اس میں کوئی اضافہ کرے۔

من جحد القراٰن ای کله او سورۃ منه او اٰیة۔[2]

ترجمہ۔ جس نے قرآن کا انکار کیا پورے کا یا ایک سورت کا یا ایک آیت کا اس کا یہی حکم ہے۔

علامہ شامیؒ نے شیعہ کی تکفیر میں جو احتیاط کی ہے وہ صرف ان موہوم افراد کے بارے میں ہے جن کا قائل دنیا میں عملاً کوئی نہیں۔ اثنا عشری شیعہ صحابہؓ کو برا کہنے کے بہت آگے جا کر ان تمام عقائد کے حامل ہیں جن سے تکذیب رسول لازم آتی ہے۔ ان کے عقائد سبعہ میں سے ایک ایک عقیدہ کفر صریح ہے۔ اگر کوئی شخص حضرت عائشہؓ پر حد لگنے کا عقیدہ رکھے اور حضرت ابوبکرؓ کو صحابی نہیں منافق جانے یا قرآن پاک میں کمی بیشی کا عقیدہ رکھے تو ایسا کون سا عالم دین ہو سکتا ہے جو ان کو کافر نہ کہے۔ سو اثنا عشریوں کے کفر میں اب تک کسی معتمد عالم دین نے شک نہیں کیا اور نہ علامہ شامیؒ کو اس باب میں کسی قسم کا شک تھا۔

ہاں اگر کوئی یوں کہے کہ علامہ ابن عابدین علی الاطلاق شیعوں کے کفر کے قائل نہ تھے مگر اثنا عشری شیعوں پر کھلا کفر کا فتوے دیتے تھے تو یہ بات درست ہو سکتی ہے۔ حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کی مراد اس عبارت میں یہی ہے۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ جنہوں نے شیعوں کو بہت قریب سے دیکھا تھا اور انہوں نے اُن کی اصل کتابیں بھی پڑھی تھیں وہ ان کے علی الاطلاق کفر کے قائل تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

ثم انهم اختلفوا فی اکفار الروافض ولم یکفرهم ابن عابدین واکفرهم الشاہ عبدالعزیز وقال ان من لم یکفرهم لم یدر عقائدهم۔[3]

ترجمہ۔ پھر شیعوں کی تکفیر میں اختلاف ہوا۔ علامہ شامی انہیں کافر نہیں کہتے اور شاہ عبدالعزیزؒ نے انہیں کافر کہا ہے اور فرماتے ہیں جس نے انہیں کافر نہیں کہا اس نے ان کے عقائد کو نہیں جانا۔۔۔۔ اور میرا فتویٰ ان کے کفر کا ہے۔

---

[1] کتاب الشفا جلد ۲ صد ۲۸۹ [2] شرح فقہ اکبر ملا علی قاری صد ۲۰۵ [3] فیض الباری جلد ا صد ۱۲۰

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ دو بزرگوں میں مسئلے کا کوئی اختلاف نہیں، تحقیق واقعہ میں اختلاف رہا کہ اثنا عشری شیعوں کے پورے عقائد کیا ہیں۔ دونوں مختلف درجوں میں مطلع تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ شیعیت کے بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ کی نظر زیادہ وسیع تھی۔

سو ایسے شیعہ دنیا میں کہیں نہیں ہیں جن پر علامہ شامیؒ نے عدم کفر کا فتوےٰ دیا ہے۔ رہے اسماعیلیہ اور اثنا عشریہ ان کے عقائد کفریہ صرف صحابہؓ کو برا بھلا کہنے تک محدود نہیں قرآن کریم کے انکار اور صریح تکذیب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تک پھیلے ہوئے ہیں اور گیارہویں صدی میں علماء کی قومی اسمبلی کا فیصلہ فتاویٰ عالمگیری میں ان کے صریح کفر کا ہے اور آپ اسے دیکھ آئے ہیں۔

یہ تیرہویں صدی کا حاصل ہم نے قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) حضرت علامہ شامیؒ (۱۲۵۲ھ) اور حضرت علامہ محمود آلوسیؒ صاحب روح المعانی (۱۲۷۰ھ) کی تحریرات سے آپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔ اب آئیے آپ کو چودہویں صدی میں لے چلیں۔

چودہویں صدی برصغیر پاک و ہند کی بہت اہم صدی گزری ہے۔ اس میں انگریز سامراج کے خلاف بہت سی تحریکوں نے جنم لیا۔ ان میں ایسی سیاسی تحریکیں بھی تھیں جو خاص مسلمانوں کی تھیں اور سیاسی رہنما انہیں قومی سطح پر اٹھانے کے لیے سنی شیعہ فاصلے کے بغیر آگے بڑھنا چاہتے تھے۔

ان تمام سیاسی تقاضوں بلکہ مشترکہ سیاسی عمل کے باوجود معتمد علمائے اہلسنت شیعوں سے ہمیشہ اصولی فاصلے پر رہے اور شیعوں کے مخصوص عقائد سبعہ میں سے کسی کو صف اسلام میں جگہ نہ دی۔ اگر کسی کو ساتھ ملایا تو محض تالیف قلب کے طور پر کہ شاید حق کا چہرہ اس پر کھل جائے ان کی مذہبی قیادت سے کبھی اسلام کے نام پر سمجھوتہ نہ کیا گیا۔

پھر یہی وہ صدی ہے جس میں ہندوستان میں مرزا غلام احمد (ولادت ۱۸۴۰ء وفات ۱۹۰۸ء) نے انگریزی حکومت کے زیر اثر مسیح موعود اور پھر نبی ہونے کا دعوےٰ کیا۔ یہ جانتے ہوئے کہ قادیانیت انگریزی حکومت کے سیاسی مقاصد پورا کرنے کے لیے سامراج کا خود کاشتہ پودا ہے کئی جگہوں پر سنی اور شیعہ دونوں قادیانیت کے خلاف کام کرتے رہے

یہ اتحاد اپنے سیاسی مقاصد اور برطانوی سامراج کی مخالفت میں ہوا۔ اس لیے نہیں کہ سنی شیعوں کو مسلمان سمجھتے تھے۔ سنّی مسلمانوں نے کبھی کسی ایسے شخص کو مسلمان نہیں تسلیم کیا جو شیعہ کے عقائد سبعہ میں سے کسی ایک عقیدے کا بھی حامل ہو۔

اس پس منظر میں اثنا عشری شیعوں کے بارے میں اہلسنّت کے ہاں اگر کچھ نرمی آ سکتی تھی تو اسی چودھویں صدی میں، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وقت کے سیاسی تقاضوں اور مفادات کے باوجود اس صدی کے علماء حق اس فیصلے سے بالکل متفق رہے جو سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ کی زیرِ نگرانی اسی وقت کی قومی اسمبلی نے کیا تھا۔ شیعہ سُنی بھائی بھائی کی آواز اسلام کی چودہ صدیوں میں کبھی کسی عالمِ حق کے ہاں پذیرائی حاصل نہیں کر سکی۔ رہے عوام تو انہیں کالانعام ہونے کے سبب اس شہادت میں نہیں لایا جاسکتا۔

چودھویں صدی کے نصف اول میں جن فضلاء نے اثنا عشری شیعوں کے کفر پر گواہی دی ان میں مولانا خلیل احمد (۱۳۴۶ھ) علامہ انور شاہ (۱۳۵۲ھ) اور نصف ثانی میں اس موضوع پر جس نابغہ روزگار نے نہایت بالغ نظری سے بنیادی کام کیا وہ حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی (۱۳۸۱ھ) ہیں اور ان کی گراں قدر تالیفات اس دور میں شیعہ کے بارے میں اہل سنّت والجماعت کا نہایت مستند علمی سرمایہ ہیں۔ بریلوی جماعت کے بانی مولانا احمد رضا خاں نے کتاب ردّ الرفضہ لکھ کر حضرت علامہ لکھنویؒ کے نظریہ کی پوری تائید کی ہے۔

عقیدۂ رجعت بھی ایک مستقل وجۂ تکفیر ہے

یہ دنیا دارالعمل ہے اور آخرت دارالجزاء۔ جنت اور جہنم آخرت کے دو مقام ہیں۔ حساب کا دن وہیں طے کرے گا۔ اسے یوم الحساب کہتے ہیں۔ اس دن کا مالک ایک اللہ ہی ہے مالک یوم الدین وہی ایک ہی ہے۔ یہ منزلیں اس دنیوی زندگی کی نہیں آخرت کی ہیں۔ مرنے والے کی روح اس جہاں میں دوبارہ آنے سے روک دی جاتی ہے۔ آخرت کو دیکھنے کے بعد یہ دنیا عالم تکلیف نہیں رہتی اور نہ یہ جہاں اس کے لیے لنبلوکم ایکم احسن عملا کا مصداق رہتا ہے

قرآن کریم میں ہے ا۔ فیمسکُ التی قضٰی علیها الموتٰی۔ (پ۲۴ الزمر ۴۲)

ترجمہ۔ سو اللہ روکے رکھتا ہے اس کی روح (اس دنیا میں لوٹنے سے) جس کے بارے میں موت کا فیصلہ کرلے۔

کسی فوت شدہ کی روح دنیا میں سیر کرتی ہوئی اگر کسی جگہ دیکھی جائے تو یہ اس کی ایک برزخی سیر ہوگی دنیوی نہیں وہ اس دنیا سے جا چکا اور آخرت کے پردے اس سے اٹھ چکے ہیں اب اس کا اس دنیا میں کسی نیک عمل کے لیے آنا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزاء عمل تبھی لائق جزاء ہے کہ ابھی آخرت دیکھی نہ ہو۔

عبداللہ بن سبا نے اسلام میں اس عقیدے کو جگہ دی کہ بعض خاص انسان اس دنیا میں اپنے اچھے یا بُرے عملوں کا بدلہ دینے کے لیے پھر سے زندہ کیے جائیں گے یہ امام مہدی کے دور میں ہوگا۔ عبداللہ بن سبا نے اپنے دین کے جو اصول قائم کیے ان میں یہ عقیدہ بھی تھا۔

دوسری صدی میں جابر جعفی (۱۲۸ھ) اس عقیدہ رجعت کا منادی بنا۔ امام سفیان بن عیینہ (۱۹۷ھ) کہتے ہیں:-

کان الناس یحملون عن جابر قبل ان یظہر ما اظہر فلما اظہر اتہمہ الناس فی حدیثہ وترکہ بعض الناس فقیل لہ ما اظہر قال الایمان بالرجعۃ۔ [1]

ترجمہ: لوگ جابر بن یزید سے پہلے روایت لے لیتے تھے پھر جب اس نے اپنے عقیدے ظاہر کیے تو لوگوں نے اسے متہم بالکذب کیا اور بعض لوگوں نے اس سے روایت لینی چھوڑ دی۔ حضرت سفیان سے پوچھا گیا اس نے کیا نئی بات ظاہر کی تھی، آپ نے کہا عقیدہ رجعت پر ایمان لانا۔

امام نوویؒ (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:-

معنی ایمانہ بالرجعۃ ھو ما تقولہ الرافضۃ وتعتقدہ بزعمھا الباطل ان علیاً رضی اللہ عنہ فی السحاب فلا نخرج مع من یخرج من ولدہ حتی ینادی من السماء ان اخرجوا معہ وھذا نوع من اباطیلھم وعظیم من جہالاتھم اللائقۃ باذھانھم السخیفۃ وعقولھم الواھیۃ۔ [2]

ایمان بالرجعت سے مراد وہ بات ہے جو روافض کہتے ہیں اور اپنے زعم

---

[1] صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۱۵ [2] شرح صحیح مسلم

باطل میں سمجھتے ہیں کہ حضرت علیؓ کہیں بادلوں میں جا چھپے ہیں اور یہ کہ ہم ان لوگوں کے ساتھ جو آپ کے بیٹے (امام مہدی) کے ساتھ نکلیں گے جب تک آسمان سے ندا نہ آئے کہ انہیں بھی اپنے ساتھ لے لو نہ نکلیں گے۔
یہ ایمان بالرجعۃ رافضیوں کے عقائد باطلہ میں سے ہے۔ جابر جعفی سبائی تھا اور کھلم کھلا رجعت کی بات کہتا تھا۔

قال ابن حبان کان سبائیا من اصحاب عبد اللّٰہ بن سباء کان یقول ان علیا یرجع الی الدنیا۔ [۱]

تعجب ہے کہ حافظ ابن حجر اس جیسے کذاب کی بھی بعض ائمہ کبار سے توثیق کر رہے ہیں۔
پیش نظر رہے کہ جابر جعفی تین ہزار کے قریب احادیث روایت کر چکا تھا۔ اس کے بعد اس کی حقیقت کھلی۔ امام ابوحنیفہؒ نے اعلان کرا دیا:

وما رأیت اکذب من جابر الجعفی۔

ترجمہ: میں نے جابر جعفی سے زیادہ جھوٹ بولنے والا کسی کو نہیں پایا۔

اس میں تو ان میں اختلاف ہے کہ حضرت علیؓ یہاں پھر آنے سے پہلے کہیں بادلوں میں رہائش پذیر ہیں جیسا کہ ان کے ہاں امام مہدی کسی غار میں فروکش ہیں یا وہ عالم آخرت سے پھر یہاں لوٹیں گے۔ تاہم اس بات پر ان کے تمام اکابر متفق ہیں کہ ان خواص کا (قیامت سے پہلے) ایک دفعہ پھر اس دنیا میں آنا برحق ہے انہوں نے جس طرح توحید کے ساتھ عدل کا، رسالت کے ساتھ امامت کا پیوند لگایا، آخرت کے ساتھ رجعت کا پیوند لگا دیا ہے۔
امام صاحبؒ کے شاگرد محدث عبدالرزاق (۲۱۰ھ) ایسے عقائد کی بنا پر رافضیوں کو اسلام میں جگہ نہ دیتے تھے۔ ابوبکر بن زنجویہ کہتا ہے:

سمعت عبدالرزاق یقول الرافضی کافر۔ [۲]

ترجمہ: میں نے عبدالرزاق کو یہ کہتے سنا کہ روافض اپنے ان عقائد کے سبب دائرۂ اسلام میں جگہ نہیں رکھتے۔

ملا باقر مجلسی نے حق الیقین میں عقیدہ رجعت کو بھی ضروریات دین میں شمار کیا ہے اور اس پر صد سے صد تک بڑی تفصیل سے بحث کی ہے۔

---

[۱] فتح الملہم جلد ۱ ص ۱۲۵ [۲] میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۱۲۹

اثنا عشری عقائد میں عقیدہ رجعت بھی ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کا اعتقاد ہے کہ قیامت اور حشر سے پہلے بعض فوت شدگان کو ایک دفعہ پھر اس دنیا میں لوٹنا ہے۔ اعلیٰ درجہ کے بزرگ لوگ ایک دفعہ پھر اس دنیا میں زندہ کیے جائیں گے اور اسی طرح پھر ان کے دشمنوں کو بھی زندہ کر کے یہاں لایا جائے گا۔ ان دونوں طبقوں کی یہاں رجعت (واپسی) ہوگی اور نیک لوگ اپنے مخالفین سے دل کھول کر بدلے لیں گے۔

ملا باقر مجلسی حق الیقین کی دوسری جلد کا آغاز اس طرح کرتا ہے:۔

بدانکہ از جملہ اجماعیات شیعہ بلکہ ضروریات مذہب حق فرقہ محقہ حقیقت رجعت است یعنی پیش از قیامت در زمان حضرت قائم جمعے از نیکاں بسیار نیک و بداں بسیار بد بدنیا مے گردند ۔۔۔۔ بداں از برائے عقوبت و عذاب دنیا ۔۔۔ و انتقام کشیدن شیعاں از ایشاں۔ [۱]

ترجمہ: جان لو کہ جن شیعہ مذہب کی اجماعیات بلکہ اس فرقہ حقہ کی ضروریات مذہب میں سے رجعت پر ایمان لانا ہے۔ قیامت سے پہلے حضرت امام مہدی کے دور میں اعلیٰ درجے کے بہت لوگ اور بُرے درجے کے بھی بہت لوگ پھر سے اس دنیا میں لوٹائے جائیں گے۔ بدلوگ سزا کے لیے۔ اور عذاب دنیا پانے کے لیے ۔۔۔ اور اس لیے کہ شیعہ ان سے ان کی دشمنی کا بدلہ لیں۔

اہل اسلام کے ہاں یہ عقیدہ کفر ہے اور علماء حق شروع ہی سے شیعوں کے اس عقیدہ پر مطلع رہے۔ پانچویں صدی کے شیخ محمد بن عبدالسعید شعیب الکبشی علامہ ابوشکور السالمی لکھتے ہیں۔

من قال بان علیاً و اولادہ و اصحابہ یرجعون الی الدنیا و ینتقمون من اعدائھم و ھذا کفر لانھم ینکرون النص و القیمۃ۔ [۲]

ترجمہ: جو شخص اس کا قائل ہو کہ حضرت علیؓ ان کی اولاد اور ان کے ساتھی ایک دفعہ پھر اس دنیا میں لوٹیں گے اور اپنے دشمنوں سے بدلہ لیں گے تو یہ ان کا عقیدہ کفر ہے وہ نص قرآنی اور قیامت کے منکر ہیں۔ نص قرآنی ہے کہ پھر یہاں نہیں آنا اور قیامت اس دنیا کا آخر ہے دارالجزاء اگلا جہاں ہے یہ جہاں نہیں عالم آخرت میں ہی ہر شخص اپنی نیکی اور بدی کا بدلہ پائے گا۔

---

[۱] حق الیقین صفحہ ۳۴۲ طہران [۲] التمہید فی بیان التوحید صفحہ ۱۹۲ طبع ۱۳۰۹ھ مطبع غریب مع حصار فیروزہ

اس میں ان کے عقیدۂ رجعت کو مستقل طور پر ایک وجہ کفر کہا گیا ہے اور اس کے قائلین کو کتاب وسنت کے متواتر اور قطعی عقیدۂ آخرت کا منکر ٹھہرایا گیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ علماء اسلام اس پہلے دور سے ہی ان کے ان عقائد پر حکم کفر کرتے آئے ہیں، محدث عبدالرزاق (۲۱۰ھ) کا فتویٰ آپ ملاحظہ کر آئے ہیں۔ اس سے عبدالرزاق سے بھی شیعیت کی تہمت دُھل گئی۔
اب اگلی صدی میں چلیں :۔

حافظ ابن حزم (۴۶۳ھ) سے (روافض کے پیدا ہونے سے پہلے کے) جمیع اہل اسلام کے اس قطعی عقیدہ اسلام کی شہادت سن لیں کہ موت کے بعد اس دنیا میں کسی کو پھر سے نہیں آنا نہ اس دنیا میں حق و باطل کے کوئی آخری فیصلے ہوں گے۔ آخری حساب وکتاب سب کا صرف آخرت میں ہوگا۔ یہاں دنیا میں حق و باطل کی میزان کسی کے ہاتھ میں نہ دی جائے گی نہ حضرت مہدی کے آنے پر کوئی رجعت واقع ہوگی۔ یہ عقیدہ اہل اسلام میں سے کسی کا نہیں۔ اگر کسی نے اسے اختیار کیا تو علماء اسلام نے اسے صریح طور پر کفر قرار دیا۔ علامہ ابن حزم (۴۶۳ھ) مسئلہ ۴۴ میں لکھتے ہیں :۔

وانہ لا یرجع محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولا احد من اصحابہ رضی اللہ عنہم الا یوم القیمۃ اذا رجع اللہ المؤمنین والکافرین للحساب والجزاء وھذا اجماع جمیع اھل الاسلام قبل حدوث الروافض المخالفین لاجماع اھل الاسلام المبدلین للقراٰن والمکذبین لصحیح سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[1]

ترجمہ: بے شک آنحضرتؐ دنیا میں رجعت نہ کریں گے اور نہ آپ کے صحابہؓ میں سے کسی کی یہاں رجعت ہوگی یہ لوٹنا صرف قیامت کے دن ہی ہوگا جب اللہ تعالیٰ تمام مؤمنین اور کافرین کو ان کے اعمال کا حساب لینے اور ان کی جزاء دینے کے لیے یہاں لوٹائیں گے اور اس بات پر سب اہل اسلام کا پیشتر اس کے کہ روافض پیدا ہوں اجماع رہا ہے۔ روافض اس اجماع کے خلاف ہیں (وہ رجعت پر ایمان رکھتے ہیں) انہوں نے قرآن میں تبدیلیاں کیں (اس میں تحریف

[1] المحلی جلد ا ص۱۱

کا عقیدہ اختیار کیا) اور حضورؐ کی سُنتوں کی کھلے بندوں تکذیب کی۔

نوٹ

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ جو ہنی رافضی بطور فرقہ منظم ہوئے اسی وقت یہ آواز لگ گئی تھی کہ یہ نیا فرقہ قرآن میں تبدیلی و تحریف کا عقیدہ رکھتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول خاتمؐ کی ترتیب پر مرتب نہیں مانتا۔ حدوث روافض اور ان کے انکار قرآن میں وقت کا کوئی فاصلہ نہیں ہے۔ اثنا عشری شروع سے ہی موجودہ قرآن کو تبدیل شدہ کتاب الٰہی مانتے چلے آرہے ہیں۔

اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ روافض کے یہ دونوں عقیدے (۱) عقیدہ تحریف قرآن اور (۲) عقیدہ رجعت پانچویں صدی میں اندلس پہنچ چکے تھے۔ چوتھی صدی ہجری میں شیخ صدوق نے قرآن کی موجودہ ترتیب کے حق میں جو آواز لگائی تھی اسے شیعہ لوگوں نے قبول نہ کیا تھا۔ پانچویں صدی میں وہ اپنے اسی عقیدہ پر چل رہے تھے جو انہیں محمد بن یعقوب کلینی سے ملا تھا۔

علامہ کلینی کا تحریف قرآن کی روایات مجموعی حیثیت سے تواتر کے درجہ کو پہنچ رہی ہیں اور ان میں کہیں اختلاف قرأت کا احتمال نہیں نکلتا نہ ان میں کسی اضافہ میں تفسیر کا گمان پیدا ہوتا ہے کلینی کے بعد ان کے جتنے بھی محدثین سامنے آتے سوائے شیخ صدوق کے کسی نے علامہ کلینی کی ان روایات کی ان کی تعیین سے تردید نہیں کی۔ شیخ صدوق قرآن کی موجودہ ترتیب کو اپنے ائمہ معصومین تک کہیں لے جا نہیں سکا۔

جس تواتر سے اثنا عشریوں نے قرآن کریم میں تحریف کو جگہ دی اسی تواتر سے انہوں نے عقیدہ رجعت الاموات کو اپنے ہاں قبول کیا۔ اسے نہ صرف قبول کیا ہے بلکہ اسے ضروریات دین میں جگہ دی ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم معاد سے پہلے طور پر اس دنیا میں آنا کہیں ثابت نہیں اور اہل سنت کے ہاں یہ قطعی درجے میں ایک وجہ تکفیر ہے قرآن کریم بتا رہا ہے کہ وہ آپ کو دوبارہ یہاں صرف معاد کے دن لائے گا۔

ھو الذی فرض علیک القرآن لرآدک الی معاد . (پ۲۰ القصص ۸۵)

ترجمہ. وہ اللہ جس نے آپ پر قرآن اتارا ہے وہ آپ کو اب معاد میں لائے گا۔

لوٹ کر آنے کو معاد کہتے ہیں. قیامت کے دن کو یوم المعاد بھی کہتے ہیں تو یہ لوٹنا معاد کے دن ہی ہو گا. اسلام میں عقیدہ رجعت کسی تاویل سے قبول نہیں کیا جا سکتا۔

فتاوئے عالمگیری میں بھی ہے:۔

ویجب اکفار الروافض فی قولھم برجعۃ الاموات الی الدنیا. [1]

ترجمہ. اور رافضیوں کی ان کے اس عقیدہ رجعت کی بنا پر تکفیر واجب ہے۔

بحر العلوم علامہ عبدالعلی (۱۲۲۵ھ) شرح مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں:۔

فمن قال بھذا القول فھو کافر قطعاً لانکارہ الضروری. [2]

ترجمہ. جس نے یہ عقیدہ رجعت اختیار کیا وہ قطعی طور پر اسلام سے نکل گیا کیونکہ اس نے ایک ایسی چیز کا انکار کیا ہے جو اسلام میں ضروریاتِ دین میں سے ہے۔

وہ یہ عقیدہ ہے کہ یہاں (اس دنیا) کے اچھے یا برے اعمال کی مجازات کے لیے کسی کو پھر اس دنیا میں نہیں آنا. اگر یہاں کسی جانے والی روح کو کہیں دیکھا گیا تو وہ روح اپنی برزخی سیر میں بھی اسے دار العمل کے احکام کا پابند نہیں کیا جاتا۔

ان کے (شیعوں کے) ان عقائد کفریہ کی صدا اب اس دور میں بھی اسی طرح سُنی جا رہی ہے

ائمہ کو انبیاء و مرسلین سے افضل ماننا بھی ایک مستقل وجہ کفر ہے

علامہ خمینی اپنی کتاب الحکومت الاسلامیہ میں لکھتا ہے:۔

ان من ضروریات مذھبنا ان لائمتنا مقاماً لا یبلغہ ملک مقرب ولا نبی مرسل. [3]

ترجمہ. ہمارے مذہب شیعہ کی ضروریات میں سے ہے کہ ہمارے (بارہ) اماموں کا درجہ اتنا بلند ہے کہ مقرب فرشتے اور انبیاء و مرسلین بھی اسے نہیں پہنچ سکتے۔

کرامیہ تحریف قرآن کے قائل نہ تھے نہ وہ آسمانی ماموریت کو جاری سمجھتے تھے۔

---

[1] فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۲۸۳ [2] فواتح الرحموت صفحہ ۲۱ لکھنؤ [3] الحکومۃ الاسلامیۃ صفحہ ۵۲

لیکن محض اس بات پر کہ وہ بعض اولیاء کرام کو نبی سے افضل کہتے تھے علماء کرام نے ان کے کفر کا فتویٰ دیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ائمہ کو جو اہل اسلام کے نزدیک زیادہ سے زیادہ اونچے درجے کے اولیاء ہو سکتے ہیں انبیاء و مرسلین سے افضل ماننا ایک مستقل وجہ کفر ہے اور اس میں شیعہ کی بھی کوئی تخصیص نہیں۔

دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاریؒ (م ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:۔

ان الولی لا یبلغ درجۃ النبی لان الانبیاء علیہم السلام معصومون مامونون عن خوف الخاتمۃ المکرمون بالوحی حتی فی المنام وبمشاہدۃ الملٰئکۃ الکرام مامورون بتبلیغ الاحکام وارشاد الانام بعد الاتصاف بکمالات الاولیاء العظام. فما نقل عن بعض الکرامیۃ من جواز کون الولی افضل من النبی کفر وضلالۃ والحاد وجہالۃ۔[1]

ترجمہ۔ ولی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا کیونکہ انبیاء کرام ۱۔ معصوم ہیں ۲۔ خاتمہ بالشر سے مامون (امن پائے ہوئے) ہیں۔ ۳۔ وحی سے عزت یافتہ ہیں یہاں تک ان کا خواب بھی وحی ہے۔ ۴۔ وہ فرشتوں کو دیکھتے ہیں۔ ۵۔ تبلیغ احکام پر مامور ہیں۔ ۶۔ اور بڑے بڑے اولیاء کے کمالات سے متصف ہوئے ان لوگوں کی ہدایت پر مامور ہیں۔ سو جو بعض کرامیہ سے منقول ہے کہ اونچے درجے کا ولی کبھی نبی سے بڑھ بھی سکتا ہے تو یہ عقیدہ کفر ہے ضلالت ہے بڑا ٹیڑھا کفر ہے اور جاہلیت ہے۔

افسوس کہ علامہ خمینی اس عقیدہ کفریہ کو اپنے عقیدہ کی ضروریات میں سے سمجھتے ہیں۔ اب آپ ہی غور فرمائیں کہ یہ اثنا عشری شیعہ اپنے اس صریح کفر کے ساتھ کیسے مسلمان سمجھے جا سکتے ہیں۔

اثنا عشری عقائد میں سے یہ ساتواں عقیدہ جتنا علامہ خمینی نے واضح کر کے لکھا ہے اس کی مثال شیعہ کی پہلی بارہ سو سالہ تاریخ میں نہیں ملتی۔ اب یہ کیسے مان لیا جائے کہ پہلے اثنا عشری شیعہ تو بے شک کفریہ تھے لیکن خمینی نے انہیں اس دور میں نیا شعور بخشا ہے ہرگز نہیں، آپ خمینی کی مندرجہ ذیل عبارت پر غور کریں اور فیصلہ خود کریں کہ کیا یہی وہ شعور ہے

[1] شرح فقہ اکبر ص۱۲۱ مطبوعہ کانپور

جس کی وجہ سے علامہ خمینی کو ایک اسلامی انقلاب کا قائد سمجھا جاتا ہے؟

جو نبی بھی آئے وہ انصاف کے نفاذ کے لیے آئے۔ ان کا مقصد بھی یہی تھا کہ تمام دنیا میں انصاف کا نفاذ کریں لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے یہاں تک کہ ختم المرسلین جو انسان تھے اور انصاف کا نفاذ کرنے کے لیے آئے تھے وہ اپنے زمانے میں کامیاب نہیں ہوئے۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مشن میں ناکام کہنے کی یہ گستاخی کیوں کی گئی؟ محض اس لیے کہ شیعوں نے اس کامیابی کا سہرا امام مہدی کے سر باندھنا تھا — جب ان لوگوں کے ہاں حضور ختم المرسلینؐ کا بھی یہی درجہ ہے تو مسلمانوں پر انہیں مسلمان سمجھنا کس قدر گراں ہو سکتا ہے۔ اس کا احساس صرف وہی کر سکتے ہیں جو خود ایمان کی دولت سے مالامال ہوں۔

استعانت بالکفّار علی الکفّار کی ایک عملی صورت

کافروں کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ کفار مجاہرین ۲۔ کفار منافقین

کفار مجاہرین وہ ہیں جو اپنے آپ کو کھلے طور پر اسلام کا مخالف کہتے ہیں۔ کفار منافقین وہ ہیں جو صریح کفریہ عقائد کے باوجود اپنے آپ کو صفِ اسلام سے باہر نہیں کرتے   ان دوسری قسم کے کافروں کو کسی مصلحت کے لیے کچھ وقت کے لیے اپنے ساتھ ملایا جا سکتا ہے بشرطیکہ اس دوران وہ ہمارے حلقوں میں اپنے کفر کی اشاعت نہ کریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کچھ عرصے کے لیے انہیں باہر نہ نکالا۔ آپ سے عرض بھی کی گئی تو آپ نے فرمایا:

اولئكَ الذين نهانى اللہ عنهم۔

ترجمہ۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں (ابھی) روک رکھا ہے۔

اس کا مقصد شاید یہ ہو کہ یہ کھلے طور پر کفارِ مجاہرین سے نہ جا ملیں — یا عام لوگوں کو اس وقت صفِ اسلام کچھ بھاری نظر آئے۔ اس وقت ہمیں ان مصالح سے بحث نہیں کہ انہیں کچھ وقت کے لیے اپنے ساتھ کیوں رکھا گیا۔ بتانا صرف یہ ہے کہ کفار منافقین کو کبھی کبھار

[1] اتحاد و یک جہتی ص۱۵ شائع کردہ خانہ فرہنگ ایران

مجاہرین کے مقابلہ میں اپنے ساتھ ملایا جا سکتا ہے۔

کسے پتہ نہیں کہ ہمارے اکابر تحریک ختم نبوت میں علامہ کفایت حسین کو ساتھ لے کر چلے تھے لیکن یہ بات بھی سب کے سامنے ہے کہ اس وقت شیعوں کا یہ جارحانہ انداز عمل نہ تھا جو علامہ خمینی کے برسر اقتدار آنے کے بعد پیدا ہوا۔ نہ انہوں نے اس وقت اہل السنۃ والجماعۃ اکثریت کے ممالک میں نفاذ فقہ جعفریہ کے کبھی یہ امن سوز اور اشتعال انگیز نعرے لگائے تھے۔

اس مرحلے پر پہنچ کر ہر دردمند مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اب ہم انہیں مجاہرین میں کیوں شمار کریں اور مصلحت کا وہ پردہ درمیان سے کیوں نہ ہٹا دیں جو پہلے کفار مجاہرین اور کفار منافقین میں فرق کرتا تھا۔

پھر یہ بات بھی کسی سے مخفی نہیں کہ ان تحریکوں میں جن میں ہمارے بعض اکابر ان کو اپنے ساتھ لے کر چلے اس اتحاد میں غلبہ ہمیشہ اسلام کا ہوتا تھا اور ان لوگوں کو ان محافل و مجالس میں کبھی ان کفریات کے جہر و اعلان کی جرأت نہ تھی جو آج یہ کھلے بندوں کر رہے ہیں اُن حالات میں اور ان حالات میں علامہ خمینی کا اقتدار اور نفاذ فقہ جعفریہ کا اعلان حد فاصل ہے جس پر آج ان کا حکم کچھ پہلے سے مختلف ہو گیا ہے۔ ھذا ما عندی و عند الناس ما عندھم واللہ علیٰ ما نقول شہید۔

اس تفصیل سے یہ بات آپ کے ذہن میں خود واضح ہو گئی ہو گی کہ یہاں کے ڈاکٹر کلیم صدیقی کے مقابلہ میں ڈاکٹر علوی صاحب کا موقف صحیح ہے۔ رہے صدیقی صاحب تو معلوم ہوتا ہے وہ خود نہیں بولتے بلکہ وہ ایران کے موجودہ انقلاب کی حمایت میں انگلینڈ میں ایران کے نمائندے ہیں اور ان کی محافل میں ایران کا تیل جل رہا ہے

جس دیئے میں جلے تیل خیرات کا — مجھ کو اس کا اجالا نہیں چاہیئے
سونے چاندی کے لقمے مبارک تمہیں — جَو کی خشک روٹی ہے کافی مجھے

زہر بن جائے جو زندگی کے لیے
مجھ کو ایسا نوالہ نہیں چاہیئے

تاہم یہ صحیح ہے کہ جو عامی شیعہ اپنے عقائد سے واقف نہیں اور عام مسلمانوں میں ہی ملے جلے رہتے ہیں مذہبی اختلافات میں دلچسپی نہیں رکھتے وہ برائے نام شیعہ ہیں، انہیں ماسوائے نکاح و ذبیحہ کے عمومی امور میں اپنے ساتھ رکھا جا سکتا ہے مگر جن پر عقائد کی حجت پوری ہو چکی اور

وہ اپنے ان عقائد سبعہ سے پورے واقف ہو چکے اور انہوں نے کسی عقیدہ سے انکار نہ کیا وہ عام مسلمانوں سے یقیناً اس فاصلے پر چلے گئے جو اصولی اختلافات کے فاصلے ہیں اور انہیں کسی تاویل سے فروعی اختلافات نہیں کہا جا سکتا۔ کما صرح بہ السبکی۔ اصولی مسائل میں سیدھی راہ صرف ایک ہوتی ہے اور اصولی اختلافات کو کبھی فروعی اختلاف نہیں کہا جا سکتا۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

ترجمہ کنزالایمان کیوں مقبول عام نہ ہو پایا؟

قرآن کریم کا ترجمہ عام فہم اور شستہ الفاظ میں ہونا چاہیئے یہی منشأ خدا وندی ہے اور یہی امت کی طلب و آرزو ہے۔

ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر۔

اب دیکھیئے مولانا تھانوی اور مولانا احمد رضا میں سے کس کا ترجمہ قرآن آسان اور واضح الفاظ میں ہے۔ ہم یہاں چند مثالیں لکھتے ہیں فیصلہ خود کریں کہ دونوں میں سے افادہ عام کس ترجمہ قرآن میں زیادہ ہے۔

۱۔ ان الذین کفروا سوآء علیھم ء انذرتھم ام لم تنذرھم لایؤمنون۔
(پ البقرہ ۶)

ترجمہ حضرت مولانا تھانوی رح
بے شک جو لوگ کافر ہو چکے برابر ہے ان کے حق میں خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں۔

ترجمہ مولانا احمد رضا خاں:
بے شک وہ جن کی قسمت میں کفر ہے انہیں برابر ہے چاہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ۔

مولانا تھانوی حضور ؐ کو آپ کہہ کر ترجمہ کر آئے ہیں اور مولانا احمد رضا خاں بڑی دلیری سے حضور ؐ کو تم کہتے ہیں۔

۲۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ آخرت اگلی منزل ہے اور یہ دنیا اس سے پہلے ہے۔ مگر مولانا احمد رضا خاں آخرت کا ترجمہ پچھلا گھر کرتے ہیں۔ پہلے آیت ملاحظہ فرمائیں:-

قل ان کانت لکم الدار الاٰخرۃ عند اللہ خالصۃً من دون الناس فتمنوا الموت۔

ترجمہ حضرت تھانوی رح
آپ کہہ دیجیئے کہ اگر (بقول تمہارے) عالم آخرت محض تمہارے لیے ہی نافع ہے اللہ کے پاس بلا شرکت غیرے تو تم (اس کی تصدیق کے لیے) موت کی تمنا

کر کے دکھلا دو۔

ترجمہ مولانا احمد رضا خاں:

تم فرماؤ اگر پچھلا گھر اللہ کے نزدیک خالص تمہارے لیے ہو نہ اوروں کے لیے تو بھلا موت کی آرزو تو کرو۔

آخرت کا ترجمہ پچھلا گھر کرنا خاں صاحب کے نزدیک بہت پسندیدہ ہے۔

۳۔ فله اجره عند ربه ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون ۔ (پ البقرہ ۱۱۲)

ترجمہ حضرت مولانا تھانوی رح:

تو ایسے شخص کو اس کا عوض ملتا ہے اس کے پروردگار کے پاس پہنچ کر۔

ترجمہ مولانا احمد رضا خاں:

تو اس کا نیگ اس کے رب کے پاس ہے۔ (کنز الایمان ص۲۳)

سورۃ آل عمران کی آیت ۵۷ اور آیت ۱۳۶ میں بھی اجر کا ترجمہ نیگ کیا ہے۔ کیا یہ عام فہم اور شستہ ترجمہ ہے۔ آپ خود سوچیں۔

۴۔ وليس البر بان تأتوا البيوت من ظهورها ولكن البر من اتقى۔ (البقرہ ۱۸۹)

ترجمہ حضرت تھانوی رح:

اور اس میں کوئی فضیلت نہیں کہ گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آیا کرو۔

ترجمہ مولانا احمد رضا خاں:

اور یہ کچھ بھلائی نہیں کہ گھروں میں پچھیت توڑ کر آؤ ہاں بھلائی تو پرہیزگاری ہے

پچھیت کیسا فصیح لفظ ہے جو یہاں مولانا احمد رضا خاں کو پسند لگا ہے کتنا عام فہم اور سلیس ترجمہ ہے آپ اچھی طرح سمجھ رہے ہیں۔

۵۔ ضربت عليهم الذلة اينما ثقفوا الا بحبل من الله وحبل من الناس۔

(پ آل عمران ۱۱۲)

ترجمہ حضرت مولانا تھانوی رح:

جما دی گئی ان پر بے قدری جہاں کہیں بھی پائے جاویں گے مگر ہاں ایک تو ایسے ذریعہ کے سبب جو اللہ کی طرف سے ہے اور ایک ایسے ذریعے سے جو آدمیوں کی طرف سے ہے۔

ترجمہ مولانا احمد رضا خاں:

ان پر جادی گئی خواری جہاں ہوں امان نہ پائیں مگر اللہ کی ڈور اور آدمیوں کی ڈور سے ڈور ایک کھیلنے کی چیز ہے بچے اس سے کنکوے دڑا تے ہیں اللہ کی کوئی ڈور نہیں نہ وہ ڈور سے کھیلتا ہے۔ یہ عجیب ترجمہ قرآن ہے

۶. فان زللتم من بعد ماجاءتکم البینات فاعلموا ان اللہ عزیز حکیم۔

(پ۲ البقرہ ۲۰۹)

ترجمہ حضرت مولانا تھانوی ؒ

پھر اگر تم بعد اس کے کہ تم کو واضح دلیلیں پہنچ چکی ہیں (صراط مستقیم سے) لغزش کرنے لگو تو یقین رکھو کہ حق تعالیٰ بڑے زبردست ہیں اور حکمت والے ہیں۔

ترجمہ مولانا احمد رضا خاں:

اور اگر اس کے بعد بھی بچلو کہ تمہارے پاس روشن حکم آچکے۔

خاں صاحب کا بچلو کوئی کم وزن نہ تھا بینات (واضح دلیلیں) کا ترجمہ روشن حکم ایک نیا ترجمہ ہے۔ خاں صاحب اس روشنی میں بعد کا ترجمہ بھی چھوڑ گئے۔

۷. مثل الذین ینفقون اموالھم ابتغاء مرضات اللہ وتثبیتاً من انفسھم کمثل جنۃ بربوۃ۔ (پ۳ البقرہ ۲۶۵)

ترجمہ حضرت تھانوی ؒ:

اور ان لوگوں کے خرچ کیے ہوئے مال کی حالت... مثل حالت ایک باغ کے ہے جو کسی ٹیلے پر ہو۔

ترجمہ مولانا احمد رضا خان :

اور ان کی کہاوت جو اپنے مال اللہ کی رضا چاہنے میں خرچ کرتے ہیں اور اپنے دل جمانے کو اس باغ کی سی ہے جو بھوڑ پر ہو۔

خاں صاحب نے مثل کا ترجمہ حالت کی بجائے کہاوت سے اور ربوہ کا ترجمہ ٹیلے کی بجائے بھوڑ سے کر کے اپنے ترجمہ کو عام فہم اور فصیح بنایا ہے۔

۸. مکانات چھتوں پر گر گئے تھے یا ڈھ پڑے تھے۔

او کالذی مر علیٰ قریۃ وھی خاویۃ علیٰ عروشھا۔ (پ۳ البقرہ ۲۵۹)

ترجمہ حضرت تھانوی ؒ :

یا جیسے ایک شخص تھا کہ ایک بستی پر اس کا گذر ہوا کہ اس کے مکانات اپنی چھتوں پر گر گئے تھے۔

ترجمہ مولانا احمد رضا خاں :

یا اس کی طرح جو گزرا ایک بستی پر اور وہ ڈھئی پڑی تھی اپنی چھتوں پر۔

خان صاحب ایک دوسری جگہ پر بھی خاویہ کا یہی ترجمہ کرتے ہیں :۔

فکاین من قریۃ اھلکنا ھا وھی ظالمۃ فھی خاویۃ علی عروشھا۔ (پ۱۷ الحج ۴۵)

ترجمہ: کتنی ہی بستیاں ہم نے کھپا دیں کہ وہ ستمگار تھیں تو اب وہ اپنی چھتوں پر ڈھئی پڑی ہیں۔

اس میں مولانا تھانوی رح کا ترجمہ یہ ہے :۔

کتنی بستیاں ہیں جن کو ہم نے عذاب سے ہلاک کیا۔

لفظ ہلاک قرآن کریم کے عربی الفاظ اھلکنا کے بہت قریب تھا اور یہ آسان اور عام فہم ترجمہ ہے۔

خان صاحب کے کنز الایمان کے ترجمہ کی داد دیں :۔

کتنی ہی بستیاں ہم نے کھپا دیں۔

ظالمہ کا ترجمہ مولانا تھانوی رح نے بہت عام فہم کیا ہے کہ وہ نافرمانی کرتی تھی مگر مولانا احمد رضا اس کے لیے ستمگار کا بہت بھاری لفظ لائے ہیں۔

۹۔ قتل کا چاؤ دلایا۔

قابیل نے ہابیل کو قتل کرنے کی سوچی اسے قرآن کریم نے اس طرح بیان کیا ہے۔

فطوعت لہ نفسہ قتل اخیہ فقتلہ فاصبح من الخاسرین۔ (پ۶ المائدہ ۳۰)

ترجمہ مولانا تھانوی رح :

سو اس کے جی نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا پھر اس نے اس کو قتل کر ڈالا جس سے وہ بڑا نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو گیا۔

ترجمہ مولانا احمد رضا :

اس کے نفس نے اسے بھائی کے قتل کا چاؤ دلایا تو اس نے اسے قتل کر دیا تو رہ گیا نقصان میں۔

فاصبح من الخاسرین کا ترجمہ پھر سے ملاحظہ کریں۔

ترجمہ حضرت مولانا تھانوی:

وہ بڑے نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو گیا۔

ترجمہ مولانا احمد رضا خاں:

تو رہ گیا نقصان میں۔

خاسرین کا ترجمہ نقصان میں بہت قابل داد ہے۔

۱۰۔ ابلیس کو اپنا کام کرنے کا موقع دیا گیا اور اسے کہا گیا:-

واجلب علیھم بخیلك ورجلك۔ (پ۱۵ بنواسرائیل)

ترجمہ حضرت مولانا تھانوی:

اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لانا۔

ترجمہ مولانا احمد رضا خاں:

اور ان پر لام باندھ اپنے سواروں اور اپنے پیادوں کا۔

چڑھا لانا اور لام باندھنا اس میں کون سا ترجمہ عام فہم ہے اور کونسا پیچیدہ۔ یہ آپ خود فیصلہ کریں:

۱۱۔ قرآن کریم نے عزیز مصر کی بات اس طرح نقل کی ہے۔ اس نے بات کھلنے پر زلیخا کو کہا:-

انه من کیدکن ان کیدکن عظیم۔ (پ۱۲ یوسف ۲۸)

ترجمہ حضرت مولانا تھانوی:

یہ تم عورتوں کی چالاکی ہے بے شک تمہاری چالاکیاں غضب کی ہیں۔

اب مولانا احمد رضا کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمائیں:-

یہ تم عورتوں کا چرتر ہے بے شک تمہارا چرتر بڑا ہے۔

۱۲ وقل رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل ۲۴)

ترجمہ حضرت مولانا تھانوی:

دعا کرتے رہنا کہ میرے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرمایئے جیسا کہ انہوں نے مجھ کو بچپن میں پالا۔

ترجمہ مولانا احمد رضا خاں:

اور عرض کر اے میرے رب تو ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دونوں نے مجھے
چھٹپن میں پالا۔
آپ خود سوچیں دعا کرتے رہنا عام فہم ترجمہ ہے یا عرض کر زیادہ مناسب ہے۔
پھر بچپن کا لفظ آسان ہے یا چھٹپن کا۔ یہ آپ خود فیصلہ کریں۔

۱۳۔ قل کل یعمل علیٰ شاکلتہ فربکم اعلم بمن ھو اھدیٰ سبیلا۔
(پ۱۵ بنی اسرائیل ۸۴)

ترجمہ حضرت مولانا تھانوی ؒ :
آپ فرما دیجئے کہ ہر شخص اپنے طریقے پر کام کر رہا ہے۔
ترجمہ۔ مولانا احمد رضا خاں :
تم فرماؤ سب اپنے کینڈے پر کام کرتے ہیں۔
لفظ طریقہ عام فہم ہے اور مولانا احمد رضا کا کینڈا بس بریلوی ہی سمجھ پائے ہیں۔
یہاں یہ بھی دیکھیں کہ مولانا تھانوی ؒ حضورؐ کے لیے آپ فرما دیجئے کے الفاظ میں زیادہ
ادب میں رہتے ہیں یا مولانا احمد رضا حضورؐ کو تم سے مخاطب کر کے آپ کا زیادہ ادب
کرتے ہیں۔

۱۴۔ کافروں نے کہا ہم خدا کو کیوں نہیں دیکھ پاتے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
لقد استکبروا فی انفسھم وعتوا عتواً کبیرا۔ (پ۱۸ فرقان ۲۱)

ترجمہ حضرت مولانا تھانوی ؒ :
یہ لوگ اپنے دلوں میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں اور یہ لوگ حد سے بہت دور
نکل گئے ہیں۔
ترجمہ مولانا احمد رضا :
بے شک اپنے جی میں انہوں نے بہت ہی اونچی کھینچی۔
مولانا احمد رضا کئی دوسرے مقام پر بھی اس طرح اونچی کھینچتے ہیں۔
قال الذین استکبروا للذین استضعفوا۔ (پ۲۲ سبا ۳۲)
ترجمہ۔ وہ جو اونچے کھینچتے تھے ان سے کہیں گے جو دبے ہوئے تھے۔
انھم کانوا اذا قیل لھم لا الٰہ الا اللہ یستکبرون۔ (پ۲۳ الصافات ۳۵)

ترجمہ۔ بے شک جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں تو اونچی کھینچتے تھے۔

۱۵۔ کالے بھوجنگ

پہاڑوں کی گہری سیاہ راہوں کو قرآن کریم نے اس طرح بیان کیا :۔

ومن الجبال جددٌ بیضٌ وحمرٌ مختلف الوانہا وغرابیب سود۔ (پ۲۲ فاطر ۲۷)

مولانا احمد رضا خاں نے غرابیب سود کا ترجمہ کیا ہے کالے بھوجنگ۔ (کنز الایمان ص۵۱۶)

مولانا تھانوی کا واضح اور سلیس ترجمہ ملاحظہ کریں :۔

پہاڑوں کے بھی مختلف حصے ہیں سفید، سرخ کہ ان کی رنگتیں بھی مختلف ہیں اور بہت گہرے سیاہ۔

اب یہ فیصلہ ہم ناظرین پر چھوڑتے ہیں کہ وہ گہرے سیاہ کو سلیس ترجمہ سمجھتے ہیں یا کالے بھوجنگ مولانا احمد رضا کے ترجمے کو۔

۱۶۔ وآیۃ لھم انا حملنا ذریتھم فی الفلک المشحون۔ (پ۲۳ یٰسٓ ۴۱)

ترجمہ حضرت مولانا تھانوی :

اور ایک نشانی ان کے لیے یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا یہ گویا ان کی ساری اولاد ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھی۔

ترجمہ مولانا احمد رضا :

کشتی نوح میں جو سوار ہوئے وہ آئندہ آنے والے تمام انسانوں کو اپنے اندر لیے ہوئے تھے اور ان کے لیے ایک نشانی یہ ہے کہ انہیں ان بزرگوں کی پیٹھ میں ہم نے بھری کشتی میں سوار کیا۔

اولاد سے ترجمہ قرآن کریم کے لفظ ذریت کے بہت قریب ہے مگر مولانا احمد رضا خاں کا لفظ پیٹھ عام آدمی کی سمجھ سے بہت بالا ہے۔

۱۷۔ واما ینزغنک من الشیطان نزغ فاستعذ باللہ انہ سمیع علیم۔ (پ۹ الاعراف ۲۰۰)

ترجمہ حضرت مولانا تھانوی :

اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کیجئے وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

ترجمہ مولانا احمد رضا خاں :
اور اے سننے والے اگر شیطان تجھے کوئی کونچا دے تو اللہ کی پناہ مانگ
بے شک وہی سنتا جانتا ہے۔
اب آپ ہی دیکھیں کہ لفظ وسوسہ زیادہ واضح ہے یا مولانا احمد رضا خاں کا کونچا
حضرت تھانویؒ نے ترجمہ میں سمیع علیم کے وزن مبالغہ کی ترجمہ میں رعایت کی ہے۔ مولانا
احمد رضا کا ترجمہ اس سے خالی ہے۔

۱۸۔ ویسئلونک عن الجبال فقل ینسفہا ربی نسفا ۵ فیذرہا قاعا صفصفا۔ (پ۱۶ طٰہٰ ۱۰)

ترجمہ مولانا تھانویؒ :
اور لوگ آپ سے پہاڑوں کی نسبت پوچھتے ہیں (کہ قیامت میں ان کا کیا حال
ہوگا) سو آپ فرما دیجئے کہ میرا رب ان کو بالکل اڑا دے گا پھر اس (زمین)
کو ایک میدان ہموار کر دے گا۔

ترجمہ مولانا احمد رضا :
اور تم سے پہاڑوں کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ انہیں میرا رب ریزہ ریزہ کر کے
اڑا دے گا تو زمین کو پٹ ہموار کر کے چھوڑے گا۔
حضورؐ سے آپ کی بجائے تم سے خطاب کرنا تو مولانا احمد رضا کی عام عادت ہے۔
لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ چھوڑے گا کس عربی لفظ کا معنی ہے؟ پھر مولانا احمد رضا کے
پٹ ہموار سے تو طلبہ بالکل پٹ کر رہ جائیں گے۔ یہ فیصلہ ناظرین کریں گے کہ کون سا ترجمہ
آسان اور عام فہم ہے اور اسے خاں صاحب کس طرح پٹ ہموار کر لے پر تلے ہوئے ہیں۔

۱۹۔ لقد انزلنا الیکم کتابا فیہ ذکرکم افلا تعقلون۔ (پ۱۷ الانبیاء ۱۰)

ترجمہ حضرت تھانویؒ :
ہم تمہاری طرف ایسی کتاب بھیج چکے ہیں کہ اس میں تمہاری نصیحت (کافی موجود)
ہے کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے۔
ذکرکم کا ترجمہ نصیحت کے سوا اگر کچھ کہا جا سکتا ہے تو وہ یہ کہ اس میں تمہاری حاجات کا
بیان ہے یا یہ معنی ہیں کہ وہ تمہاری زبان میں ہے اور تمہارے لیے ہے معلوم نہیں مولانا
احمد رضا خاں اس کا ترجمہ ناموری کہاں سے لے آئے۔ پھر مسوفین کو ناموری کا یہ شرف کیسے

دیا جا سکتا ہے یہ بات قارئین کے دیکھنے کی ہے۔ تاہم مولانا احمد رضا کا یہ نرالا ترجمہ ان کے ہاں ایمان کا خزانہ ہے۔

بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب اتاری جس میں تمہاری ناموری ہے۔
(کنز الایمان ص۴۸۱)

۲۰۔ ولو دخلت علیھم من اقطارھا ثم سئلوا الفتنۃ لاٰتوھا وما تلبثوا بھا الا یسیرا۔ (پ۲۱ الاحزاب ۱۴)

ترجمہ حضرت تھانوی رح:

اور اگر مدینہ میں اس کے اطراف سے ان پر کوئی آگھسے پھر ان سے فساد کی درخواست کی جائے تو یہ اس کو منظور کرلیں اور ان گھروں میں بہت ہی کم ٹھہریں۔

ترجمہ مولانا احمد رضا:

اور اگر ان پر فوجیں مدینہ کے اطراف سے آئیں اور ان سے کفر چاہیں تو ضرور ان کا مانگا دے بیٹھتے اور اس میں دیر نہ کرتے مگر تھوڑی۔

یہ منافقوں کا ذکر ہو رہا تھا ان فوجوں کے ان سے کفر چاہنے کا کیا مطلب؟ قرآن میں یہاں فوج کے لیے کوئی لفظ نہیں پھر یہ جملہ بھی یاد رہے گا ضرور ان کا مانگا دے بیٹھتے۔

۲۱۔ ولو رحمنٰھم وکشفنا ما بھم من ضر للجوا فی طغیانھم یعمھون۔ (پ۱۸ المومنون ۷۵)

ترجمہ حضرت تھانوی رح:

اور اگر ہم ان پر مہربانی فرمائیں اور ان پر جو تکلیف ہے اس کو ہم دور بھی کر دیں تو وہ لوگ (پھر) اپنی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے اصرار کرتے ہیں۔

ترجمہ مولانا احمد رضا:

اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور جو مصیبت ان پر پڑی ہے ٹال دیں تو ضرور بھٹ پنا کریں گے اپنی سرکشی میں بہتے ہوئے۔

بھٹ پنا کریں گے کیا سلیس ترجمہ ہے یہ آپ فیصلہ کریں۔ یہ ترجمہ کرنا تھانوی تبلیغیے کیسے بھٹ پنا کرتے ہیں۔

۲۲۔ وامتازوا الیوم ایھا المجرمون۔ (پ۲۳ یٰسٓ ۵۹)

ترجمہ حضرت مولانا تھانوی رح:

اور اے مجرموں آج (اہل ایمان سے) الگ ہو جاؤ (ممتاز ہو جاؤ علیحدہ علیحدہ)۔

ترجمہ مولانا احمد رضا:

اور آج الگ پھٹ جاؤ اے مجرموں۔

مجرم اگر پھٹیں تو ان کے کئی گروہ ہوں گے اور اگر وہ الگ ہوں تو سب مجرم ایک طرف ہوں گے اور اہل ایمان ایک طرف۔ یہ فیصلہ ہم ناظرین پر چھوڑتے ہیں کہ مجرموں کا پھٹنا ان کی اپنی تقسیم ہو گی نہ کہ وہ اہل ایمان سے علیحدہ ہو جائیں گے یہ کیسا عجیب ترجمہ ہے۔

۲۳۔ واذا جاءوك حيوك بما لم يحيك به الله۔ (پ ۲۸ المجادلہ ۸)

ترجمہ حضرت تھانوی:

اور وہ لوگ جب آپ کے پاس آتے ہیں ایسے لفظ سے سلام کرتے ہیں جس سے اللہ نے آپ کو سلام نہیں فرمایا۔

ترجمہ مولانا احمد رضا:

اور جب تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں تو ان لفظوں سے تمہیں مجرا کرتے ہیں جو اللہ نے تمہارے اعزاز میں نہ کہے۔

کیا یہودی آپ کے پاس مجرا کرتے تھے اور کیا حضور انہیں آپ کے سامنے آکر مجرا کرنے کا موقعہ دیتے یہ بات ہماری سمجھ سے بالا ہے۔ مولانا تھانوی حضور کو آپ کہہ کر مخاطب کرتے ہیں مگر مولانا احمد رضا خاں حضور کے لیے ہمیشہ تم کا لفظ لاتے ہیں یہ فیصلہ آپ کریں کہ حضور کا ادب آپ کو آپ کہنے میں ہے یا تم کہنے میں۔

۲۴۔ اذ ابق الى الفلك المشحون فساهم فكان من المدحضين فالتقمه الحوت وهو مليم۔ (پ ۲۳ الصافات ۱۴۱) کہ جب بھاگ کر بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچے۔

ترجمہ حضرت تھانوی:

سو یونس بھی شریک قرعہ ہوئے تو یہی ملزم ٹھہرے۔

ترجمہ مولانا احمد رضا:

جب کہ بھری کشتی کی طرف نکل گیا تو قرعہ ڈالا تو دھکیلے ہوؤں میں ہوا۔

مولانا تھانوی پیغمبر کو ادب و احترام سے جمع کے طور پر ذکر کرتے ہیں مگر مولانا احمد رضا خاں کے ہاں وہ ادب نہیں آپ پیغمبر کو بصیغہ واحد ذکر کرتے ہیں۔ مدحض کا

ترجمہ ملزم کتنا سلیس ہے مگر مولانا احمد رضا حضرت یونس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ ڈھکیلے ہوؤں میں سے ہوا۔ معلوم نہیں وہ حضرت یونس کے لیے اتنا ثقیل لفظ کہاں سے لائے

۲۵۔ وانا کنا نقعد منہا مقاعد للسمع فمن یستمع الآن یجد لہ شہابا رصدا۔

(پ ۲۹ الجن ۹)

ترجمہ حضرت تھانوی:

اور ہم آسمان کی خبریں سننے کے موقعوں پر جا بیٹھا کرتے تھے سو جو کوئی اسے سننا چاہتا ہے تو اپنے لیے ایک تیار شعلہ پاتا ہے۔

ترجمہ مولانا احمد رضا خاں:

اور ہم پہلے آسمان میں سننے کے لیے کچھ موقعوں پر بیٹھا کرتے تھے پھر اب جو کوئی سنے وہ اپنی تاک میں آگ کا لوکا پائے۔

آگ کا شعلہ کتنا عام فہم اور سلیس لفظ ہے۔ مولانا احمد رضا خاں کے لیے آگ کا لوکا ہی آسان رہا۔

۲۶۔ وانک لعلیٰ خلق عظیم ٥ فستبصر ویبصرون ٥ بایکم المفتون۔

(پ ۲۹ ن ۶)

ترجمہ حضرت تھانوی:

اور بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں سو عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے کہ کس کو جنون تھا۔

ترجمہ مولانا احمد رضا:

اور بے شک تمہاری خو بو بڑی شان کی ہے تو اب کوئی دم جاتا ہے کہ تم بھی دیکھ لو گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں کون مجنون تھا۔

مولانا تھانوی نے فستبصر کا ترجمہ کیا تھا آپ دیکھ لیں گے۔ خاں صاحب نے کہا یہاں آپ نہیں تم کہنا چاہیئے تھا۔ خاں صاحب پورے کنز الایمان میں حضورؐ کو تم ہی کہتے آرہے ہیں لیکن عنقریب کے عام فہم اور سلیس ترجمہ کو چھوڑ کر خاں صاحب کا کوئی دم جاتا ہے کا ترجمہ بہت عجیب ہے۔

۲۷۔ واما من جاءک یسعیٰ ٥ وھو یخشیٰ ٥ فانت عنہ تلھّیٰ ٥ (پ ۳۰ عبس)

ترجمہ حضرت تھانوی؂:
اور جو شخص آپ کے پاس (دین کے شوق میں) دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ (خدا سے) ڈرتا ہے آپ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں ہرگز ایسا نہ کیجئے قرآن نصیحت کی چیز ہے۔

ترجمہ مولانا احمد رضا:
اور جو تمہارے حضور ملکتا آیا اور وہ ڈر رہا ہے تو اسے چھوڑ کر اور طرف متوجہ ہوتا ہے یوں نہیں یہ تو سمجھانا ہے۔

اب آپ ہی سوچیں دوڑتا ہوا آیا اور ملکتا ہوا آیا ان میں سے کون سا لفظ عام فہم اور فصیح ہے، پھر دیکھئے حضور کے لیے کس بے ادبی میں تو کا لفظ لایا گیا ہے۔ مولانا تھانوی کا ترجمہ کہ آپ اس سے بے اعتنائی برتتے ہیں کیسا واضح اور سلیس ہے ملکتا ہوا لفظ ہمارے قارئین نے شاید پہلی دفعہ سنا ہو۔

۲۸۔ وما ارسلنا فی قریۃ من نذیر الا قال مترفوھا انا بما ارسلتم بہ کافرون
(پ۲۲ سبا ۳۴)

ترجمہ حضرت تھانوی؂:
اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈر سنانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم ان احکام کے منکر ہیں جو تم کو دے کر بھیجا گیا ہے۔

ترجمہ مولانا احمد رضا خاں:
اور ہم نے جب کبھی کسی شہر میں کوئی ڈر سنانے والا بھیجا وہاں کے آسودوں نے یہی کہا کہ تم جو لے کر بھیجے گئے ہم اس کے منکر ہیں۔

قریہ بستی کو کہتے ہیں یا شہر کو ہم اس سے بحث نہیں کرتے۔ آسودہ حال لوگوں کو خوشحال لوگ تو کہا جا سکتا ہے لیکن امیر لوگوں کو آسودوں سے ذکر نہیں کیا جاتا۔ مردہ کی جمع تو مردوں ہے لیکن آسودوں کی جمع آسودوں سے نہیں کرتے۔

پھر یاد رہے کہ پیغمبر کچھ لے کر نہیں بھیجے جاتے وہ احکام دے کر بھیجے جاتے ہیں۔ خان صاحب لینے اور دینے میں فرق نہیں کر سکے۔ آسودوں نے یہی کہا کہ (ما ارسلتم بہ) تم جو لے کر بھیجے گئے ہم اس سے منکر ہیں۔

فانظر کیف کان عاقبۃ المنذرین۔ (پ۲۳ الصافات)

ترجمہ حضرت تھانوی ؒ:

سو دیکھ لیجئے ان لوگوں کا کیا بُرا انجام ہوا جن کو ڈرایا گیا تھا۔

ترجمہ مولانا احمد رضا خاں:

سو دیکھو ڈرائے گیوں کا کیا انجام ہوا۔

گئے کی جمع گیوں ملاحظہ فرما کر مولانا احمد رضا کے ترجمہ کی داد دیں۔

۳۔ لا یقاتلونکم جمیعاً الا فی قری محصنۃ او من وراء جُدر بأسھم بینھم شدید۔ (پ۲۸ الحشر۱۴)

ترجمہ حضرت تھانوی ؒ:

یہ لوگ (تو) سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے مگر حفاظت والی بستیوں یا دیوار کی آڑ میں۔ ان کی لڑائی آپس میں ہی بڑی تیز ہے۔

ترجمہ مولانا احمد رضا خاں:

یہ سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے مگر قلعہ بند شہروں میں یا دُھسوں کے پیچھے۔ آپس میں ان کی آنچ سخت ہے۔

قریہ کا ترجمہ آپ نے پہلے بھی شہر کیا ہے مگر دیواروں کی بجائے لفظ دھسوں کا انتخاب اور لڑائی کی بجائے لفظ آنچ کا انتخاب کنز الایمان کے عام فہم اور سلیس ترجمہ قرآن ہونے میں شاید ہی کسی کے ہاں تسلیم ہو۔

کنزالایمان کو الہامی ترجمہ قرآن کیسے مانا جا سکتا ہے؟

مولانا احمد رضا خاں کے پیرو کنزالایمان کو الہامی ترجمہ قرآن مانتے ہیں. لیکن مترجم سے اس ترجمہ میں بعض الفاظ قرآن یکسر چھوٹ گئے ہیں. اب اگر اسے الہامی ترجمہ قرآن مانا جائے تو خود قرآن کا الہامی کتاب ہونا مشتبہ ہو جاتا ہے. جس کی کوئی مومن جرأت نہیں کر سکتا. مثلاً :-

۱. قرآن پاک سورۃ قصص کی آیت ۵ میں نہایت صاف پیرایہ میں فی الارض کے الفاظ موجود ہیں. مگر کنزالایمان کے الہامی ترجمہ میں فی الارض کا ترجمہ سرے سے موجود نہیں کنزالایمان میں دیکھیں :-

ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمۃ و نجعلھم الوارثین. (پ۲۰ القصص ۵)

ترجمہ مولانا احمد رضا :

"اور ہم چاہتے تھے کہ ان کمزوروں پر احسان فرمائیں اور ان کو پیشوا بنائیں اور ان کے ملک و مال کا انہیں وارث بنائیں.

اس الہامی ترجمہ میں فی الارض کا ترجمہ کہیں نظر نہیں آتا اور ان کے ملک و مال کا ایک ایسا اضافہ ہے کہ اس کے لیے قرآن کریم کی اس آیت میں کوئی عربی لفظ نہیں جس کا یہ ترجمہ ہو.

اگر مترجم کے پاس کوئی اور نسخہ قرآن تھا جس میں ان کے ملک و مال کے لیے عربی الفاظ تھے تو اس مفروضہ سے کیا قرآن مجید کی یہ آیت مشتبہ نہیں ہو جاتی.

۲. اللہ نزل احسن الحدیث کتابا متشابھا. (پ۲۳ الزمر ۲۳)

ترجمہ مولانا احمد رضا خاں :

"اللہ نے اتاری سب سے اچھی کتاب کہ اول سے لے کر آخر تک ایک سی ہے"

اس الہامی ترجمے میں لفظ حدیث کا ترجمہ نہیں ہے. اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا.

اللہ نے اتاری بہتر بات کتاب، آپس میں ملتی۔
بات حدیث کا ترجمہ ہے جو سرے سے الہامی ترجمہ میں نہیں ہے۔
جس وقت یہ آیت اتری اس وقت قرآن کریم کی آخری آیات نہ اتری تھیں۔
خان صاحب کے الفاظ اول سے آخر تک قرآن کے الفاظ نہیں ہیں معلوم نہیں یہ الفاظ اس الہامی ترجمہ میں کیسے آگئے۔

۳۔ اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم کانوا اشد منھم قوۃ وآثارا فی الارض فاخذھم اللہ بذنوبھم۔
(پ۲۴ المومن ۲۱)

اس آیت میں کانوا اشد منھم قوۃ کا سرے سے ترجمہ نہیں ہے۔ اس کا ترجمہ یہ تھا:۔

وہ تھے ان سے زور میں سخت۔

مگر مولانا احمد رضا خان کا اس مذکورہ بالا آیت کا یہ ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:۔

تو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہ کیا کہ دیکھتے کیسا انجام ہوا ان سے اگلوں کا۔ ان کی قوت اور زمین میں جو نشانیاں چھوڑ گئے ان سے زائد تو اللہ نے انہیں ان کے گناہوں پر پکڑا

ترجمہ میں ان سے زائد کے الفاظ نشانیوں سے متعلق ہیں قوت سے متعلق نہیں زائد کا لفظ گنتی کے امور میں آتا ہے۔ قوت کی زیادتی قرآن کریم نے لفظ اشد سے ذکر کی ہے اور اس کا الہامی ترجمہ کنز الایمان میں سرے سے ترجمہ نہیں ہے۔

۴۔ وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا منہ۔ (پ۲۵ الجاثیہ ۱۳)
مولانا احمد رضا خاں اپنے الہامی ترجمے میں جمیعا کا ترجمہ چھوڑ گئے ہیں۔
ترجمہ ملاحظہ ہو:۔

اور تمہارے لیے کام میں لگائے جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں اپنے حکم سے

خان صاحب کے پیرو کہتے ہیں کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں کیا اس میں سب کچھ نہیں آگیا۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ نے یہ مشورہ اللہ رب العزت کو کیوں نہیں دیا

کہ جب ما فی السمٰوٰت اور ما فی الارض میں سب کچھ آگیا تھا تو اس نے جمیعاً کا لفظ کیوں فرمایا۔ وہ جواباً کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں بعض جگہ حروف زائدہ بھی تو ہیں ہم کہیں گے حروف زائدہ سے الفاظ زائدہ پر استدلال ہرگز درست نہیں۔ یہاں جمیعاً کا لفظ ہرگز ایک زائد لفظ نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

انہیں چاہیئے کہ وہ اپنے ترجمے میں ایک کمی تسلیم کرلیں لیکن قرآن کریم کے کسی لفظ کو زائد نہ کہیں ۔ مومنین کے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ مولانا احمد رضا خاں کے اس ترجمہ کو الہامی ترجمہ نہ کہیں۔ ترجمہ یوں بھی ہو سکتا تھا :۔

کام میں لگا دیا تمہارے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں سب کو اپنی طرف سے۔

۵۔ والذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت واٰمنوا بما نزل علیٰ محمد .... کفر عنھم سیاٰتھم واصلح بالھم۔ (پ۲٦ محمد)

یہاں الہامی ترجمے میں والذین کا ترجمہ نہیں دیا گیا۔ کیا اسے بھی زائد الفاظ میں سمجھا گیا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں کا یہاں ترجمہ ملاحظہ ہو :۔

اور ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور اس پر ایمان لائے جو محمد پر اتارا گیا۔ اللہ نے ان کی برائیاں دور کر دیں اور ان کی حالتیں سنوار دیں۔

ترجمہ یوں بھی کیا جا سکتا تھا :۔

٦۔ قرآن پاک میں سورۃ الرحمٰن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بہت سی نعمتیں ذکر کی ہیں اور بار بار فرمایا :۔

فبای اٰلاء ربکما تکذبان۔ (پ۲۷ الرحمٰن)

سو اس کا ترجمہ یہی کرتے آرہے تھے کہ تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔

مولانا احمد رضا خاں نے اس کا الہامی ترجمہ یہ کیا ہے :۔

تم اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔

گویا وہ ایک ہی نعمت کے منکر تھے اور اس آیت میں اسی نعمت کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے۔

۷۔ مولانا احمد رضا خاں نے حسب ذیل آیت میں ظن السوء کو بھی غالباً زائد الفاظ میں شمار کیا ہے:۔

ویعذب المنافقین والمنافقات والمشرکین والمشرکات الظانین باللہ ظن السوء علیھم دائرۃ السوء (پ ۲۶ الفتح ۶)

ترجمہ مولانا احمد رضا خاں:

اور عذاب دے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جو اللہ پر گمان رکھتے ہیں انہی پر ہے بڑی گردش۔

یہاں ظن السوء کے الفاظ اس الہامی ترجمے سے نکال دیئے گئے ہیں۔

۸۔ ویعبدون من دون اللہ مالا یضرھم ولا ینفعھم (پ ۱۱ یونس ۱۸)

مولانا احمد رضا خاں نے الہامی ترجمے میں مالا یضرھم کا ترجمہ نہیں دیا۔

ملاحظہ ہو۔ اب اسے کیسے ایک الہامی ترجمہ کہا جا سکتا ہے۔

اور اللہ کے سوا ایسی چیز کو پوجتے ہیں جو ان کا بھلا نہ کرے۔

خان صاحب غالباً یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ یہ معبودانِ باطلہ اپنے پوجنے والوں کو نفع تو کوئی نہیں دے سکتے البتہ نقصان دے سکتے ہیں کہ ان کی پوجا کرنے والاان سے بہت نقصان پاتا ہے۔

مثلاً یہ کہ وہ بوجہ شرک بخشش سے محروم رہا۔

یہ صحیح ہے کہ وہ معبودانِ باطلہ اس کے اتنے نقصان کا سبب بنے لیکن یہ صحیح نہیں کہ انہوں نے اسے قصداً یہ ضرر پہنچایا یا اپنے ارادہ اور قصد سے وہ کسی کو کوئی نقصان دینے کی بھی کوئی طاقت نہیں رکھتے۔ سو قرآن کا کہنا لا یضرھم بالکل صحیح ہے۔ خان صاحب نے یونہی اسے ترجمہ سے نکال دیا ہے۔

۹۔ جب قیامت کا صور پھونکا جائے گا تو اس دن نہ کوئی آپس میں رشتے قائم رہیں گے اور نہ کوئی نسب کے امتیاز رہیں گے۔ یہاں خان صاحب نے اس دن کی قید کو نکال دیا ہے۔

۹۔ جب قیامت کا صور پھونکا جائے گا تو اس دن نہ کوئی آپس میں رشتے قائم رہیں گے اور نہ کوئی نسب کے امتیاز رہیں گے۔ یہاں خان صاحب نے اس دن کی قید کو نکال دیا ہے

فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینھم یومئذ ولا یتساءلون۔ (پ۱۸ المومنون ۱۰۱)

ترجمہ مولانا احمد رضا خاں:

تو جب صور پھونکا جائے گا تو ان میں نہ رشتے رہیں گے اور نہ کوئی ایک دوسرے کی بات پوچھے گا۔

اس الہامی ترجمے میں لفظ یومئذ کا ترجمہ نہیں دیا گیا۔

۱۰۔ قال الم اقل لکم انی اعلم غیب السموات والارض۔ (پ۱ البقرہ ۳۳)

ترجمہ یہ چاہیئے تھا۔

اللہ تعالیٰ نے کہا کیا میں نے تمہیں یہ نہ کہا تھا کہ آسمانوں اور زمین کی چھپی چیزیں اور باتیں میں ہی جانتا ہوں۔

خان صاحب نے اپنے الہامی ترجمے سے لفظ لکم (تمہیں یا تم کو) کا ترجمہ نکال دیا ہے۔

۱۱۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سے لوگ آیاتِ الٰہی سے غافل رہے اور ہیں۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کچھ اللہ والے بھی دنیا میں ضرور موجود ہیں اور رہے ہیں اور دنیا انہی کا صدقہ اب تک قائم ہے۔ قرآن کریم نے یہ غفلت بہت سے لوگوں کی بتائی ہے سب کی نہیں۔ مگر مولانا احمد رضا خاں نے اپنے الہامی ترجمہ میں کثیرًا کا ترجمہ نکال دیا ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

وان کثیرًا من الناس عن اٰیاتنا لغٰفلون۔ (پ۱۱ یونس ۹۲)

ترجمہ مولانا احمد رضا خاں:

اور بے شک لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں۔

خان صاحب یہاں کثیرًا کا ترجمہ نہیں لائے اسے بلا وجہ چھوڑ گئے ہیں۔

۱۲۔ یا بنی اٰدم خذوا زینتکم عند کل مسجد وکلوا واشربوا ولا تسرفوا۔ (پ۸ الاعراف ۳۱)

ترجمہ۔ اے اولادِ آدم لے لو اپنی آرائش ہر نماز کے وقت اور کھاؤ اور پیو اور بے جا خرچ نہ کرو۔

یہاں مسجد مصدر ہے ظرف نہیں اس کے معنی نماز کے ہیں یہاں عمارت مراد نہیں۔
نمازی ہر نماز میں اچھے لباس میں اللہ کے حضور حاضری دے۔ (کنز الایمان ص۱۹۸)
خان صاحب اپنے الہامی ترجمے میں کل کے لفظ کو قبول نہیں کرتے۔
اے آدم کی اولاد اپنی زینت لو جب مسجد میں جاؤ اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو۔

۱۳۔ وما یکذب به الا کل معتد اثیم۔ (پ۳۰ المطففین)
اور اس کو جھٹلاتا ہے وہی جو حد سے بڑھنے والا گنہگار ہے۔
حد سے بڑھنے والا کون ہے؟ معتد
اور جس کے ذمہ اب گناہ زیادہ؟ اثیم
یہ دو صفتوں کا بیان ہے۔ مولانا احمد رضا خاں اپنے الہامی ترجمے میں حد سے بڑھنے والے کو تو بے شک سرکش کہہ رہے ہیں لیکن اثیم کے لفظ کو وہ الفاظ زائدہ میں شمار کرتے ہیں اور اسے وہ اپنے الہامی ترجمے میں جگہ نہیں دیتے۔
ترجمہ مولانا احمد رضا خاں:
اور اسے نہ جھٹلائے گا مگر مشرک۔ (کنز الایمان ص۷۶۹)
کیا سرکشی گناہ نہیں پھر معلوم نہیں مولانا احمد رضا خاں لفظ اثیم کو کیوں زائد سمجھ رہے ہیں۔

۱۴۔ ویل لکل همزة لمزة۔ (پ۳۰ ہمزہ)
اس کا ترجمہ یہ ہونا چاہیئے تھا:۔
خرابی ہے ہر طعنہ دینے والے عیب چننے والے۔
مگر مولانا احمد رضا خاں کو کس نے الہام میں کہہ دیا کہ یہاں کل کا لفظ زائد ہے آپ اس میں ہر کا لفظ نہ لائیں۔ آپ نے اپنے اس الہامی ترجمے میں لفظ کل یکسر نکال دیا اور لکھا۔
خرابی ہے اس کے لیے جو لوگوں کے منہ پر عیب کرے پیٹھ پیچھے بدی کرے (کنز الایمان ص۷۸۸)
اس میں آپ کو کل کا ترجمہ نظر نہ آئے گا۔
یہ آنت ایسی ہے اسے جتنا کھینچتے جائیں یہ کھنچتی جائے گی۔ مولانا احمد رضا خاں کے

پیروؤں کو چاہیئے کہ وہ اسے الہامی ترجمہ نہ کہیں ورنہ ان چھوڑے الفاظ سے قرآن کریم کی صحت مجروح ہونے کا خطرہ ہے۔

بریلویوں کے مولانا محمد زبیر ممبر قومی اسمبلی پاکستان نے مولانا احمد رضا خاں کے ترجمہ کی ایک غلطی کی نشاندہی کی کہ یہ ترجمہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ حضرت انس بن مالکؓ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم کے خلاف ہے بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے بیان کے بھی خلاف ہے۔ اس پر کئی بریلوی مولوی بہت سیخ پا ہوئے کہ مولانا زبیر اور مولانا غلام رسول سعیدی نے کنز الایمان کے اس ترجمہ کو کیوں غلط کہا۔ یہ تو الہامی ترجمہ ہے اس میں غلطی کیسی ہو سکتی ہے۔ مولانا محمد زبیر اپنے ان علماء کی اس غلطی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> ان کے نزدیک اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر ہے۔ استغفر اللہ العظیم [1]

اب اگر کسی کا یہ عقیدہ ہو تو کیا وہ کسی درجے میں بھی مسلمان رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بریلویوں کی ترجمہ قرآن کنز الایمان سے یہ اندھی عقیدت ہے جو انہیں دائرہ ایمان سے لا باہر کر رہی ہے۔ ہم پھر بھی کہیں گے کہ لزوم اور التزام میں فرق ہے۔ مگر مولانا احمد رضا خاں کے اس ترجمہ قرآن کے غلط ہونے میں کوئی مسلمان شک نہیں کر سکتا۔

---

[1] مغفرت ذنب تالیف مولانا محمد زبیر ص۶ سطر ۴

کنزالایمان کے بارے میں ایک سوال اور اس کا جواب

سوال: قرآن کریم کے دو ترجمے بازار میں دیکھتے ہیں ایک حکیم الامت کا دوسرا اعلیحضرت کا ان میں سے کون سا ترجمہ بہتر ہے اور اس کا سمجھنا آسان ہے؟

الجواب: پہلے آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ دو نام جو آپ نے ذکر کیے ہیں یہ اعلام نہیں خطابات یا القاب ہیں. حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کو کہا جاتا ہے اور اعلیحضرت سے بریلویوں کے مولانا احمد رضا خاں مراد لیے جاتے ہیں. دونوں ترجموں میں حضرت مولانا تھانوی کا ترجمہ زیادہ اچھا ہے. اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء کا زیادہ ادب و احترام ہے. کہیں گستاخی کی ادا نہیں. ہم یہاں چند حوالے پیش کیے دیتے ہیں باقی آپ خود دیکھ سکیں گے.

۱. مولانا تھانوی بیشتر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ بریکٹ میں صلی اللہ علیہ وسلم لکھ دیتے ہیں. مولانا احمد رضا خاں نے ایک دفعہ بھی اس طرح آپ کے نام کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں لکھا.

۲. مولانا تھانوی سابقہ پیغمبروں کا نام لیتے عام طور پر علیہ السلام لکھ دیتے ہیں. مولانا احمد رضا خاں نے ایک دفعہ بھی کسی پیغمبر کے ساتھ علیہ السلام نہیں لکھا.

۳. خطاب کرتے آپ اردو کے دو لفظ سامنے رکھیں. ۱. آپ اور. ۲. تم. ان میں آپ زیادہ ادب وعزت کا ترجمان سمجھا جاتا ہے. قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی مقامات پر لفظ قل سے خطاب کیا ہے. مولانا تھانوی اس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:.

آپ فرما دیجئے یا آپ کہہ دیجئے.

مولانا احمد رضا خاں قل کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:. تم فرماؤ.

ظاہر ہے کہ جو ادب و احترام آپ میں ہے وہ تم میں نہیں. اب آپ ہی سوچیں ادب و احترام کہاں زیادہ ہے.

۴. مولانا تھانوی انبیاء سابقین کے بھی تذکرہ میں عام طور پر جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہیں. جیسے:.

۱. موسیٰ علیہ السلام وہاں سے نکل گئے۔ (پ۲۰ القصص ۲۱)
۲. بے شک ابراہیم بڑے مقتدا تھے ... اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے (پ۱۴ النحل ۱۲۰)
مگر مولانا احمد رضا خاں ان انبیاء کرام کو بصیغہ واحد ذکر کرتے ہیں :۔
۱. موسے اس شہر سے نکلا ڈرتا ہوا۔ (کنز الایمان ص۵۰۲)
۲. ابراہیم ایک امام تھا ... اور مشرک نہ تھا۔ (پ۱۴ النحل ۱۲۰)
۵. مولانا تھانوی ؒ نے سورتوں کے شروع کے حروف مقطعات کو قرآن پاک کا حصہ سمجھتے ہوئے ترجمہ میں انہیں اس طرح درج کیا ہے جیسا کہ وہ عربی متن میں ہیں تا ان کی قرآنیت کا انکار نہ ہو سکے۔
مگر مولانا احمد رضا خاں معاذ اللہ انہیں زائد سمجھتے ہوئے اپنے ترجمہ میں جگہ نہیں دیتے۔
۶. مولانا تھانوی ؒ نے ترجمہ میں جہاں کہیں اضافی الفاظ کی ضرورت محسوس کی آپ نے انہیں بریکٹ میں لکھا ہے تاکہ پڑھنے والا آسانی سے سمجھ سکے کہ یہ قرآن کا حصہ نہیں ہے۔
مگر مولانا احمد رضا خاں اکثر جگہوں میں انہیں قرآن بنا کر ظاہر کرتے ہیں۔ جیسے قل انما انا بشر مثلکم کے ترجمہ میں آپ لکھتے ہیں :۔
تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں۔ (کنز الایمان ص۴۹۴)
یہ ظاہر صورت بشری کے الفاظ قرآن کے نہ تھے۔ خان صاحب کو اپنی بات بریکٹ میں لانی چاہیئے تھی تاکہ قارئین ان کی بات کو خدا کی بات نہ سمجھیں۔
۷. قرآن پاک میں جہاں کوئی لفظ مبالغہ کے وزن پر آیا ہے۔ مولانا تھانوی ؒ ایسے مواقع پر ترجمہ میں بھی مبالغے کے اوزان لاتے ہیں۔
مگر مولانا احمد رضا خاں اللہ تعالیٰ کی صفات میں جہاں مبالغہ کا وزن ہے وہاں ترجمہ میں مبالغہ کے اوزان نہیں لاتے۔ سو اس میں ترجمہ میں اصل کا سا وزن نہیں رہتا۔
۸. مولانا تھانوی ؒ ضمیر کا ترجمہ ضمیر سے کرتے ہیں اور اس میں حضور ؐ کے لیے آپ کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور فعل کا ترجمہ معروف و مجہول کی رعایت سے کرتے ہیں۔ مثلاً :۔
الذین یؤمنون بما انزل الیك وما انزل من قبلك۔ (پ۱ البقرہ)
ترجمہ۔ وہ لوگ ایسے ہیں کہ یقین رکھتے ہیں اس کتاب پر بھی جو آپ کی طرف اتاری

گئی آپ کی طرف اور ان کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری جا چکی ہیں۔

مگر مولانا احمد رضا ضمیر کا ترجمہ صفت سے کرتے ہیں اور فعل کے ترجمہ میں معروف و مجہول کا فرق نہیں کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آپ کی بجائے تم کا لفظ لاتے ہیں۔ یومنون کو بھی خبر کی بجائے امر غائب سمجھ رہے ہیں۔

ترجمہ۔ وہ کہ ایمان لائیں اس پر جو اے محبوب تمہاری طرف اُترا اور جو تم سے پہلے اُترا۔

آپ نے اے محبوب کا اضافہ اس لیے کیا ہے کہ جو بات اللہ سے رہ گئی آپ اسے پورا کر دیں۔ یہاں بتلانا ضروری تھا کہ حضورؐ اللہ کے محبوب ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ الفاظ نہیں اُتارے۔

آپ نے یہ اس لیے کیا کہ آگے حضورؐ کو تم کہہ سکیں آپ نہ کہنا پڑے۔ محبوب کہہ کر تم کہنا آسان ہو جاتا ہے آپ میں زیادہ احترام ہو جاتا ہے جو محبت میں ضروری نہیں۔

۹۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں الرحمٰن اور الرحیم دونوں اوزان مبالغہ کے ہیں۔ علماء ان دونوں کا ترجمہ وزن مبالغہ کا لحاظ کر کے کرتے ہیں۔ جیسے:۔

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔ (مولانا تھانویؒ)

مولانا احمد رضا خان نے الرحمٰن کا ترجمہ تو بے شک وزن مبالغہ کو ملحوظ رکھ کے کیا ہے لیکن انہوں نے رحیم کو مبالغہ کا وزن تسلیم نہیں کیا۔

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ (کنزالایمان)

مولانا تھانویؒ کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے لیے کہ وہ بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں، زیادہ ادب کا اظہار کرتے ہیں۔

بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ یہاں اعلیٰحضرت گو زیادہ ادب کے الفاظ نہیں لکھ سکے مگر انہوں نے اللہ کا نام پہلے لکھ کر واقعی اللہ کے نام سے شروع کیا ہے اور لوگوں کو دوسرے مترجمین کی غلطی پر متنبہ کیا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اپنے کلام میں لفظ اللہ شروع میں نہیں لائے۔ (پہلے باء ہے پھر اسم اور پھر اللہ) سو یہ اصلاح صرف پہلے مترجمین کی نہ ہوئی۔ اعلیٰ حضرت

معاذ اللہ خدا کو بھی مشورہ دے رہے ہیں کہ اس نے قرآن کریم کو لفظ اللہ سے شروع ہوتے کیوں نہیں بتلایا۔ ایسا ہوتا تو مولانا تھانوی بھی ترجمہ اللہ کے لفظ سے شروع کرتے۔ وہ ضرور قرآن کے الفاظ کی پابندی کرتے۔

ایک اور مثال لیجئے :-

لیدخلنھم مدخلاً یرضونہ وان اللّٰہ لعلیم حلیم ۝ ذلک ومن عاقب بمثل ما عوقب بہ ثم بغی علیہ لینصرنہ اللّٰہ ان اللّٰہ لعفو غفور ۝ ذلک بان اللّٰہ یولج الیل فی النہار و یولج النہار فی الیل وان اللّٰہ سمیع بصیر۔ (پ۱۷ الحج ۶۱)

اس آیت میں چار جگہ اللہ تعالیٰ کی صفات بوزن مبالغہ مذکور ہیں :-

۱۔ علیم حلیم ۲۔ عفو غفور ۳۔ سمیع بصیر ۴۔ ان اللّٰہ ھو العلی الکبیر

مولانا تھانوی کا ترجمہ ملاحظہ کریں :-

۱۔ بے شک اللہ تعالیٰ (ہر بات کی مصلحت کو) خوب جانتے ہیں۔
۲۔ بے شک اللہ تعالیٰ کثیر العفو کثیر المغفرت ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ (ان سب احوال و اقوال کو) خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔
۴۔ اور اللہ ہی عالی شان اور (سب سے) بڑا ہے۔

اب مولانا احمد رضا خاں کا ترجمہ بھی دیکھیں :-

۱۔ بے شک اللہ علم اور حلم والا ہے (اوزان مبالغہ پر نظر نہیں)
۲۔ اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔
۳۔ اللہ سنتا دیکھتا ہے۔
۴۔ اللہ ہی بلندی بڑائی والا ہے۔

ایک ہی مقام میں چار موقعوں پر مولانا احمد رضا کی اس پر نظر نہیں کہ یہاں مبالغہ کے اوزان مبالغہ کے پیرایہ میں ترجمہ کرنا چاہیئے تھا۔

۱۰۔ قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ انما الٰھکم الٰہ واحد۔ (پ۱۶ الکہف ۱۱۰)

ترجمہ حضرت مولانا تھانوی :

آپ (یوں بھی) کہہ دیجئے کہ میں تو تم ہی جیسا بشر ہوں میرے پاس بس یہ

وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود (برحق) ایک ہی معبود ہے۔

ترجمہ مولانا احمد رضا خاں:

تم فرماؤ بظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

مولانا احمد رضا خاں نے یہ بظاہر صورت بشری کے الفاظ بریکٹ میں نہیں لکھے تاکہ قرآن پڑھنے والے اسے قرآن سمجھیں اور عقیدہ رکھیں کہ حضورؐ کی ظاہر صورت (معاذاللہ) کفار جیسی تھی۔ یہ ہرگز درست نہیں کہ حضورؐ کی ظاہر صورت ان جیسی تھی۔ آپ کا رُخ انور چاند سے زیادہ نورانی تھا اور اس میں وہ رعب و وجاہت تھی کہ کوئی آپ سے آنکھیں ملا کر بات نہ کر سکتا تھا۔

حضورؐ نوعاً بشر تھے اور مطلق بشریت میں آپ دوسرے بنو آدم کے ساتھ شریک ہیں لیکن اپنی صفت میں آپ منیر تھے جس نے لاکھوں افراد کو (وہ صحابہ ہوں یا اولیاء کرام) نور بنا دیا۔ صحابہ کرام اور اولیاء کرام وہ نورِ خداوندی ہیں جن سے آفاق نے روشنی پائی کعب بن زہیرہ آپ کے نور ہونے کی اس طرح وضاحت کرتا ہے۔

ان الرسول لنور یستضاء بہ مھنّد من سیوف اللہ مسلول

مولانا نے ظاہر صورت بشری کے الفاظ اپنی طرف سے ڈال کر اور انہیں قرآن کے الفاظ ٹھہرا کر کوئی اچھا کام نہیں کیا لیکن اس میں آپ نے یہ بے ادبی کی ہے کہ آپ نے ظاہری صورت میں معاذاللہ آپ کو کفار جیسے کہہ دیا یہ آپ کی بہت بڑی بے ادبی اور گستاخی ہے۔ اس طرح کی بے ادبی آپ کو مولانا تھانوی کے ترجمہ میں نہ ملے گی۔

۱۱۔ زمانۂ جاہلیت میں کاہنوں اور نجومیوں کو غیب دان کہا جاتا تھا۔ پرانے عہدنامے سے پتہ چلتا ہے کہ کاہن لوگوں کو غیب کی باتیں بتلاتے تھے۔ اسلام میں نبی کو اس طرح غیب جاننے والا نہیں مانا گیا۔ بائبل سے پتہ چلتا ہے کہ اگلے زمانے میں اسرائیلیوں میں جب کوئی شخص خدا سے مشورہ کرنے جاتا تو یہ کہتا تھا کہ آؤ غیب بین کے پاس چلیں کیونکہ جس کو اب نبی کہتے ہیں اس کو پہلے غیب بین کہتے تھے۔

تب ساؤل نے اپنے نوکر سے کہا۔۔۔ آ ہم چلیں سو وہ اس شہر کو جہاں وہ مردِ خدا تھا چلے اور اس شہر کی طرف ٹیلے پر چڑھتے ہوئے ان کو کئی جوان

لڑکیاں ملیں جو پانی بھرنے جارہی تھیں انہوں نے ان سے پوچھا کیا غیب بین یہاں ہے۔ انہوں نے ان کو جواب دیا۔ ہاں ہے۔ [1]

چیمبرز انسائیکلوپیڈیا میں ہے کہ سموئیل نبی نے ۱۰۷۲ ق م سے ۹۷۲ ق م تک اس فن کے سکول کھول رکھے تھے اور غیب کی خبریں دینا ان کے ہاں ایک فن سمجھا جاتا تھا۔ اس سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ ان کے نزدیک نبی خدا تعالیٰ سے اطلاع پانے والے کا نام ہی نہ تھا غیب کی باتیں بتانے والوں کو بھی نبی کہتے تھے۔ گویا یہ لفظ دونوں میں مشترک تھا۔

پرانے عہد نامے میں ہے :۔

آؤ ہم غیب بین کے پاس جائیں اس لیے کہ وہ جواب نبی کہلاتا ہے آگے غیب بین کہلاتا تھا۔ [2]

اس کی تائید نئے عہد نامے کی اس عبارت سے ہوتی ہے :۔

فلپس مبشر کی چار بیٹیاں تھیں جو نبوت کرتی تھیں اور جب ہم وہاں بہت روز رہے تو اگبس نامی ایک نبی یہودیہ سے آیا۔ [3]

ان آیات سے پتہ چلتا ہے جو لوگ کاہنوں کو غیب دان سمجھتے تھے انہیں وہ کہتے تھے جس کا ترجمہ حاضر و ناظر ہے۔ ان کے ہاں اسے نبی بھی کہتے تھے گو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبریں دینے والا نہ ہوتا تھا۔

معلوم نہیں مولانا احمد رضا خاں کنزالایمان میں نبی کا ترجمہ غیب جاننے والا اور شاہدا کا معنی حاضر و ناظر کرنے میں اپنے قارئین کو ایمان کی کس سطح پر لانا چاہتے ہیں اور اس جاہلی تصور کو وہ اپنے ہاں کنزالایمان (ایمان کا خزانہ) سمجھتے ہیں۔

اب مولانا احمد رضا خاں کا یہ ترجمہ قرآن ملاحظہ فرمائیں۔ نبی کا ترجمہ نبی سے کرنا عام فہم تھا اور اس میں حضورؐ کے کاہن ہونے کا بھی کوئی مظنہ اور شائبہ نہ تھا۔ مگر افسوس کہ مولانا احمد رضا نے نبوت کے اسلامی عقیدے کی صحیح ترجمانی نہیں کی ہے۔ آپ نبی کا ترجمہ یہ کرتے ہیں:۔

اے غیب جاننے والے

جب یہ لفظ پہلے کاہن غیب بین اور نبی میں مشترک چلا آرہا تھا تو اب اس الہامی ترجمے میں اسے غیب دان سے خاص کرنا کیا نبی پر کاہن کا الزام آنا نہیں۔

---

[1] کتاب سموئیل باب ۹ ورسز ۱۱، ۱۲ [2] ایضاً ورسز ۹ [3] رسولوں کے اعمال باب ۲۱ ورسز ۹-۸

غیبی شخصیتوں کا کبھی اِس دُنیا میں اچانک ظہور

ایک اہلحدیث (باصطلاح جدید) کا ایک خط بغرضِ تحقیق موصول ہوا ہم نام ظاہر کیے بغیر اسے ہدیہ قارئین کرتے ہیں ۔

سلام مسنون :

علماء دیوبند کے تاریخی تذکروں میں بعض ایسے واقعات ملتے ہیں جن میں بعض غیبی شخصیتوں کا یہاں اچانک آموجود ہونا بڑی صراحت سے ملتا ہے. رجال غیب کبھی ان صورتوں میں بھی دکھائی دیتے بتائے گئے ہیں جن ان کے جو بعض مرحومین کی صورتیں تھیں ہمارے حلقوں میں علماء دیوبند کو معنبوط اہل توحید سمجھا جاتا ہے لیکن ان کے بعض گزرے واقعات سے ان کا پھر سے اس دنیا میں آنا بھی موہوم ہوتا ہے. میں یہاں صرف دو واقعات لکھے دیتا ہوں ان کی کچھ وضاحت فرمادیں. میری غرض صرف سمجھنا ہے کسی واقعہ پر اعتراض مقصود نہیں ؟

۱۔ مولانا رفیع الدین کے زمانہ اہتمام میں دیوبند میں بعض اختلافی امور میں نزاع ہو گئی یہاں تک کہ مولانا محمود حسن بھی اس میں شریک ہو گئے. ایک دن اچانک بعد نماز فجر مولانا محمد قاسم (جو فوت ہو چکے تھے) وہاں اچانک ظاہر ہوئے اور مولانا رفیع الدین کو کہا مولانا محمود حسن سے کہہ کہ وہ اس جھگڑے میں نہ پڑیں اور پھر آپ غائب ہو گئے ۔ مولانا قاری محمد طیب مہتمم دار العلوم دیوبند نے یہ واقعہ ارواحِ ثلثہ صـ۲۳۲ پر لکھا ہے .

۲۔ مولانا مناظر احسن گیلانی بھی سوانح قاسمی کی پہلی جلد میں ایک ایسا واقعہ مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ایک مناظرہ میں اچانک ظہور کرنے کا اس طرح نقل کرتے ہیں. دیوبندی مناظر نے کیسے ہمت پائی انہی سے سنیئے :

> ابھی گفتگو شروع نہیں ہوئی تھی کہ اچانک اپنے بازو میں مجھے محسوس ہوا کہ ایک شخص جسے میں نہیں پہچانتا تھا وہ بھی آکر بیٹھ گیا اور مجھ سے وہ اچانک نمودار ہونے والی شخصیت کہتی ہے گفتگو شروع کرو اور ہرگز نہ ڈرو. دل میں غیر معمولی قوت اس سے پیدا ہوئی .

پھر کیا ہوا مقابل بریلوی واعظ اس دیوبندی مناظر کے قدموں میں گر پڑے .

سوال یہ ہے کہ جس طرح اکابر علماء دیوبند مولانا محمد قاسم کے اس دنیا میں مثالی ظہور کو بھی ممکن بلکہ واقع سمجھ رہے ہیں. کیا وہ انبیاء کرام کے لیے بھی اس طرح کے مثالی ظہور کے قائل ہیں یا اس

طرح وہ صرف اپنے بزرگوں کے مثالی ظہور کے ہی قائل ہیں۔

پھر یہ بھی واضح کریں کہ کیا مولانا محمد قاسم کا اس طرح پھر سے دنیا میں آنا ان کے اصلی وجود عنصری سے تھا یا وہ کسی مثالی بدن میں ظاہر ہوئے تھے۔

الجواب بعون اللہ الملک الوہاب ومنہ الصدق والصواب۔

علماء دیوبند اس کے قائل ہیں کہ معراج کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انبیاء سابقین سے ملاقات ہوئی۔ وہ دونوں باتوں کو ممکن سمجھتے ہیں کہ :

۱. ان کی ارواح بامر الٰہی خود ان کے اجساد کی صورتوں میں متشکل ہو گئی ہوں اور یہ ان کا ایک مثالی ظہور ہو۔
۲. یا اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے اپنے اصلی اجساد سے حضور اکرمؐ کی تکریم و اقتداء کے لیے آپ کے پاس حاضر ہونے کا موقع دیا ہو۔

حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری صحیح بخاری کے حاشیہ پر لکھتے ہیں :

ثم استشکل رویۃ الانبیاء فی السموات مع ان اجسادھم مستقرہ فی قبورھم واجیب بان ارواحھم تشکلت بصور اجسادھم او احضرت اجسادھم لملاقاتہ صلی اللہ علیہ وسلم ذلک اللیلۃ تشریفاً وتکریما لہ[1]

ترجمہ . پھر آسمانوں میں آپ سے انبیاء کی ملاقات میں یہ اشکال ہے کہ یہ کیسے ہوئی۔ کیونکہ ان کے اجساد کریمہ تو اپنی اپنی قبروں میں قرار پکڑے ہیں (وہی قبریں ان کا مقر ہیں) اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان کی ارواح مبارکہ ان کے اجساد کی صورتوں میں متشکل ہوئے اور وہ اس رات ان ابدان کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لیے بھیجے گئے اور یہ سب آپ کے شرف اور آپ کی تکریم کے لیے ہوا۔

سو واضح ہوا کہ علماء دیوبند پر یہ اعتراض ہرگز صحیح نہیں کہ جس طرح وہ اپنے بعض اساتذہ کرام کا پھر سے ایک بدن مثالی میں ظہور ممکن سمجھتے ہیں وہ حضرات انبیاء کرام کے لیے اس مثالی ظہور کو کفر و شرک قرار دیتے ہیں۔ اس طرح وہ اس بات کو بھی ناممکن نہیں سمجھتے کہ انبیاء کرام امر الٰہی سے کبھی اپنی قبروں سے بھی ایک لمحہ کے لیے کہیں حاضر کر دیئے جائیں اور اس سے ان کا ہر جگہ اور ہر وقت

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صد ۵۴۹

حاضر ہونا ہرگز لازم نہیں آتا۔

ارشدالقادری کی یہ بات کہ علماء دیوبند اس قسم کے واقعات کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش آنا کفر و شرک سمجھتے ہیں درست نہیں ہے۔ افسوس کہ اسے یہ کھلا جھوٹ بولتے ہوئے کوئی علمی حجاب محسوس نہ ہوا۔ وہ لکھتا ہے ا۔

> غیبی علم و ادراک جو جو قوتیں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے مقربین کے حق میں تسلیم کرنا یہ حضرات کفر و شرک سمجھتے ہیں وہی اپنے مولانا کے حق میں کیونکر ایمان اور اسلام بن گئی ہیں۔ [۱]

ہم لعنۃ اللہ علی الکاذبین پڑھ کر اس بحث سے نکلتے ہیں۔ آپ پہلے پڑھ آئے ہیں کہ محدث کبیر حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری لے لیلۃ المعراج میں انبیاء کرام کے عالم برزخ سے یہاں دنیا میں آنے (مسجد اقصیٰ میں آنے) اور پھر پل بھر میں آسمانوں میں پہنچنے اور ان کی ارواح مبارکہ کی مثالی جسموں میں ظاہر ہونے کی بات کس طرح بیان کی ہے۔ اس قسم کے واقعات پر علماء دیوبند کی ہزاروں تحریریں ملتی ہیں۔ سو ارشدالقادری کی اس غلط بیانی سے حقائق کہیں متاثر نہیں ہوتے۔

پھر روح خود کسی مثالی بدن میں متشکل ہو جائے تو یہ کہنا اس طرح ہے جیسے کوئی کہے کہ بھاپ کا وجود پانی سے علیحدہ کوئی جسم نہیں۔ پانی خود ہی بھاپ کی صورت میں متشکل ہے اس کا یہ مطلب کوئی نہ لے گا کہ پانی کسی کے آگ جلانے کے بغیر خود بھاپ کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ خود سے یہاں مراد پانی اور بھاپ کا ایک وجود ہوتا ہے نہ یہ کہ پانی نے خود ہی اپنے آپ کو بھاپ بنا لیا ہے۔ آپ نے مولانا رفیع الدین کے پاس مولانا محمد قاسم کے آنے کا جو واقعہ ارواح ثلثہ سے نقل کیا ہے اگر آپ اس پر مولانا محمد اشرف علی تھانوی رح کا یہ حاشیہ دیکھ لیتے تو آپ کو اس واقعہ میں کوئی استعجاب نہ ہوتا۔

مولانا تھانوی رح اس واقعہ پر لکھتے ہیں ا۔

> یہ واقعہ روح کا تمثل تھا اور اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ جسد مثالی تھا مگر مشابہ جسد عنصری کے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ روح نے خود عناصر میں تصرف کر کے جسد عنصری تیار کر لیا ہو۔ [۲]

---

[۱] زلزلہ صد ۲۳ [۲] صد ۲۴۳

اس سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے گا کہ روح کا اس طرح عناصر میں بدلنا بغیر امر الٰہی ہوا ہوگا روح کا عناصر کی شکل میں آنا اسی طرح ہے جیسے ہم کہیں پانی اب بھاپ کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ یہاں بھی کوئی شخص آگ جلا کر پانی کو بھاپ بنا رہا ہے اور وہاں بھی روح بامر الٰہی عناصر کی صورت میں متشکل ہو رہی ہے۔ حضرت موسیٰ کا عصا اللہ کے حکم سے اژدہا بنا۔ لیکن اس کا وجود عصا کے ماسوا کوئی اور وجود نہ تھا وہی عصا تھا جو اژدہا بن جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے جب آگ کو کہا کہ :-

یا نار کونی بردًا و سلامًا علیٰ ابراھیم۔

اے آگ ٹھنڈی ہو جا۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آگ کو بغیر اپنے تصرف کے فوراً ٹھنڈا ہونے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس میں اسے خدا سے بے تعلق کرنا ہرگز پیش نظر نہیں تھا۔

تعصب کی بھڑکتی آگ میں دیانت چھوڑنے کی شرمناک حرکت

اس واقعہ پر جمشید پور کا ایڈیٹر جام نور لکھتا ہے :-

اس واقعہ کے ساتھ کتنے مشرکانہ عقیدے لپٹے ہوئے ہیں۔ پہلا عقیدہ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کے حق میں علم غیب کا ہے اگر انہیں علم غیب نہیں تھا تو عالم برزخ میں انہیں کیونکر خبر ہو گئی کہ مدرسہ دیوبند میں مدرسین کے درمیان سخت ہنگامہ ہو گیا ہے۔

اور پھر ان کی روح کی قوتِ تصرف کا کیا کہنا کہ تھانوی صاحب کے ارشاد کے مطابق اس جہانِ خاکی میں دوبارہ آنے کے لیے اس نے خود ہی آگ پانی مٹی ہوا کا ایک انسانی جسم تیار کیا ہے۔[1]

کج فہم ایڈیٹر نے مولانا محمد قاسم رح کی طرف علم غیب کی نسبت کرنے میں جو غلطی کی اس کی خود ہی اصلاح کر لی کہ اسے ایک خبر قرار دے دیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو علم غیب کی خبریں بار ہا دی ہیں۔ اختلاف علم غیب میں ہے۔ خبر غیب میں تو کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔

---

[1] زلزلہ ص۱۲۳

دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ روح کا ایک انسانی جسم میں آنا اور بات ہے اور اس کا کسی انسانی جسم کی تخلیق کرنا امر دیگر ہے۔

اللہ کے بندوں کی یہ صفت ہے کہ جہاں تک ہو سکے وہ بات کو اچھے محمل پر لاتے ہیں وہ تعصب کی آگ میں جلتے کفر کی مشین نہیں چلاتے۔ ایسے واقعات کو خدا کے تصرف سے خالی نہیں گردانتے۔ جن کی قسمت میں جنت ہے ان کی نیک صفت یہ ہے۔

وھُدُوا الی الطیب من القول وھُدُوا الی صراط الحمید (پ۱۷ الحج ۲۴)

ترجمہ۔ وہ (دُنیا میں) کلمہ طیب پڑھنے کی ہدایت پا گئے تھے اور انہیں خدائے حمید کے راستہ کی خبر ہو گئی تھی۔

سو ان واقعات میں کوئی واقعہ بھی اسلام کے عقیدۂ توحید سے متصادم نہیں ہاں ناحق کی تہمت کا کوئی علاج نہیں۔ اس قسم کے بعض عجیب واقعات آپ کو اہلحدیث (باصطلاح جدید) لٹریچر میں بھی ملیں گے۔

مولانا عبدالمجید سوہدروی کی کتاب کراماتِ اہلحدیث آپ کی نظروں سے ضرور گزری ہوگی ہم ان اہلحدیث کا ایک واقعہ پیش کیے دیتے ہیں:۔

پنجاب کے مشہور اہلحدیث عالم (باصطلاح جدید) مولانا عبدالقادر قصوری پلیڈر سے کون واقف نہیں۔ ان کے صاحبزادے مولانا محمد علی ایم۔ اے کیمبرج یونیورسٹی (انگلینڈ) کا یہ واقعہ ملاحظہ فرمائیں:۔

جس طرح انگریز حکومت نے اپنی سیاسی مصلحت کے لیے مولانا عبیداللہ سندھی کو ملک بدر کیا تھا اس نے مولانا محمد علی قصوری کو بھی اپنی مصالح کے تحت ہندوستان سے دیس نکالا دے رکھا تھا۔ آپ اپنی جلاوطنی میں زیادہ کابل اور یاغستان میں رہے اور آزادیٔ ہند سے کچھ پہلے آپ کو ہندوستان آنا نصیب ہوا۔ آپ اپنی جلاوطنی کا ایک واقعہ اس طرح لکھتے ہیں۔ جو قاصد انہیں ہندوستان کی انگریزی سیاست کی خبر پہنچاتے تھے ان میں ایک صاحب عبدالقادر نام کا تھا وہ ایک دفعہ ہندوستان سے افغانستان آنے کے لیے دریائے سندھ کو پار کر رہا تھا کہ گورا فوج نے اسے گرفتار کر لیا اور اس کا کوٹ اتار کر اپنے قبضے میں لے لیا۔ اس کوٹ میں بہت سا نقد روپیہ نوٹوں کی صورت میں موجود تھا۔ اور بہت سے اس میں رازدارانہ خطوط بھی تھے۔

مولانا محمد علی قصوری اپنی کتاب "مشاہدات کابل و یاغستان" میں لکھتے ہیں:۔

رمضان کا مہینہ تھا اور عصر کا وقت کہ مجھے اطلاع ملی عبدالقادر گرفتار ہو گیا ہے اور گوروں کی حوالات میں محبوس ہے جس پر چار گوروں کا پہرہ ہے اور دوسری صبح اس کا کورٹ مارشل ہو گا مجھے یہ بھی اطلاع مل گئی کہ اس کا کوٹ جس میں روپے اور نہایت ضروری خطوط تھے گوروں نے اُتروا کر اپنے قبضہ میں کر لیا ہے۔ ظاہر ہے کہ مجھے اس خبر سے شدید صدمہ ہوا۔ کیونکہ میری آنکھوں کے سامنے ایک اور مقدمہ سازش کا نقشہ کھنچنے لگا۔ جس میں ہندوستان کے بڑے بڑے لیڈر گرفتار ہو کر پھانسی کی سزا پا سکتے تھے۔
حدیث شریف میں آیا ہے کہ افطار کے وقت کی دعا مسترد نہیں ہوتی چنانچہ میں نے افطار کے وقت نہایت گڑگڑا کر خدا کے حضور دعا کی کہ عبدالقادر کو نجات دے۔ پھر عشاء کی نماز کے بعد اور نماز تراویح کے بعد نماز تہجد کے

بعد اور پھر صبح کی نماز کے بعد[1] دعا مانگ کر میں وہیں لیٹ گیا اور میری آنکھ لگ گئی. خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ عبدالقادر آ کر میرے پاؤں دبا رہا ہے میں حیران ہوں اس سے پوچھتا ہوں کہ میں عبدالقادر تم کیسے آ گئے اس نے کہا میں تہجد کے وقت حوالات میں تھا کہ اچانک ایک خوش صورت بزرگ تشریف لائے. ان کے چہرے پر تولیہ پڑا ہوا تھا انہوں نے آتے ہی حوالات کا تالا کھولا اور میرا کوٹ مجھے دے کر کہا کہ اس میں تمہارا روپیہ اور کاغذات سبھی موجود ہیں. چاروں بندر انگریز پہرہ دار سو رہے ہیں تم چپکے سے نکل جاؤ اور پیچھے مڑ کر مت دیکھنا. یہاں سے نکال دینا میرا کام تھا اب بھاگ جانا تمہارا کام ہے. چنانچہ میں دریا کے کنارے آیا. کشتی کھڑی تھی اس میں بیٹھ گیا اور پار ہو گیا اور بھاگ کر یہاں آ گیا.

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ بمشکل میرا خواب ختم ہوا تھا کہ مجھے محسوس ہوا کہ کوئی شخص میرے پاؤں دبا رہا ہے. میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو عبدالقادر موجود تھا اور وہی میرے پاؤں دبا رہا تھا میں نے اس سے اپنا خواب بیان کیا تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ بالکل ویسا ہی معاملہ ہوا ہے. میں حوالات میں نماز تہجد کے لیے اٹھا کہ ایک نہایت بزرگ صورت شخص جیل کے دروازے پر آئے. انہوں نے تالا کھولا. میں نے نہیں دیکھا کہ ان کے پاس چابی تھی یا نہیں یا بغیر چابی کے ان کے اشارے تالا کھل گیا. کوٹ ان کے پاس تھا جس میں میرے روپے اور کاغذات بجنسہ موجود تھے. کوٹ مجھے دے کر کہا کہ خدا کا شکر کرو تمہاری مخلصی کا سامان اس نے پیدا کر دیا ہے یہاں سے نکال دینا میرا کام تھا اب بھاگ جانا تمہارا کام ہے. پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا.[2]

---

[1] ان دنوں اہلحدیث بزرگوں کے ہاں بھی یہ چار نمازیں تھیں اور نماز تراویح اور نماز تہجد دو علیحدہ علیحدہ نمازیں تسلیم کی جاتی تھیں. [2] مشاہدات کابل و یاغستان صفحہ ۱۳۲ طبع دوم ۱۹۸۶ء لاہور

اللہ تعالیٰ جو چاہے کرے کوئی چیز اس کی قدرت سے بعید نہیں۔ ہاں جس علت سے اس کی ذات میں تغیر لازم آئے وہ چیز محالات ذاتیہ میں سے ہے اسے کسی درجہ میں ممکن نہیں کہا جا سکتا نہ محالات ذاتیہ ان اللہ علی کل شیء قدیر کے تحت ممکن کہے جا سکتے ہیں۔

یہ جہاں عالم دنیا ہے اگلا جہان عالم برزخ ہے پھر قیامت کے بعد عالم آخرت ہوگا اللہ تعالیٰ جب چاہے عالم برزخ کے کسی مسافر کو سیر کے لیے یا اپنے کسی کام کے لیے اس دنیا میں پھر بھیج دے۔ اس طرح عالم دنیا اور ملاء اعلیٰ کے فاصلے ہیں۔ کیا ملاء اعلیٰ کے رہنے والے مثلاً (فرشتے) اس دنیا میں عام آتے جاتے نہیں۔ عالم برزخ کے رہنے والے (انبیاء کرام) کیا لیلۃ الاسریٰ میں حضورؐ کو مسجد اقصیٰ میں نہ ملے اور حضورؐ کے پیچھے انہوں نے نماز نہ پڑھی؟ لیلۃ الجن میں کیا جنات حضورؐ کی طرف نہ آئے۔ پھر کیا جنات اور فرشتوں میں شکلیں بدلنے کی قوت نہیں ہے۔ سو ایسا رابطہ اللہ کی قدرت اور اس کے فعل سے اگر کبھی عالم ارواح سے ہو تو یہ ہرگز اس کی قدرت سے بعید نہیں ہے۔

قرآن کریم میں علاماتِ منافقین

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد :

ہر محنت جب بہار پر آنے لگتی ہے تو اس کے مخالفین اور حاسدین اس کے خلاف مخفی تحریکوں پر آجاتے ہیں حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر جب آپ کے گرد مخلصین کی ایک جماعت تیار ہوگئی تو آپ کے خلاف جو پہلی تحریک چلی وہ مومنین اور کھلے کافروں کے علاوہ ایک تیسرا گروہ تھا انہیں منافقین کہتے ہیں یہ آخر تک مسلمانوں کے خلاف دبے کارکن رہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جگہ جگہ ان کی نشاندہی کی ہے۔

فرقہ بندی کیا ہے ؟ یہ انہی خفیہ تحریکوں کی رونمائی ہے. منافقین جب کھلے روپ میں سامنے آتے ہیں تو ان کا ایک ایک طبقہ ایک نیا فرقہ بنتا جاتا ہے اور پھر الحاد و زندقہ کھلے طور پر متوازی نظریات ہوکر سامنے آتے ہیں. قرآن کریم میں منافقین کے کئی ایسے حالات بتلائے گئے جن کے مطابق مسلمانوں میں تیسری صدی ہجری کے نصف ثانی پر ایک مستقل فرقہ اٹھا اور چوتھی صدی میں اس کے اصول و فروع بھی باقاعدہ مرتب ہوگئے. یہ لوگ صحابہؓ اور اہلبیت میں اختلاف کے نام سے اُٹھے اور ان کا رُخ زیادہ تر عام صحابہؓ کی بجائے حضرات خلفائے راشدینؓ کی طرف رہا. تاہم یہ حقیقت ہے کہ ان کی یہ سب کارروائی ائمہ اہل بیت (جن کے نام سے انہوں نے اپنا فرقہ ترتیب دیا) کے بعد عمل میں آئی. گیارہویں امام حسن عسکری (۲۶۰ ھ) کے بعد کسی وقت ان چھپے خیالات نے ترتیب پائی اور دیکھتے دیکھتے ایک گروہ اسلام کے نام سے اسلام سے علیحدگی میں ڈھل گیا اب ان آیات کی روشنی کھلے طور پر نظر آنے لگی جو اس فرقہ کے وجود میں آنے سے پہلے قرآن کریم میں نازل ہوچکی تھیں اور ان میں ان نئے نئے نظریات کی خبریں تھیں جن پر تیسری صدی میں یہ لوگ اُٹھے۔

لے درست فرمایا :-

ما انزل اللہ اٰیۃ فی المنافقین الا وھی فیمن ینتحل التشیع [1]

ترجمہ. اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں جو آیتیں اتاریں وہ صفات سب ان لوگوں میں پائی جاتی ہیں جو اپنے علیحدہ گروپ میں ڈھلے ہیں تشیع میں۔

اس علیحدگی پسندی کو عربی میں تشیع کہتے ہیں. شاہراہ سے نکل کر اپنی علیحدہ راہوں میں نکلنے

---

[1] رجال کشی صہ

کو عربی میں تشیع کہا جاتا ہے۔ ہم اس وقت یہاں صرف پچیس آیات لکھتے ہیں جو علیحدہ علیحدہ منافقین کی کچھ صفات ذکر کرتی ہیں لیکن ان کا یکجا مصداق ان دنوں کوئی نہ تھا۔ یہ تیسری صدی کا نصف ثانی ہے جس کے آئینے میں ان کے نقوش ڈھلے ان میں ان منافقین پہ بحث نہیں جن کا نفاق محض عمل کا نفاق رہا۔ ہماری مراد ان آیات میں وہ منافقین ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے سورۃ المنافقین میں منافق کہا ہے اور بتایا ہے کہ وہ اپنے دعوئے اسلام میں جھوٹے ہیں۔ واللہ یشھد ان المنافقین لکاذبون (پ۲۸ المنافقون ۱) اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ اپنے دعوے اسلام میں جھوٹے ہیں اور یہ اندر سے آپ کو اللہ کا رسول ہونا نہیں مان رہے۔

آیئے اب ہم ان علامات کو ذکر کرتے ہیں جو ان کے بارے میں قرآن میں ملتی ہیں:-

اپنے مومن ہونے کا دعویٰ

(۱) ومن النّاس من یقول اٰمنا باللہ وبالیوم الاٰخر وما ھم بمؤمنین۔ (پ۱ البقرہ ۸)

ترجمہ۔ اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور حقیقت میں وہ مومن نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے مومن ہونے کی نفی اس لیے کی کہ وہ اپنے بارے میں مومن ہونے کے مدعی تھے۔ دوسروں کو محض مسلمان کہنا اور اپنے آپ کو مومن سمجھنا اسلام اور ایمان میں یہ پہلی تفریق ہے جس کے وہ مدعی ہوں گے۔

دھوکہ دینا کہ اُوپر سے کچھ اور اندر سے کچھ

(۲) یخٰدعون اللہ والذین اٰمنوا وما یخدعون الاّ انفسھم وما یشعرون۔

ترجمہ۔ وہ اللہ تعالیٰ اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور دراصل وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ نہیں سوچتے۔

اس میں بتایا گیا کہ جن مسلمانوں سے یہ دھوکہ کرتے ہیں وہ مومن ہیں صرف مسلمان نہیں اور یہ بھی خبر دی گئی کہ وہ اپنے دھوکہ میں کبھی کامیاب نہ ہو سکیں گے ہمیشہ اقلیت میں ہی رہیں گے اپنی اس مشق خداع کو انہوں نے آئندہ تقیہ کا نام دیا۔

صحابہؓ کے ایمان سے بیزاری اور اُن پر پہلا تبرا

(۳) واذا قیل لھم اٰمنوا کما اٰمن النّاس قالوا انؤمن کما اٰمن السفھآء (پ البقرہ)

ترجمہ۔ اور جب ان سے کہا جائے ایمان لاؤ جیسا کہ اور لوگ (صحابہؓ) ایمان لائے ہوئے ہیں وہ کہتے ہیں کیا ہم بے وقوفوں کی طرح ایمان لائیں؟

جو لوگ پہلے ایمان لا چکے ان پر استہزا اور ٹھٹھا کی یہ زبان کون استعمال کرتے۔ آج کل یہ لوگ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت معاویہؓ کا جس طرح مذاق اُڑاتے ہیں اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ اپنے آپ کو عقلمند اور دانشور سمجھتے ہیں اور جو اصل میں حاملین اسلام تھے انہیں یہ بیوقوف کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جواباً کہا بے وقوف یہ خود ہیں۔ اس سے پتہ چلا جو کوئی صحابہؓ کو کچھ کہے گا خدا سے ویسا ہی سُنے گا۔ ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہو ویسی سنو

دو رُخی پالیسی اور ایک سوال کے دو دو جواب اور استہزاء

(۴) واذا لقوا الذین اٰمنوا قالوا اٰمنا واذا خلوا الٰی شیاطینھم قالوا انا معکم انما نحن مستھزءون۔ (پ البقرہ)

ترجمہ۔ وہ جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ تنہائی میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم مسلمانوں کے ساتھ تو صرف ٹھٹھا کر رہے ہیں۔

ایمان والوں سے جملہ فعلیہ استعمال کرنا اور اپنے ساتھیوں سے جملہ اسمیہ میں بات کرنا جو استمرار پر دلالت کرتا ہے اور پہلی کہی بات کو تقیہ کی بجائے استہزاء ٹھہرانا بتاتا ہے کہ یہ غلط بیانی کو جائز سمجھتے تھے یہ غلط بیانی تقیہ کی راہ سے ہو یا استہزاء۔ بات ایک ہی ہے۔

خوش اخلاقی سے بات کرنا مگر اپنی بات کو نہ چھوڑنا

(۵) ومن النّاس من یعجبک قولہ فی الحیٰوۃ الدنیا ویشھد اللہ علٰی ما فی قلبہ وھو الد الخصام۔ (پ البقرہ ۲۰۴)

ترجمہ۔ اور ایسے لوگ بھی ہوں گے کہ یہاں ان کی باتیں آپ کو خوش کر دیں اور

وہ گواہ لاتا ہے اللہ کو اپنے دل کی بات پر اور وہ ہے بڑا جھگڑالو۔

یہ ان کی ظاہری خوش اخلاقی اور شستہ بیانی ہے جس سے لوگ متاثر ہو جاتے ہیں مگر یہ کبھی نہ ہونا کہ وہ کسی درجے میں بھی اپنی اختلاف پسندی اور علیحدگی پسندی میں فرق آنے دیں۔ اگر کبھی کہہ بھی دیں کہ ہم صحابہؓ کو بُرا نہیں کہتے تو وہ بھی از راہِ تقیہ ہوگا وہ جب انہیں بُرا کہتے ہیں تو کبھی یہ بھی کہہ جاتے ہیں کہ ہم انہیں صحابی" نہیں مانتے۔ ہمارا ان کو بُرا کہنا صحابی کو برا کہنا نہیں ہے صحابی تو صرف چند تھے۔

صبح و شام اپنے عقیدے بدلنا تاکہ مسلمان بھی کچھ متزلزل ہو سکیں

(۶) امنوا بالذی انزل علی الذین اٰمنوا وجہ النھار واکفروا اٰخرہ لعلھم یرجعون۔ ولا تؤمنوا الا لمن تبع دینکم ۔ (پ۳ آل عمران ۷۲)

ترجمہ۔ مان لو جو کچھ اترا مسلمانوں پر دن چڑھے اور آخر دن اس سے پھر جاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ شاید وہ بھی کچھ پھر جائیں۔

یہ لوگ دین کے تہذیب و متانت اور اخلاص و دیانت سے چلنے کے قائل نہیں۔ یہ چالبازی سے اپنے نظریات پھیلانے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ دین میں چال بازی کو تقیہ بھی کہہ سکتے ہیں اور خداع بھی۔

مسلمانوں کی بجائے تم کافروں سے دوستی بڑھاؤ

(۷) الذین یتخذون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین۔ أیبتغون عندھم العزۃ فان العزۃ للہ جمیعًا۔ (پ۵ النساء ۱۳۹)

ترجمہ۔ جو لوگ کافروں کو اپنے دوست بناتے ہیں مومنوں کو چھوڑ کر۔ کیا وہ ان کے ہاں عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں عزت تو ساری اللہ کے ہاں ہے۔

خلافت بغداد سے کٹ کر علقمی کس طرح تاتاریوں سے ملا۔ سلطنت مغلیہ کے گورنر بنگال سراج الدولہ سے کٹ کر میر جعفر کس طرح انگریزوں سے ملا اور سلطان ٹیپو سے غداری کرتے ہوئے میر صادق نے عزت کن کے ہاں چاہی؟ انگریزوں کے ہاں۔ کیا یہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کے ہاں عزت کی تلاش نہیں ہے۔

جعفر از بنگال و صادق از دکن　　ننگِ ملت ننگِ دیں ننگِ وطن

مسلمانوں کے نظام عبادت میں کھلے دل سے نہ آنا

⑧ واذا قاموا الی الصلوٰة قاموا کسالٰی یراءون النّاس ولا یذکرون الله الا قلیلا مذبذبین بین ذٰلك لا الی هٰؤلآء ولا الی هٰؤلآء۔ (پ النساء ۱۴۲)

ترجمہ۔ اور جب وہ نماز کے لیے آتے ہیں تو بہت ہی سست پیرائے میں لوگوں کے دکھلانے کو اور یاد نہیں کرتے اللہ کو مگر تھوڑا سا۔ لٹکتے ہیں دونوں کے بیچ۔ ان کی طرف نہ ان کی طرف اور جنہیں خدا ہی ”راہ پر نہ آنے دے تو نہ پائے گا ان کے لیے کوئی راہ۔

عبادت ایک ایسی چیز ہے جس میں بندہ براہِ راست اللہ کے حضور پیش ہوتا ہے منافق چونکہ اللہ تعالیٰ پر مسلمانوں کا سا اعتقاد نہیں رکھتا۔ وہ کبھی کھلے دل سے مسلمانوں کی نمازوں میں نہ آئے گا وہ مسلمانوں میں سیاست میں بڑھ چڑھ کر لگے گا لیکن جب یہ لوگ نماز میں آئیں گے تو اس طرح گویا جان جا رہی ہو نہ ذکر میں دلچسپی لیں گے۔ مسلمانوں میں تفریق کی باری آئے تو ان سے زیادہ کوئی بیدار مغز نہ ہو گا۔

مسلمانوں میں جان بچانے کا احساس جگانا تاکہ مسلمان ایک جانباز قوم نہ بن پائیں

⑨ یقولون نخشٰی ان تصیبنا دائرة فعسی الله ان یأتی بالفتح او امر من عنده فیصبحوا علٰی ما اسروا فی انفسهم ندمین۔ (پ المائدہ ۵۲)

ترجمہ۔ کہتے ہیں ہم کو ڈر ہے نہ آجائے ہم پر گردش زمانہ۔ سو قریب ہے کہ اللہ جلد ظاہر فرمائے فتح یا کوئی حکم دے اپنی طرف سے سو یہ ہو جائیں اس بات کے بارے میں جو یہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں پچھتانے والے۔

وہ تمہارے ساتھ تمہاری خرابی کے لیے ہی جمع ہوں گے

(۱۰) لو خرجوا فیکم ما زادوکم الا خبالاً ولا وضعوا خلٰلکم یبغونکم الفتنۃ و فیکم سمّٰعون لھم. (پ التوبہ ۴۷)

ترجمہ۔ اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے بھی تو تمہیں نقصان کے سوا کچھ نہ دیتے اور تم میں روڑے اٹکاتے ہیں تمہارے میں بگاڑ پیدا کرنے کو اور تم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو ان کے لیے جاسوسی کرنے والے ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں میں بھی کچھ ایسے سادہ لوگ بھی ہوں گے جو ان کی باتوں سے متاثر ہوکر خود تمہارے اندر ان کے لیے کام کرتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ ان کے جاسوس تمہارے پاس پہنچے ہوئے ہیں۔

بے محنت مالِ غنیمت اُن کے ہاتھ لگے

(۱۱) لو کان عرضاً قریباً و سفراً قاصداً لا تبعوك ولکن بعدت علیھم الشقّۃ وسیحلفون باللہ لو استطعنا لخرجنا معکم یھلکون انفسھم واللہ یعلم انھم لکٰذبون. (پ التوبہ ۴۲)

ترجمہ۔ اگر مال ہوتا قریب اور سفر ہوتا ہلکا تو یہ لوگ ضرور آپ کے ساتھ ہو لیتے لیکن انہیں مسافت لمبی دکھائی دی اور اب قسمیں کھائیں گے اللہ کی۔ کہ اگر ہم سے یہ ہو سکتا تو ہم تمہارے ساتھ ضرور نکلتے۔ وبال میں ڈالتے اپنی جانوں کو اور اللہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔

یعنی ان کا یہ کہنا کہ ہم ضرور تمہارے ساتھ نکلتے اور اپنی جانیں اس راہ میں دیتے یہ ہرگز وہ دل سے نہیں کہہ رہے ہیں ان کی یہ سب گفتگو اپنے نفاق پر پردہ ڈالنے کے لیے ہے۔

اس میں بتلایا گیا ہے کہ جب کبھی مسلمانوں کے ساتھ بھی لگے ہیں تو محض اپنے مالی فوائد کے لیے۔ اپنی کسی غرض کے بغیر یہ مسلمانوں کا ہرگز کسی مرحلہ پر ساتھ نہ دیں گے۔ کچھ بھی نہ ہو تو اتنی غرض تو ان کی ضرور ہو گی کہ مسلمانوں کی کسی کام میں رخنہ اندازی کردیں تاکہ ان کی گاڑی کسی صحیح سمت پر نہ چل سکے۔

اس میں بتلایا گیا ہے کہ یہ لوگ ہرگز ان لوگوں کے تربیت یافتہ نہ تھے جو مسلمانوں پر خرچ کرنا اپنی بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ اپنا جو مال حضورؐ کے حکم پر لٹایا اس کا شیعہ بھی انکار نہ کر سکے۔ حضرت عمرؓ کی مالی حالت گو حضرت ابوبکرؓ کی سی نہ تھی تاہم ان سا آدھا مال تو وہ بھی مسلمانوں پر خرچ کرنے کے لیے لے آئے تھے۔

مسلمانوں کے کاموں کو اُلٹ پلٹ کرنے کی تمنا

(۱۲) لقد ابتغوا الفتنة من قبل وقلبوا لك الامور حتى جآء الحق وظهر امر الله وهم كارهون۔ (پ۱۰ التوبہ ۴۸)

ترجمہ۔ وہ تلاش کرتے ہیں بگاڑ کی پہلے سے اور اُلٹتے رہے ہیں آپ کے کام اور یہاں تک کہ آپہنچا حق اور ظاہر ہوگیا کام اللہ کا۔

اس وقت مسلمانوں کی صفوں میں یہ تخریب کرنے والا عبداللہ بن ابی تھا۔ جب اس کی تجویزیں ٹوٹتیں تو کہتا ان ہذا امراللہ توجہ۔ حضرت عثمانؓ کے دور میں تخریب کرنے والا عبداللہ بن سبا تھا۔ حضرت علیؓ کے خلاف خارجی عبداللہ بن کوا رہتا۔

سلطنت عباسیہ کو لٹنے والے کون تھے؟ ہلاکو کا ساتھ کنہوں نے دیا؟ سراج الدولہ کی سلطنت کی بساط کس نے الٹی؟ دکن میں اسلامی قوتوں کو اُلٹنے کون نکلا؟ میر صادق۔ سلطنت مغلیہ میں مختلف ریاستوں کے والی نواب پور ہو یا والی بیجاپور انہوں نے کہیں کسی طریقہ سے انگریزوں کا استقبال کیا ان کی اس قلبی خواہش کی قرآن کریم پہلے سے قلبوا لک الامور میں خبر دے چکا تھا۔

جس طرح اس دور کے مسلمان پہلے مسلمانوں کا تسلسل ہیں اس دور کے منافقین بھی ان پہلے منافقوں کا تسلسل ہیں اس دور میں حدیث کے انکار کے لیے کون اٹھا؟ عبداللہ چکڑالوی۔ یہ پہلے تین عبداللہ کا تسلسل تھا۔

اس بات کی فکر کہ مسلمانوں کو ان کی بات کا پتہ نہ چلے

(۱۳) يحذر المنافقون ان تنزل عليهم سورة تنبئهم بما في قلوبهم قل استهزءوا ان الله مخرج ما تحذرون۔ (پ۱۰ التوبہ ۶۴)

ترجمہ۔ منافق ڈرتے ہیں کہ کہیں مسلمانوں پر کوئی سورت ان کے دلوں کے حالات

بتانے والی نہ نازل ہو جائے. آپ کہہ دیں تم ٹھٹھے کرتے رہو اللہ تعالیٰ اس چیز کو
جس کے بارے میں تمہیں ڈر ہے کہ کھل نہ جائے کھول کر رہیں گے.

کتنے روات حدیث تھے جو اہل سنت کی روایات حدیث میں گھس آئے اور انہوں نے اپنے آپ کو چھپانے کی پوری کوشش کی. لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ ان کے معتزلی جہمی رافضی یا خارجی ہونے کا پردہ چاک ہو کر رہا. اب تک یہ کہتے ہیں کہ ہمارے بزرگ نماز میں مخفی ہیں تو کیا یہ دنیا کا سارا دوران کے چھپے رہنے میں ہی پورا نہ ہو جائے گا؟

یہ مخفی تحریکیں ہیں جو تاریخ کے مختلف ادوار میں ہر نظام کی بساطِ الٹتی رہی ہیں. تاریخ میں انہیں فری میسنز بھی کہا گیا ہے. صرف مرزا غلام احمد کو یقین تھا کہ اسے فری میسن نہ کہہ سکیں گے کہیں ایسا تو نہیں کہ مرزا غلام احمد کا خود ان سے رابطہ ہو:-

> ستمبر ۱۹۰۱ء کو مرزا غلام احمد نے کہا کہ مجھے خدا نے کہا ہے کہ فری میسن نہیں کیے جائیں گے کہ اس کو ہلاک کریں. [۱]

منافقین مرد اور عورتیں سب ایک طرح مٹھی بند رکھتے تھے

(۱۴) المنافقون والمنافقات بعضهم من بعض یأمرون بالمنکر وینهون عن المعروف ویقبضون ایدیهم نسوا الله فنسیهم. (پ التوبہ ۶۷)

ترجمہ منافق مرد اور منافق عورتیں سب کی ایک چال ہے یہ سکھاتے ہیں بُری بات اور چھڑاتے ہیں بھلی بات. اپنی مٹھی بند رکھتے ہیں انہوں نے بھلا دیا اللہ کو سو اللہ نے بھلا دیا ان کو.

مٹھی بند کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمانوں پر کچھ خرچ کرنے کے لیے تیار نہ ہوں گے اور لوگ زکوٰۃ دیں گے تو وہ مسلمانوں کے ساتھ اپنی زکوٰۃ بنک میں جمع نہ ہونے دیں گے. مبادا ان کا مال کسی غریب سنی مسلمان کے کام آجائے.

مسلمانوں پر خرچ کرنے والے صحابہؓ پر مطاعن کی تلاش

(۱۵) الذین یلمزون المطوعین من المؤمنین فی الصدقات والذین لا یجدون

---

[۱] تذکرہ صفحہ ۴۲۴

الا جھدھم فیسخرون منھم سخر اللہ منھم ولھم عذابٌ الیم (پ التوبہ ۷۹)
ترجمہ: یہ لوگ طعن کرتے ہیں ان مؤمنین پر جو کھلے دل سے صدقات دیتے ہیں اور ان لوگوں پر بھی جن کے پاس اپنی محنت کے سوا کچھ نہیں یہ ان پر بھی ٹھٹھے کرتے ہیں اللہ ان پر ٹھٹھا کرے اور ان کے لیے عذاب ہے دردناک۔

ان منافقین کے تسلسل میں آنے والے عہد حاضر کے منافقین کو دیکھو کس طرح کوشش کرتے ہیں کہ ان کے زکوٰۃ و صدقات کہیں کسی سنی غریب مسلمان پر نہ خرچ ہو جائیں وہ کس شوخی سے بیان دیتے ہیں کہ ان کی زکوٰۃ بنکوں میں نہ کٹے۔

رونا اُن کے سر ڈال دیا گیا یہ سزا ان کے کیے کی ہوگی

(۱۶) فلیضحکوا قلیلاً ولیبکوا کثیراً ج جزاء بما کانوا یکسبون۔ (پ التوبہ ۸۲)
ترجمہ: سو یہ ہنسیں تھوڑا اور روئیں زیادہ۔ یہ بدلہ ہے اس کا جو وہ خود کرتے آئے ہیں۔

دنیا میں سب لوگ اپنے نقصان کو روتے آئے مگر ماتم سے کبھی کوئی طبقہ پہچانا نہ گیا تھا۔ صرف منافقین ہیں کہ رونا ان کے سر ڈال دیا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں اُتار کر کیا یہ روتے ہوئے حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس نہ آئے تھے۔ خود کردہ جرم پر رونے کو انہوں نے اپنا قومی حق سمجھ رکھا ہے۔

اپنی فریب کاریوں پر پردہ ڈالنے کی عادت اختیار کرنے والے

(۱۷) یعتذرون الیکم اذا رجعتم الیھم ، قل لا تعتذروا لن نؤمن لکم قد نبأنا اللہ من اخبارکم..... سیحلفون باللہ لکم اذا انقلبتم الیھم لتعرضوا عنھم فاعرضوا عنھم انھم رجس وماوٰھم جھنم جزآء بما کانوا یکسبون۔ (پ التوبہ ۹۵)
ترجمہ: بہانے لائیں گے تمہارے پاس جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے آپ انہیں کہیں بہانے نہ بناؤ ہم ہرگز تمہاری باتوں میں نہ آئیں گے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر کی باتوں سے خبر کر دی ہے ... یہ قسمیں کھائیں گے تمہارے

پاس جب تم پھر وگے ان کی طرف تاکہ تم ان سے درگزر کرو۔ تم ان سے درگزر کرو وہ لوگ پلید ہو چکے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے یہ بدلہ ہے انہیں خود ان کے کرتوتوں کا۔

ان کی بنائی عمارت انہیں ہمیشہ شبہے میں رکھے گی

(۱۸) لا یزال بنیانھم الذی بنوا ریبۃ فی قلوبھم الا ان تقطع قلوبھم (پ۱۱ التوبہ ۱۱۰)

ترجمہ۔ جو عمارت انہوں نے اپنے لیے بنا رکھی ہے اس کے بارے میں ان کے دلوں میں ہمیشہ شبہ رہے گا جب تک ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دے انہیں چلتے دلوں کا رُک جانا۔

اس سے پتہ چلا کہ ان کی پہلی بنیاد بھی محض شبہ پر ہے اور یہ مرض ایسا اُن کے دلوں میں پیوست ہو چکا کہ اب مرتے دم تک وہ ان شبہات و وساوس سے نہ نکل سکیں گے۔ صحابہؓ کے خلاف ان کے پاس کل سرمایہ بس شبہات کا ہی ہے۔ تاریخ اسلام کے کھلے کھلے واقعات میں آپ اُن شبہات و وساوس تلاش کرتے ہی پائیں گے اور انہیں کسی جگہ دل کا سکون اور قطعی یقین نصیب نہ ہوگا۔

اللہ اور رسُول کے دیئے وعدوں کو ایک دھوکہ بتلانا

(۱۹) واذ یقول المنافقون والذین فی قلوبھم مرض ما وعدنا اللہ ورسولہ الا غرورا۔ (پ۲۱ الاحزاب ۱۲)

ترجمہ۔ اور جب کہنے لگے منافق لوگ اور جن کے دلوں میں یہ شک کا مرض تھا ہم سے خدا نے اور اس کے رسول نے جو وعدے کیے وہ دھوکہ کے سوا کچھ نہ تھے۔

امتحان کی کٹھن منزل میں ان کے پاس صبر و سکون کا کوئی حصہ نہ تھا۔ بے صبری میں اللہ اور اس کے رسول کے خلاف منہ کھولنا ان کے لیے ناممکن نہ تھا۔ صحابہؓ کے مخالف جتنی سرعت سے کفر کی طرف لوٹتے ہیں ایسا اور قوموں میں بہت کم دیکھا گیا ہے۔

جھوٹی خبریں اُڑا کر مسلمانوں کو بے دل کرنا

(۲۰) لئن لم ينته المنافقون والذين فى قلوبهم مرض والمرجفون فى المدينة لنغرينك بهم. (پ۲۲ الاحزاب ۶۰)

ترجمہ۔ اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے اور وہ لوگ جو مدینہ میں جھوٹی افواہیں پھیلانے والے رہے اپنی ان باتوں سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے پھر یہ آپ کے پاس مدینہ میں نہ رہ سکیں گے مگر چند روز۔

اس سے پتہ چلا کہ یہ منافق اپنے عزائم میں کبھی کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ ہمیشہ اقلیت کی صورت میں رہیں گے اور حرمین پر قبضہ اہلِ حق کا رہے گا۔

حضورؐ کو دیکھنے میں اُن کی نظروں پر موت کے آثار

(۲۱) رایت الذين فى قلوبهم مرض ينظرون اليك نظر المغشى من الموت فاولى لهم۔ (پ۲۶ محمد ۲۰)

ترجمہ۔ آپ دیکھیں گے ان لوگوں کو جن کے دل میں بدنیتی ہے آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہوں گے جیسے کسی پر موت چھا گئی ہو۔ افسوس ان کے حال پر۔

اپنے بارے میں گمان کہ ہم پہچانے نہیں جائیں گے

(۲۲) ام حسب الذين فى قلوبهم مرض ان لن يخرج الله اضغانهم ولو نشاء لاريناكهم فلعرفتهم بسيماهم ولتعرفنهم فى لحن القول۔ (پ۲۶ محمد ۲۹)

ترجمہ۔ کیا گمان کر رکھا ہے ان لوگوں نے جن کے دلوں میں روگ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کا کھوٹ ظاہر نہیں کرے گا ہم چاہیں تو انہیں تجھے آنکھوں سے دکھا دیں۔ آپ ان کو ان کے چہروں سے پہچان لیں گے اور زبان لپیٹ کر بات کرنے سے تو آپ انہیں پہچان لیں گے۔

زبانوں اور دلوں میں کھلا تضاد

(۲۳) یقولون بالسنتھم ما لیس فی قلوبھم۔ (پ۲۶ الفتح ۱۱)

ترجمہ۔ یہ لوگ اپنی زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتی۔
زبان سے کئی دفعہ کہیں گے اور کہتے ہیں گے اور سرکاری میٹنگوں میں بھی کہیں گے کہ ہم صحابہؓ کی
ہرگز کوئی بے ادبی نہیں کرتے اسلام میں ان کا بڑا درجہ ہے اور ان کی بڑی قربانیاں ہیں لیکن ان
کے دلوں میں یہی عقیدہ گھسا رہے گا کہ حضورؐ کی وفات کے بعد سب صحابہؓ سوائے چند کے معاذاللہ
مرتد ہو گئے تھے۔

کلمہ شہادت پڑھ کر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنا

(۲۴) اذا جآءک المنافقون قالوا نشھد انک لرسول اللہ واللہ یعلم انک لرسولہ
واللہ یشھد انھم لکذبون۔ (پ۲۸ المنافقون ۱)

ترجمہ جب آئے آپ کے پاس منافق انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے
رسول ہیں اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی
دیتا ہے کہ یہ منافق (اپنی اس بات میں کہ ہم گواہی دیتے ہیں) جھوٹے ہیں یہ
دل سے گواہی نہیں دے رہے۔

نادار صحابہؓ پر اُن کے ہاتھوں کچھ خرچ نہ ہو پائے

(۲۵) ھم الذین یقولون لا تنفقوا علیٰ من عند رسول اللہ حتیٰ ینفضوا (پ۲۸ المنافقون۷)

ترجمہ۔ یہ وہی لوگ جو کہتے ہیں کہ جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے ہیں
ان پر کچھ خرچ نہ کرو یہاں تک کہ یہ سب اِدھر اُدھر ہو جائیں۔

یعنی ان مسلمانوں کو کہیں خوشحال نہ ہونے دو مجبوراً یہ تلاش روزگار میں اِدھر اُدھر نکل جائیں
گے اور ان کی کہیں یکجا جمعیت نہ ہو سکے گی۔

اب یہ منافقین کھل کر ہی سامنے آ گئے ہیں یہ چھپے نہیں رہے۔ سو اسی پر ہم ان آیات
منافقین کو ختم کرتے ہیں۔

قرآن کریم نے ان منافقوں کی نشاندہی کی جو نزولِ قرآن کے وقت موجود تھے یہ اپنی اپنی جگہ افراد تھے یا ٹولے تھے لیکن انہوں نے مل کر ابھی ایک فرقے کی صورت اختیار نہ کی تھی فرقہ جلدی پہچانا جاتا ہے اور ان لوگوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ پہچانے نہ جائیں. انہوں نے اپنے سے ایک فرقہ نکالنے کی کوشش حضرت عثمان غنیؓ کے آخری دور میں شروع کر دی تھی عبداللہ بن سبا ان کا سرغنہ تھا جسے حضرت علیؓ نے سزائے موت دی تھی. حضورؐ کے دور میں عبداللہ بن ابی اور صحابہؓ کے دور میں عبداللہ بن سبا. دونوں عبداللہ اپنی مثال آپ تھے.

عبداللہ بن سبا کے پیروؤں نے ابتداء میں صرف سیاسی روپ دھارا اور اپنے نظریات کا آغاز بنو امیہ اور بنو ہاشم کے اختلافات سے کیا. تابعین کے دور میں کچھ مذہبی فرقے بھی پیدا ہوئے جیسے معبد جہنی کے پیرو — جہم بن صفوان کے پیرو — عبداللہ بن کرام کے پیرو — خوارج — اور معتزلہ لیکن یہ منافقین ابھی کسی مذہبی شکل میں اپنے عقائد طے نہ کر پائے تھے جب تک ان کے تمام امام ظاہر نہ ہو پائیں فرقہ امامیہ کا آغاز نہیں کیا جا سکتا تھا. محمد بن یعقوب (۳۲۸ھ) پہلے محدث ہیں جنہوں نے انہیں علمی استناد مہیا کیا اور ان کے اصول و فروع مرتب کیے. دوسرے فرقے معتزلہ اور خوارج وغیرہ گمراہ بے شک تھے لیکن ان کی اساس نفاق اور بغض صحابہؓ پر نہ تھی. یہ فرقہ جو ابتدائی صدیوں میں منافقین کے طور پر مانا جاتا ہے اب پوری علیحدگی سے سامنے آچکا تھا اور ان کی عمارت انہی بنیادوں پر اُٹھی جو یہ پچیس آیات فکری اور عملی طور پر مہیا کرتی ہیں. ان پر یہ دس عنوانات کی ہم کچھ اور تفصیل کرتے ہیں.

① عام مسلمانوں میں شامل رہنے کی بجائے اپنے لیے مومن کا عنوان

مجالسِ اتحاد میں یہ اپنی صفائی اس طرح دیں گے کہ ہم صحابہ کرامؓ کو مومن مانتے تھے سب اہل السنۃ والجماعۃ کو بھی ہم مسلمان مانتے ہیں کافر نہیں کہتے. ان کے ہاں مومن مسلمان اور کافر تین درجے ہیں. دنیا کے احکام میں ان تینوں میں مسلمانوں اور کافروں کا فرق رہے گا. مسلمانوں سے نکاح وغیرہ ہو سکتا ہے کافروں سے نہیں، یہاں مومن مسلمانوں کے ساتھ شمار ہوں گے. آخرت میں بھی وہی طبقے رہیں گے مومن اور کافر — جو مسلمان مومن نہیں وہ آخرت میں کافروں کے ساتھ ہی شمار ہوں گے.

منافق مسلمانوں میں شامل رہنے کی بجائے مومن کے عنوان سے اپنا تعارف کراتے تھے

اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا۔ وما ھم بمؤمنین۔ یہ مومن نہیں ہیں — ان کا یہ دعوےٰ محض ظاہر کے طور پر ہے جو ان کے دل چھپائے ہوئے ہیں وہ کہیں اس سے زیادہ ہے۔

اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں احکامِ شریعت کی بنا ظاہر پر ہے اندر کی باتوں پر نہیں۔ دنیا میں جو مسلمان مانا جائے گا اسے مومن بھی مانا جائے گا اور جو مومن مانا جائے وہ مسلمان بھی ہوگا لغوی مباحث میں تو ایمان اور اسلام میں فرق ہے لیکن دینی اصطلاح میں دونوں ایک ہیں قرآن کریم میں ہے:۔

وقال موسیٰ یا قوم ان کنتم آمنتم باللّٰہ فعلیہ توکلوا ان کنتم مسلمین۔ (پ۱۱ یونس ۸۴)

ترجمہ۔ اور موسٰے نے کہا اے قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لاچکے ہو تو اس پر بھروسہ کرو اگر تم مسلمان ہو۔

اخرجنا من کان فیھا من المؤمنین فما وجدنا فیھا غیر بیت من المسلمین۔

یہاں بھی ایمان اور اسلام کو شرعی معنی میں ایک ہی بتلایا گیا ہے۔ (پ۲۷ الذاریات)

جب یہ دونوں لفظ علیحدہ علیحدہ آئیں تو ایک ہی معنی دیں گے۔ ہاں ایک جگہ آئیں تو ان میں لغوی پہلو سے تقابل ہو سکے گا۔

② مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی عادت

یہ بات ان کے ذہن میں ہوتی ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ مومن نہیں ہیں لیکن افسروں کے سامنے اپنے کو وہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ایک کہنے کے لیے کہیں گے کہ ہم ان کو مسلمان سمجھتے ہیں ہم سے لکھوا لو لیکن بھولے سے بھی ان کی زبان سے یہ نکلے گا کہ ہم سب مومن ہیں آخرت میں بھی ہم نجات کے مستحق ہوں گے۔ یہ دو پہلو والی بات مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے ہے۔ جب یہ مذہب مرتب ہوا تو ان کے اس عمل کا نام تقیہ رکھا گیا تھا۔ عام لوگ غلط بیانی کریں تو اسے جھوٹ کہتے ہیں متقین غلط بیانی کریں تو اسے تقیہ کہا جاتا ہے۔

③ صحابہؓ کے ایمان پر ہونے سے کھلا انکار

یہ لوگ عام مسلمانوں کے ساتھ ایک ہونے کے لیے تو تیار ہو جاتے ہیں لیکن صحابہؓ کو معیارِ ایمان

یہ پھر بھی نہیں مانتے۔ جب ان سے کہا جائے کہ تمہارا ایمان صحابہؓ کی طرح کا ہونا چاہیئے تو فوراً ان سے تبرا کریں گے کہ کیا ہم ان بے وقوفوں کی طرح ایمان لائیں؟ اسی عقیدہ سے وہ اکابر صحابہؓ پر اس قسم کی باتیں کہنے سے نہیں رُکتے۔

۴۔ بعض صحابہؓ کے دور تربیت کو اُچھالنا۔

قرآن کریم نے مخالفین صحابہ کے کفر کی بنیاد ان کے بغض صحابہ پر رکھی ہے اور اس میں کوئی صاحبِ علم شک نہیں کر سکتا کہ صحابہ کرامؓ کے خلاف ان سب تحریکات میں بغض صحابہ کی جڑ ایک سی پائی جاتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے :۔

لیغیظ بہم الکفار۔ (پ ۲۶ سورۃ الفتح ۲۹)

امام طحاویؒ نے بھی صحابہ کرامؓ کے بغض کو کفر اور نفاق اور پورے دین سے سرکشی قرار دیا ہے :۔

حبہم دین و ایمان و احسان و بغضہم کفر و نفاق و طغیان۔

ترجمہ: صحابہ کرامؓ کی محبت دین ہے ایمان ہے اور نیکی ہے اور ان سے بغض رکھنا کفر ہے منافقت ہے اور پورے دین سے سرکشی ہے۔

امام طحاوی کا یہ فتویٰ قرآن کریم کی مذکورہ آیت کے بہت قریب ہے اور کسی انصاف پسند عالمِ دین سے متوقع نہیں کہ وہ امام طحاوی کے اس فتویٰ سے اختلاف کر سکے۔

ے ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہو ویسی سنو

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں منافقوں کے اس قول پر ۔ أنومن کما آمن السفہاء یہی کہا ہے۔ الا انہم ھم السفہاء۔ اب جو ان کے ایمان کا انکار کرے اس کے اپنے ایمان کا اقرار کیسے کیا جا سکتا ہے۔ واللہ علیٰ ما نقول شہید۔

صحابہؓ کو جو کہو گے زمین و آسمان کے مالک سے وہی کچھ سنو گے۔ صحابہؓ سے تبرا سب سے پہلے منافقوں سے ہی صادر ہوا اور اب یہ لوگ انہی کی لکیر پیٹ رہے ہیں۔

تقیہ کی اجازت صرف کمزوروں کو ہے اور وہ بھی زندگی بھر کے لیے نہیں

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

حق پر قائم رہنا اور کمزوروں کی سی زندگی سے بچنا ہر مرد مومن کی تمنا ہونی چاہیے کون ہے جو زندگی بھر کمزوروں کی طرح رہنے کو پسند کرے اور اس میں خوش رہے۔ اس طرح کوئی مومن اپنے دین کو قائم نہ رکھ سکے گا۔

اگر انسان کہیں ظالموں میں گھرا ہو تو وہ یہی چاہے گا کہ جب وہ موقع پائے وہاں سے نکلنے کی کوشش کرے۔

سوال یہ ہے کہ کیا اسے وہاں سے نکلنا ضروری ہے یا وہ کمزوروں کی سی زندگی گزارنے پر قناعت کرے اور اپنے عقیدے کی بات کھلے طور پر وہ کسی سے نہ کہہ سکے۔

حضرت علیؓ کو اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی اپنے بعد کے لیے خلافت پر قائم کیا تھا تو بایں صورت کہ دوسرے حضرات نے ان سے خلافت چھین لی اور وہ خود حکمران بن بیٹھے۔ اگر جمہور مسلمانوں کی طاقت اور قوت ان کے ساتھ ہو گئی تھی تو حضرت علیؓ کو وہاں حق بات کہنا اور اس سلسلہ میں کتنی مشکلات کیوں نہ پیش آئیں انہیں برداشت کرنا یہ اچھی زندگی تھی یا وہ تقیہ کر کے ان حکمرانوں کے ماتحت رہنے پر راضی ہو جائیں ان میں سے کون سی زندگی بہتر تسلیم کی جائے۔ اس پر آپ غور فرمائیں۔

اگر آپ وہاں سے نکل آتے اور کسی دور کی جگہ اپنے ضمیر کے مطابق زندگی بسر کرتے۔ نمازیں اپنی ہوتیں اور آپ کھلے بندوں قرآن کو اس کی اصل صورت میں پیش کرتے تو یہ صدق پسندی اور حق گوئی کیا آپ کے لیے زیادت عزت کا سبب نہ ہوتی؟ اس سلسلہ میں قرآن کریم کی تعلیم کیا ہے؟

الجواب :

قرآن کریم پ۵ سورۃ النساء آیت ۹۷ ملاحظہ فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے بارے

میں جو کفر و نفاق کے ماحول میں زندگی بسر کرنے پر راضی ہو جائیں اور وہاں سے کسی آزاد علاقے کی طرف ہجرت نہ کریں مرتے وقت ان کا کیا حال ہوتا ہے۔ فرشتوں کا ان سے سوال اور ان کا اپنی کمزوری کو بیان کرنا اور پھر ان کا جہنم میں داخل کیا جانا قرآن کریم میں اس طرح ملتا ہے:۔

ان الذین توفاھم الملٰئکة ظالمی انفسھم قالوا فیما کنتم ، قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا ألم تکن ارض الله واسعة فتھاجروا فیھا فاولٰئك مأواھم جھنم وساءت مصیرا ، الا المستضعفین من الرجال والنسآء والولدان لا یستطیعون حیلة ولا یھتدون سبیلا.

(پ النساء ۹۷)

ترجمہ۔ وہ لوگ کہ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے اس حالت میں کہ وہ برا کر رہے ہیں اپنے ساتھ۔ کہتے ہیں ان سے فرشتے تم کس حال میں رہے وہ کہتے ہیں ہم بے بس تھے اس ملک میں (ہماری بات کچھ نہ چلتی تھی) کہتے ہیں (ان سے فرشتے) کیا اللہ کی زمین کھلی نہ تھی کہ تم وطن چھوڑ کر وہاں چلے جاتے۔ سو ایسوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے پہنچنے کی۔ مگر وہ لوگ جو مردوں عورتوں اور بچوں میں واقعی بے بس ہوں کہ نہیں کر سکتے کوئی تدبیر اور نہ لے سکتے ہیں کہیں کا راستہ۔ سو ایسے لوگوں کو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے۔

حضرت شیخ الہند رح کے یہ الفاظ آب زر سے لکھنے کے لائق ہیں:۔

مسلمان جس ملک میں کھلا نہ رہ سکے وہاں سے ہجرت فرض ہے اور سوائے ان لوگوں کے جو معذور ہیں اور بے بس ہوں اور کسی کو وہاں پڑے رہنے کی اجازت نہیں۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ سوائے کمزوروں کے اور کسی کو یہ بے کسوں کی زندگی اختیار کر لے کی اجازت نہیں. تقیہ کی اجازت صرف کمزوروں کے لیے ہے۔

مشہور اثنا عشری مفسر ملا محسن فیض کاشانی لکھتے ہیں:۔

اقول وفی الآیة دلالة علیٰ وجوب الھجرة من موضع لا یتمکن الرجل

فیہ اقامۃ دینہ.[1]

ترجمہ. اس آیت میں اس جگہ سے جہاں آدمی اپنے دین کو قائم نہ رکھ سکے ہجرت کے واجب ہونے کا بیان ہے.

رہا یہ سوال کہ اگر حضرات خلفائے ثلثہ حق پر نہ تھے تو حضرت علیؓ ان کے ساتھ کیوں رہے ان کے پیچھے نمازیں کیوں پڑھتے رہے. وہاں سے ہجرت کیوں نہ کی؟ کیا اللہ کی زمین ان کے لیے وسیع نہ تھی؟

تو اس کا آسان جواب یہ ہے کہ حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافت برحق تھی. ورنہ آپ (حضرت علیؓ) ضرور مدینہ سے ہجرت کر جاتے اور جس طرح حضرت امام حسینؓ نے آخری باتوں میں ایک بات یہ کہی تھی کہ مجھے کسی دور کی سرحد پر جانے کا موقع دے دو. آپ (حضرت علی) بھی کسی دور کی جگہ ہجرت کر جاتے اور اس آیت کی روشنی میں آپ کا مدینہ منورہ میں رہنا کسی پہلو سے قابل اعتراض نہ رہتا.

ایک سوال

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ فتح مکہ کے بعد اب وہاں سے ہجرت نہ ہو سکے گی. لاھجرۃ بعد الفتح تو آپ کس طرح وہاں سے ہجرت کر سکتے تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بات مکہ سے ہجرت کی نہیں ہو رہی اور حدیث لاھجرۃ بعد الفتح کا منشا بھی مطلق ہجرت کا انکار نہیں. بلکہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ مکہ و مدینہ پر اب اسلام کا جھنڈا ہمیشہ کے لیے لہرا یا گیا ہے. اب کبھی وہاں پر کفر کا قبضہ نہ ہو گا. نہ وہاں سے کبھی کسی کو ہجرت کی ضرورت پڑے گی. جب مکہ دارالاسلام ٹھہرا تو اب وہاں سے ہجرت کیوں ہو.

الٰہی خبروں کے حاملین تقیہ نہیں کرتے

اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو اپنا پیغام دیتے ہیں کہ وہ اسے لوگوں تک پہنچائیں وہ کبھی تقیہ نہیں کرتے. الٰہی رسالتوں کے حاملین اگر تقیہ میں رہیں تو آخر حق ظاہر کیسے ہو گا.

قرآن کریم میں ہے،

---

[1] تفسیر الصافی جلد ۱ صہ ۳۸۷

الذین یبلغون رسالات اللہ ویخشونہ ولا یخشون احدًا الا اللہ وکفیٰ باللہ حسیباً۔ (پ۲۲ الاحزاب ۳۹)

ترجمہ۔ جو لوگ پہنچاتے ہیں اللہ کا پیغام اور وہ ڈرتے ہیں صرف اس سے اور نہیں ڈرتے اس کے سوا کسی اور سے۔ اور بس ہے اللہ ان کو کفایت کرنے والا۔

تقیہ کی اساس ڈر ہے جس کی وجہ سے کوئی غلط بیانی کرتا ہے انبیاء علیہم السلام کسی سے ڈرتے نہیں اور بس ہے اللہ (انہیں) کفایت کرنے والا۔

حضرت شیخ الاسلام رح لکھتے ہیں:۔

انبیاء و رسل کو اللہ کے پیغامات پہنچانے میں اس کے سوا کبھی کسی کا ڈر نہیں ہوا۔[1]

مشہور اثنا عشری مفسر علامہ طبرسی لکھتا ہے:۔

فی ھذا دلالۃ علی ان الانبیاء لا یجوز علیھم التقیۃ۔[2]

ترجمہ۔ اس آیت میں اس پر دلالت ہے کہ انبیاء علیہم کے لیے تقیہ جائز نہیں ہے۔ انبیاء کرام کے غلط بیان کرنے سے مقصد بعثت رسل فوت ہوتا ہے۔

یہی علامہ طبرسی لکھتا ہے:۔

ان الانبیاء لا یجوز علیھم الکذب وان لم یقصدوا بہ غروراً ولا ضرراً کما لا یجوز علیھم التعمیۃ فی الاخبار ولا التقیۃ لان ذلک یؤدی الی التشکیک۔[3]

ترجمہ۔ انبیاء کرام کے لیے دھوکا دینے کے لیے یا کسی کو ضرر پہنچانے کے لیے جھوٹ بولنا جائز نہیں جیسا کہ ان پر کسی بات کا چھپانا جائز نہیں اور تقیہ بھی ان کے لیے جائز نہیں کیونکہ ان کی ہر بات میں شک راہ پالیتا ہے۔

ائمہ اپنے مقام میں انبیاء کے قریب ہیں یا عوام کے

ائمہ کرام (خاص طور پر شیعوں کے اعتقاد کے مطابق) عوام کی نسبت انبیاء کے زیادہ قریب ہیں۔ ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:۔

---

[1] فوائد القرآن ص۵۴۲ [2] تفسیر مجمع البیان جلد ص [3] ایضاً

حق ایں ست کہ در کمالات و شرائط و صفات فرقے میان پیغمبر و امام نیست۔[1]

ترجمہ: حق بات یہ ہے کہ کیا کمالات اور کیا شرائط اور کیا صفات پیغمبر اور امام میں ان امور میں کوئی فرق نہیں ہے۔

سو تقیہ کے باب میں ائمہ کرام انبیاء کرام کے منہج پر حق گو ہوں گے۔ جس طرح پیغمبروں کے لیے تقیہ روا نہیں ائمہ کرام بھی تقیہ نہیں کر سکتے۔ تقیہ صرف کمزوروں کے لیے ہے۔ اہل ہمت کے لیے نہیں۔ خصوصاً حضرت علی رض جیسے شیر خدا کی طرف تقیہ کی نسبت کرنا مومن اور شریف شخص کو زیبا نہیں دیتا۔

احکام کی تقسیم دو راہوں میں

شریعت کے احکام دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جن کی صرف اجازت ہو اور دوسرے وہ جن کا کرنا مضبوط ارادے والوں کا ہی نصیب ہوتا ہے۔ پہلے درجہ کے عمل کو رخصت کہتے ہیں اور دوسرے درجہ کے عمل کو عزیمت۔ وقتی طور پر خلافِ واقعہ بات کہہ کر اپنے آپ کو بچا لینا یہ رخصت ہے اور حق پر ڈٹے رہنا اور ہر طرح کی تکلیف برداشت کرنا یہ عزیمت ہے۔ قرآن کریم میں ہے:۔

ان تصبروا و تتقوا فان ذلک من عزم الامور۔ (پ۴ آل عمران ۱۸۶)

ترجمہ۔ اگر تم ان تکلیفات پر ڈٹے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

لفظ عزیمت یہیں سے ماخوذ ہے۔

سو جہاں بھی خلافِ حق بات کہہ کر جان بچانے کی بات ہوگی وہ صرف رخصت کے درجہ میں ہو سکتی ہے۔ اگر ہر جگہ انسان تقیہ کر کے جان بچا لیا کرے تو شریعت کا حکم صبر بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ قرآن پاک میں بار بار صبر کی تعلیم دی گئی ہے یہ آخر کس لیے ہے؟ یہ اس لیے کہ کوئی شخص مستضعفین کی زندگی اپنانے کو کبھی زندگی نہ سمجھے۔

اہل السنۃ والجماعۃ حضرت علی المرتضیٰ رض کو اہل عزیمت میں سے سمجھتے ہیں لیکن روافض آپ کو اس درجہ کے اہل رخصت میں رکھتے ہیں جو اپنے دورِ خلافت میں بھی

---

[1] حیات القلوب جلد ۳ صـ۳ طبع تہران

پہلے خلفاء کرام کی کسی بات کو غلط نہ کہہ سکتے تھے اور آپ معاذ اللہ تقیہ کر کے کہتے تھے۔

وقد مضت اصول نحن فروعها فما بقاء فرع بعد ذهاب اصله [1]

ترجمہ: جو اصول کے درجے کے تھے وہ پہلے ہو چکے ہم تو بس ان کی شاخیں ہیں۔ جب جڑیں چلی جائیں تو ٹہنیاں کہاں تک رہ سکتی ہیں۔

سو اس میں کوئی شک نہیں کہ تقیہ کی اجازت صرف کمزوروں کو ہے اور وہ بھی زندگی بھر کے لیے نہیں۔ وہ اس موقع کی تلاش میں رہیں کہ کب وہ اس حالت سے نکل سکتے ہیں۔ حالات بدلنے میں ان کی بقدر ہمت کوشش ضرور ہونی چاہیئے۔

---

[1] نہج البلاغۃ جلد ۲ ص ۳۸

ایامِ محرّم میں سُنّیوں کے شہادتِ حُسینؓ کے جلسے

بعض شہروں میں سنیوں کے بھی محرم کے جلوس نکلتے ہیں. لکھنو اور ملتان میں بھی ایسے جلوس نکلتے رہے. پھر سنیوں کے ہاں بھی ان دنوں شہادتِ حسین پر جلسے ہوتے رہتے ہیں اور اخباروں میں بھی ان وقائع کربلا کا عام ذکر ہوتا ہے. حضرت حسینؓ کی عظیم قربانی کی یاد منانا کیسا ہے ؟

نیکوں کی نیکی کا تذکرہ کہیں بھی کسی وقت کیا جا سکتا ہے اس کے لیے شریعت میں کسی ماہ اور وقت کی قید نہیں. سوال یہ ہے کہ کسی مستحب یا مباح کام کو اپنی طرف سے تخصیص دینا مثلاً یہ کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی روح کو ثواب پہنچانے کے لیے چاند کی گیارہویں تاریخ کا تعین گو اپنی ذات میں بدعت نہ تھا مگر اپنی موجودہ ہیئت اور رعایت میں بے شک بدعت ہو کر رہ گیا ہے. یہ التزام اپنی بات کو کیا شریعت بنانا نہیں ہے ؟

سوال یہ ہے کہ کیا سنی حضرات بھی ایام محرم میں حضرت حسینؓ کی یاد میں جلسے نہیں کرتے. یہ فی الجملہ ایک نیک کام کے لیے وقت کی ایک تخصیص ہے اس کا نتیجہ یہ رہا کہ بعض جگہ سنی لوگ بھی محرم میں تعزیہ کے جلوس نکالنے لگے اور اس کے لائسنس بھی لیتے رہے ؟

الجواب - الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

ایسے جلسے اور جلوس ایک وقتی مصلحت کے تحت ہوں اور ساتھ یہ اعلان بھی برابر کیا جاتا ہو کہ یہ شریعت کے اعمال نہیں ہیں ان کی ان دنوں سے کوئی تخصیص نہیں ہے. صیانۃ المسلمین کے لیے اسے وقتی طور پر اختیار کیا گیا ہے تو اسے اس نظریہ ضرورت کے تحت عمل میں لایا جا سکتا ہے. بشرطیکہ جب حالات میں متقابل سمت سے مظنہ اضلال نہ رہے تو اسے یکسر چھوڑ دیا جائے.

لکھنو ایک وقت میں شیعہ عزاداری کا ایک مرکز تھا. محرم میں ان کے بڑے بڑے اجتماع ہوتے اور بہت سے دین سے ناواقف سُنی بھی محض محبت حسین میں وہاں جا بیٹھتے. اس صورتِ حال پر یہ شیعہ تبصرہ ملاحظہ ہو. مدرسۃ الواعظین کے ہفت روزہ الواعظ میں ہے:-

یہی وہ ادارہ ہے جو سنیوں کی تعداد میں کمی اور شیعوں کی تعداد میں برابر اضافہ کر رہا ہے. [1]

---

[1] الواعظ لکھنو یکم جون ۱۹۳۹ء

امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی ؒ اپنے دور میں فقہ کے بھی امام تھے علمی حلقوں میں ان کا پہلا تعارف علم الفقہ کی چھ جلدوں سے ہوا آپ لکھنؤ رہتے تھے اور آپ اس صورتحال کے عینی گواہ ہیں۔ اس فقیہ النفس عالم دین کی رائے ملاحظہ ہو :-

> بات صرف اتنی ہے کہ سنیوں کو بہکانے اور صحابہ کرامؓ سے بدظن کرنے کے لیے جلوس کی شکل میں (شیعہ مذہب کی) تبلیغ کی جاتی ہے اس لیے اس کا ازالہ بھی کماحقہ جلوس ہی کی شکل میں ہو سکتا ہے۔ جلوس کی شکل میں جتنی تبلیغ ہوتی ہے وعظ کی محفلوں اور رسالوں سے اس کی عشر عشیر بھی نہیں ہو سکتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ (مدح صحابہ کے) جلوس کی مزاحمت ہو رہی ہے اس لیے اس پر (ہماری طرف سے) اصرار کیا جا رہا ہے اور جب تک یہ مزاحمت دفع نہ ہو انشاء اللہ تعالیٰ یہ اصرار (کہ مدح صحابہ کا جلوس نکلے) قائم رہے گا۔ تیسری بات سب سے بڑی یہ ہے کہ مدح صحابہ کے جلوس نے لکھنؤ اور اس کے قرب و جوار میں سنیوں سے تعزیہ داری ترک کرا دی ہے لکھنؤ میں سنیوں کے گیارہ سو کے قریب تعزیے نکلتے تھے جن میں کچھ تو مواعظ سے بند ہوئے اور اب سنیوں کے صرف گیارہ یا بارہ تعزیے شیعوں کی زر پاشی کی وجہ سے باقی رہ گئے ہیں۔[1]

یہ ایک وقتی مصلحت ہے عوام اسے شریعت نہ سمجھیں۔ اس کے لیے امام اہل سنت نے اعلان کیا :-

اس حقیر نے بار بار اعلان کیا ہے کہ اگر جلوس مدح صحابہ سے پابندیاں ہٹ جائیں تو ہم جلوس کے باقی رکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔[2]

شیعہ لوگوں نے جب دیکھا کہ تحریک مدح صحابہ کی بدولت سنیوں کے جلوس تعزیہ داری ختم ہوتے جا رہے ہیں تو انہوں علماء دیوبند کے وہابی ہونے کا اعلان کرادیا۔ ہفت روزہ الواعظ لکھنؤ نے لکھا :-

> اسی وقت وہابی مسلک کا طبقہ پوری طرح اس کوشش میں منہمک ہے کہ کسی نہ کسی ترکیب و تدبیر سے عزاداری کو نقصان پہنچے ۔۔۔ اسی خیال کے پیش نظر مدح صحابہ

---

[1] ماہنامہ الداعی لکھنؤ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۱ھ [2] ایضاً

کی تحریک بروئے کار لائی گئی ہے۔[1]

اہلسنت کو وہابی کہنے کی تحریک شیعوں نے صرف اس لیے شروع کی کہ جس طرح بھی ہو سکے لکھنو کے سنی تعزیے باقی رکھے جائیں اس لیے کہ اس کے بغیر سنیوں کو کمزور کرنے کی ان کے ہاں اور کوئی راہ نہ بنتی تھی۔ اب پاکستان میں بھی آپ کو کئی لوگ یہ کہتے ملیں گے کہ شیعہ سنی اختلافات محض فروعی ہیں شیعہ سنی بھائی بھائی ہیں یہ صرف وہابی ہیں جو شیعوں کے جلوس عزا کی مخالفت کرتے ہیں معلوم نہیں یہ لوگ کہاں سے آگئے ہیں۔ کوئی لاکھ کہے یہ وہابی نہیں ہیں اہلسنت ہیں وہ اپنی رٹ برابر لگاتے رہیں گے تو شیعوں کے یہ چھپے رستم جب گیارہویں کی بڑی محفل کرتے ہیں تو اس میں گیارہ منٹ تک یہ ترانہ پڑھا جاتا ہے۔

شیعہ سنی بھائی بھائی   تیسری قوم کہاں سے آئی

لکھنؤ میں شیعہ علماء تو تقیہ کی چادر تانے شیعہ سنی بھائی بھائی کہتے رہے لیکن شیعہ منکرین جو دوسرے مسلمانوں سے بالکل علیحدہ رہے ہیں اپنا تحفظ ضروری سمجھتے تھے انہوں نے برملا کہا کہ ہمارے اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان اختلافات فروعی نہیں ہیں اصولی ہیں اور ظاہر ہے کہ اصولوں پر کبھی کوئی قوم سودا نہیں کرتی۔ ان کے ممتاز قانون دان السید وزیر حسین سابق چیف جج چیف کورٹ اودھ نے ۵ فروری ۱۹۴۱ء کو گنگا پرشاد میموریل ہال لکھنؤ میں ایک تقریر میں کہا:۔

> اگر ہندوستان کے شیعوں کو ایک الگ نیشن (ایک الگ قوم) نہ کہا جائے تو کم از کم وہ ایک مستقل اور علیحدہ فرقہ ضرور ہیں جس کے امتیازی خصوصیات اسے دوسرے مسلمانوں سے بالکل علیحدہ کرتے ہیں.... توحید الوہیت، کلام مجید، رسالت، خلافت، نماز، روزہ، عقد اور تدفین غرض تمام بنیادی اور فروعی امور کی تعبیر میں زبردست اختلاف ہے جو ایک دوسرے کو بالکل علیحدہ کر دیتا ہے .... ہماری تاریخ جدا ہے ہماری روایات جدا ہیں کیا آپ انکار کریں گے کہ ہمارے قانونی مسائل جن کے مرکز پر ہماری زندگی دور کرتی ہے علیحدہ نہیں ہیں؟ (استفہام انکاری) ہمارے قانون عقد قانون طلاق اور قانون وراثت کو دیکھئے سب علیحدہ ہیں لہذا ہمارے اور ان کے درمیان اتحاد کس بنیاد پر ہو سکتا ہے۔[2]

---

[1] الواعظ ۸ جون ۱۹۳۹ء [2] اخبار سرفراز لکھنؤ ۹ فروری ۱۹۴۱ء

برصغیر پاک و ہند میں کسی معتمد شیعہ عالم نے اس بیان کی تردید نہ کی یہاں تک کہ پاکستان میں اس کی وضاحت میں شہر شہر اور قریہ قریہ ان علیہم کے قدم ہو چکے ہوں اور نہ کوئی شیعہ ادارہ جرأت سے سید وزیر حسین کے مذکورہ بالا بیان کو غلط نہیں کہہ سکا۔

تاہم یہ ضرور ہے کہ اگر کہیں لکھنؤ میں ہندوؤں اور شیعوں میں کوئی تصادم ہوا تو علماء دیوبند نے ہندوؤں کے خلاف شیعوں سے اپنے قومی اشتراک کو قائم رکھا۔ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی ؒ نے بھی ایک موقع پر یہی رائے دی تھی کہ ہندو شیعوں کی مخالفت اس لیے نہیں کر رہے کہ ان کے عزاداری کے یہ جلوس بدعت ہیں وہ انہیں مسلمانوں کی ایک رسم سمجھ کر اس پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ سو اس مقدمے میں مسلمانوں کو ہندوؤں کا ساتھ نہ دینا چاہیئے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم شیعوں کے ان عزاداری کے جلوسوں کو جائز سمجھتے ہیں۔ تاہم ان جلوسوں کے غلط اثرات کو روکنے کے لیے اگر محرم میں ہی متبادل جلسے کریں تو یہ تدبیر ان جلسوں جلوسوں کے اثرات کو روکنے کے لیے ایک وقتی تدبیر ہو گی۔ کسی مستحب یا مباح کام کے لیے اپنی طرف سے کوئی تخصیص نہ ہو گی۔ یہ صرف ایک وقتی مصلحت ہو سکتی ہے بذاتِ خود کوئی نیکی نہیں۔ شریعت نے جس کام کو کسی وقت سے خاص نہیں کیا ہم اعتقاداً اسے یہ تخصیص دیں تو اس کے بدعت ہونے میں کوئی شک نہیں رہتا۔ جس طرح دین میں کوئی نیا عمل پیدا کرنا جائز نہیں بدعت ہے اسی طرح کسی پہلے جائز عمل کو اپنے درجے سے اٹھانا یا مطلق میں کسی خاص وقت کی ہیئت لانا یہ بھی دین میں ایک نئی چیز پیدا کرنا ہے۔ اعاذنا اللہ منہا۔

مصلحت کے تقاضے

مصلحت کے تقاضے محض وقتی ہوتے ہیں اور شریعت کے احکام ہمیشہ کے لیے۔ غیر مسلم معاشرے میں کئی مذاہب کے پیرو اپنے بڑوں کا تعارف عام جلوسوں سے کراتے ہیں عیسائی ملکوں میں کرسمس کے دنوں میں حضرت عیسیٰ بن مریم کے نام کی کئی تقریبات ہوتی ہیں اور ان لوگوں نے حضور پیغمبر اسلام کا نام تک نہیں سنا ہوتا اب اگر ان ملکوں کے آباد مسلمان بھی اس طرح اپنے پیغمبر کا تعارف کرائیں تو یہ ایک وقتی تدبیر کہلائے گی۔ اس سے حضور کے نام سے سالانہ جلوس نکالنے کا جواز کشید نہ کیا جا سکے گا لیکن ایک وقتی مصلحت سے کسی وقت ایک مقابلے کی تدبیر اختیار کرنا بدعت نہیں بنتا۔ بدعت یہ ہے کہ کرنے والا اسے صرف ایک تقاضا یا مصلحت وقت نہیں ایک کارِ ثواب سمجھے اور اسے دین کا ایک مسئلہ قرار دے۔ اہل بدعت اور اہل سنت کے کئی مشترکہ امور میں حدِ فاصل یہی ہے۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ
آخر دم تک شاہ ولی اللہؒ کی عقیدت میں

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

مولانا عبیداللہ سندھیؒ (ھ) معروف علماء دیوبند میں سے ہیں۔ آپ اپنے دورِ جلاوطنی میں افغانستان اور ترکی میں بھی رہے۔ وہاں بھی آپ نے اپنے اساتذہ دیوبند کی برتری اور ان سے وابستگی کی ہی اشاعت کی۔ پھر آپ جب حجاز میں رہے تو وہاں بھی آپ کی کوشش یہی رہی کہ علمائے حجاز کو حنفیت کے بارے میں راہِ اعتدال پر لایا جائے۔ آپ کے عقیدہ میں آپ کو وہاں یہ راہِ اعتدال حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے میسر آئی۔ اپنے پورے دورِ جلاوطنی میں آپ کی عقیدت علماء دیوبند سے، محدثین دہلی سے اور فقہ حنفی سے سرِ مو بھی کمزور نہ ہوئی آپ کی ایک اپنی تحریر ملاحظہ فرمائیں :

> ہمارے اساتذہ علماء دیوبند شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ ہم نے ان کا طریق نہایت تحقیق سے حاصل کیا ہم افغانستان اور ترکی میں رہے۔ فقہائے حنفیہ میں اپنے مشاہیر سے بہتر عالم کہیں نظر نہ آئے۔ اس کے بعد ہم حجاز میں رہے جہاں حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی موجود ہیں اور حنابلہ کی حکومت ہے وہاں حنفیہ کو اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھا جاتا مگر ہم نے جب اپنا تعارف شاہ ولی اللہ کے طریقے پر کرایا تو علماء حرمین کو ہمارے مسلک سے کوئی خصومت نہ رہی [1]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ اپنے مختلف ادوار میں اپنے دیوبند کے مسلک سے سرِ مو نہ ہٹے تھے اور حضرت شاہ ولی اللہ سے ان کی عقیدت آخر عمر تک رہی جس کو ساتھ لے کر آپ اپنے دور میں ایک اسلامی انقلاب برپا کرنا چاہتے تھے۔ اس صورت حال میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ حضرت شاہ ولی اللہ کی اس آخری

---

[1] الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر صد ۳۲۸

وصیت سے بے خبر رہے ہوں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

درحدیث شریف آمدہ است من ادرک منکم عیسیٰ بن مریم فلیقرأہ منی السلام این فقیر آرزوئے تمام دارد اگر ایام حضرت روح اللہ را دریابد اول کسیکہ تبلیغ سلام کند من باشم[1]

ترجمہ۔ حدیث میں آیا ہے حضورؐ نے فرمایا تم میں سے جو عیسیٰ بن مریم کا وہ دور پائے تو وہ آپ کو میری طرف سے سلام کہے۔ اس فقیر (ولی اللہ) کی آرزو ہے کہ اگر وہ حضرت روح اللہ کے اس دور کو پائے تو پہلا میں ہوں گا جو انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچائے گا۔

اگر مولانا عبید اللہ سندھی اس عقیدہ میں اپنے اسلاف کے خلاف بھی گئے ہوتے تو آپ کا ان سے یہ اختلاف سرعام شہرت پاتا ہم اس کے برعکس دیکھتے ہیں کہ آپ آخر تک حضرت شاہ ولی اللہؒ کے طریق پر اپنی تحقیق مکمل سمجھتے رہے۔ اور اسی کا ہر نئے ماحول میں چرچا کرتے رہے۔ جب اکیس سالہ جلاوطنی ختم ہوئی تو پھر سیدھے دیوبند پہنچے آپ آتے ہی حضرت شاہ ولی اللہ سے پھر اپنی اسی عقیدت کا اظہار کیا ہے جسے آپ دیوبند سے لے کر نکلے تھے۔ آپ کی اس آمد پر اکابر علماء دیوبند جامع مسجد دیوبند میں جمع تھے کہ آپ نے پھر انہیں حجۃ اللہ البالغہ پڑھنے کی تلقین فرمائی اور اپنے سامنے انہیں حجۃ اللہ البالغہ پڑھنے کا کہا۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب عبارت پڑھتے تھے اور مولانا عبید اللہ اس کے مطالب پر کلام فرماتے۔ آپ کے ہاں عبید اللہ اور حجۃ اللہ ایک ہی ورق کے دو صفحات تھے۔ اب ایسے شخص کے بارے میں یہ بتلانا کہ وہ اتنے اہم اور معروف مسئلے میں شاہ ولی اللہ سے یا علماء دیوبند سے کٹ گئے تھے کسی صاحب انصاف کو زیب نہیں دیتا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے الخیر الکثیر میں حضرت عیسیٰ بن مریم کے قرب قیامت میں آنے اور دجال سے معرکہ آراء ہونے کا ایک عجیب نقشہ کھینچا ہے۔ آپ کے ایسے ممتاز معتقد اس میں کیسے آپ سے جدا ہو سکتے تھے۔

---

[1] الوصیت صفحہ ۱۲ ملحق درا واخر عقد الجید مترجم

قرآن خوانی کا ایصالِ ثواب

سوال: کیا مرحومین کو قرآن پڑھ کر ثواب پہنچایا جا سکتا ہے ؟ اہلحدیث (باصطلاح جدید) کہتے ہیں عباداتِ مالیہ کا ثواب تو فوت شدگان کو بھیجا جا سکتا ہے لیکن اعمالِ بدنیہ کے ثواب بھیجنے میں اختلاف ہے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں حافظ ابن تیمیہؒ کا فتوے کیا ہے ؟ جس شخص نے اپنے بیٹے کو حافظ بنایا اسے صرف حافظ بنانے کا ہی ثواب ملے گا یا اسے اس کے قرآن پڑھنے پر بھی ثواب ملے گا سُنا ہے نیک اولاد کے تمام اعمال کا ثواب والدین کو ملتا ہے کیا یہ درست ہے۔ جو شخص حج بدل کر رہا ہے اور اس دوران وہ قرآن کریم بھی بہت پڑھ رہا ہے تو اس کے اس قرآن پڑھنے کا ثواب بھی اس شخص کو ملے گا یا نہیں جو اسے حج بدل کرا رہا ہے ؟ سائل

الجواب : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ائمہ اربعہ میں امام اعظم اور امام احمد دونوں اس بات کے قائل ہیں کہ اعمالِ بدنیہ کا ثواب بھی مرحومین کو پہنچتا ہے۔ عباداتِ مالیہ کی قید کہیں شریعت میں موجود نہیں اور اپنی طرف سے مطلق کو مقید کرنا جائز نہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں :۔

واما القرأة والصدقة وغيرها من اعمال البر فلا نزاع بين علماء السنة والجماعة فى وصول ثواب العبادات المالية كالصدقة والعتق كما يصل اليه ايضًا الدعاء والاستغفار والصلوٰة عليه صلوٰة الجنازة والدعاء عند قبره .... وتنازعوا فى وصول الاعمال البدنية كالصوم والقرأة والصواب ان الجميع يصل اليه۔[1]

ترجمہ۔ قرآن پڑھنے اور صدقہ دینے اور ان کے علاوہ دوسرے نیکی کے کاموں کا ثواب مرحومین کو ثواب پہنچتا ہے اور علماء اہل سنت میں اس میں کوئی نزاع نہیں کہ عباداتِ مالیہ جیسے صدقات اور غلام آزاد کرنا جس طرح دعا اور دعائے مغفرت برحق ہے۔ نماز جنازہ پڑھنا اور قبر کے پاس دعا کرنا۔ اور اعمال بدنیہ کا ثواب پہنچنے میں اختلاف ہے جیسے روزوں اور قرآن خوانی کا ثواب۔ اور صحیح یہ ہے کہ تمام نیک اعمال وہ مالی ہوں یا بدنی ان کا ثواب مرحومین کو پہنچتا ہے۔

---

[1] فتاوے ابن تیمیہ جلد ۲۴ صفحہ ۳۶۶

اس کے بعد حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں :-

وهذا مذهب احمد وابي حنيفة وطائفة من اصحاب مالك والشافعي[1]

ترجمہ. اور یہی مذہب امام احمد، امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے کچھ اصحاب کا اور امام شافعی کا ہے۔

امارات عربیہ کے جانے پہچانے فاضل شیخ ابن حجر قطری لکھتے ہیں :-

امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) اور علماء کی ایک جماعت کا جو یہ مذہب ہے کہ قرآن خوانی کا ثواب مُردوں کو پہنچتا ہے وہ مذہب اس شرط کے ساتھ ہے کہ قرآن خوانی معاوضہ اور اُجرت دے کر نہ کرائی جائے۔[2]

سوال ۲:- مولانا محمد اسمٰعیل دہلوی (۱۲۴۶ھ) اور مولانا محمد اسحٰق دہلوی (۱۲۶۲ھ) کیا ایک سے عقائد رکھتے تھے یا حضرت شاہ محمد اسحٰق کا مسلک مولانا اسمٰعیل سے کچھ مختلف تھا ــ بعض لوگ شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کو اچھا سمجھتے ہیں لیکن مولانا اسمٰعیل شہید کے بارے میں کچھ بدگمانی رکھتے ہیں اس کی کچھ تفصیل فرمائیں. حکیم محمود احمد صاحب کی کتاب شاہ محمد اسحٰق سے کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے؟

جواب :- اہل بدعت کے دوسرے امام مولوی عبدالسمیع رامپوری ہوئے ہیں. انہوں نے پہلی کتاب انوار ساطعہ (۱۳۰۳ھ) میں لکھی. مولانا احمد رضا خان مولانا عبدالسمیع کو اپنا بڑا بھائی کہتے ہیں. ان مولوی عبدالسمیع صاحب نے انوار ساطعہ میں حضرت شاہ محمد اسحٰق کی کتاب مائۃ مسائل کے سوال ۳۲ سے یہ عبارت نقل کی ہے :-

امریکہ منقول نباشد از آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین غیر مشروع است..... الی ان قال قرأۃ الکافرون الی الآخر مع الجمع مکروھۃ لانھا بدعۃ لم ینقل ذلک من الصحابۃ والتابعین.

اس پر مولوی عبدالسمیع لکھتے ہیں :-

یہ تقریر ایک نمبر زیادہ چڑھی ہوئی ہے مولوی اسمٰعیل سے بھی ــ کیونکہ ان کی تقریر سے تو تبع تابعین بھی معتبر تھے اور اس تقریر سے تبع تابعین بالکل

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۲۴ صفحہ ۳۶۶ [2] تحذیر المسلمین عن الابتداع والبدع فی الدین صفحہ ۸۸،۸۹ مترجم

ندارد ہوئے۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ اہل بدعت کے ہاں یہ تمام محدثین دہلی ایک ہی مسلک کے تھے اور الزامات میں وہ انہیں ایک دوسرے سے بڑھا چڑھا کر بیان کرتے تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب شاہ محمد اسحٰق رح کی وفات کو ابھی نصف صدی بھی نہ ہوئی تھی۔ اس پندرہویں صدی کے بعض لوگوں کا شاہ اسماعیل رح سے اختلاف کرنا اور شاہ محمد اسحٰق کو اپنا ہم خیال بتلانا ایک بہت بعد کی سوچ ہے اور یہ صحیح نہیں۔

یہی مولوی عبدالسمیع ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :۔

> مولوی اسحٰق صاحب کے خلیفہ شاگرد رشید نواب قطب الدین صاحب نے مشکوٰۃ کے ترجمہ میں اس حدیث کے یہ معنی لکھے ہیں ۔۔۔۔ یہ دونوں عالم اس فرقہ کے (علماء دیوبند) کے نزدیک کمال مستند ہیں۔[2]

اس میں صداقت ہے کہ علماء دیوبند حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی کو اسی طرح اپنے بزرگوں میں سمجھتے ہیں جس طرح وہ شاہ اسماعیل شہید کو اپنے بزرگوں میں سمجھتے ہیں۔

مولانا حکیم محمود احمد برکاتی خیرآبادی سلسلہ کے ہیں یہ ان کی کاوش رہی کہ حضرت شاہ محمد اسحٰق کو وہ حضرت شاہ اسماعیل شہید سے کچھ مختلف رکھیں۔ ہو سکتا ہے کہ بریلوی لوگ شاہ محمد اسحٰق کی شان میں کوئی غیر ذمہ دارانہ بات نہ کریں تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خود مولانا محمود احمد کے ہاں بھی حضرت شاہ اسماعیل شہید کی پوری زندگی صلحاء و اخیار کی سی تھی وہ انہیں شہید مانتے ہیں جب کہ مولانا احمد رضا خاں انہیں ہمیشہ قتیل لکھتے رہے۔

جناب حکیم محمود احمد برکاتی لکھتے ہیں :۔

> شاہ محمد اسماعیل جید عالم تھے ان کے ذہن میں حدت تھی۔ حافظہ قوی تھا علوم مستحضر تھے دماغ نکتہ رس تھا بلند کردار اور متقی تھے اور ان کی پوری زندگی اخیار و صلحا کی سی تھی۔ اپنی جان تو انہوں نے اس شان سے جان آفرین کے سپرد کی اور اس ذوق و شوق سے لیلائے شہادت کو لبیک کہا کہ ہر مومن کے دل سے آواز آتی ہے یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے۔[3]

---

[1] انوار ساطعہ ص۳۵ مع براہین قاطعہ [2] ایضاً ص۱۷۱ [3] حیات شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی ص۴۸

سوال حجۃ اللہ البالغہ سے پتہ چلتا ہے کہ تقلید شخصی چوتھی صدی تک وجود میں نہ آئی تھی۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۲۲۵ھ) تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں :۔

ان اهل السنة والجماعة قد افترق بعد القرون الثلثة او الاربعة على اربعة مذاهب ۔

سو جو چیز قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر میں نہ پائی جائے اس میں کیا خیر ہو سکتی ہے۔ قرون ثلثہ کی شرح جو بھی ہو سائل اس کے بارے میں کسی تشویش میں نہیں ہے۔ اس سے تین زمانے ہی مراد ہیں اور یہ حق ہے کہ پہلا زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا تھا؟

الجواب اگر کسی چیز کا وجود شرعی ان قرون ثلثہ میں پایا گیا اور وجود خارجی بہت بعد میں ظہور میں آیا تو اس سے وہ چیز بدعت نہ ٹھہرے گی وہ قرون ثلثہ میں بطور دلیل موجود پائی گئی ہے۔

تقلید کا وجود شرعی قرآن کریم میں موجود ہے :۔

۱۔ فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون ۔

۲۔ واتبع سبيل من اناب الي ۔

۳۔ اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم ۔

۴۔ اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولي الامر منكم ۔

۵۔ ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى ونصله جهنم ۔

رہی تقلید شخصی تو صحابہ ایک مسئلے میں کسی ایک کو کافی سمجھنے میں کوئی باک نہ سمجھتے تھے کوئی نہ کہتا کہ ایک دو اور سے پوچھ لیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے ایک مسئلہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی سے پوچھا اور پھر برملا کہا :۔

لا اسئل عن هذا احدا بعدك ابدا میں اس بارے میں آپ کے بعد کسی سے نہ پوچھوں گا۔[۱]

اور ایک دفعہ فرمایا کہ جب تم میں عبداللہ بن مسعودؓ جیسا بڑا عالم موجود ہے تو مجھ سے کوئی مسئلہ نہ پوچھو :۔

لا تسئلوني مادام هذا الحبر فيكم جب تک یہ بڑا عالم تم میں موجود ہے مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔[۲]

اس سے پتہ چلا کہ صحابہؓ سب مسائل میں کسی ایک عالم کی طرف رجوع کرنے کو ہرگز ناجائز نہ سمجھتے تھے نہ کسی کے دل میں خطرہ گزرتا کہ کہیں یہ شرک فی الرسالۃ نہ ہو۔ کسی چیز کا شرعی وجود کتاب و سنت سے

---

[۱] مؤطا امام مالک ص۱۸ [۲] صحیح بخاری جلد ۲ ص۹۹۷

قائم ہو جاتا ہے گو اس کا مصداق مدتوں بعد ظاہر ہو۔ ائمہ اربعہ کی تقلید جس طرح چوتھی صدی میں چلی یہ اس کا وجود خارجی تھا لیکن اس کا شرعی وجود کتاب و سنت میں پہلے سے قائم چلا آتا ہے۔

سوال ۱۔ خیر القرون میں خیر کس درجے کا تھا؟ جو فقہاء خیر القرون کے بعد ہوئے اور وہ مندرجہ ذیل حدیث کی رو سے خیر پائے ہوئے تھے ان کا خیر کس درجے میں ہوگا۔ حضرت معاویہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من یرد اللّٰہ بہ خیرًا یفقھہ فی الدین۔

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ جس بندے میں خیر چاہتے ہیں اسے دین میں فقہ حاصل کرنے والا بنا دیتے ہیں۔

پھر حضورؐ نے خیر کے آخر دور میں ہونے کی بھی خبر دی ہے۔ آنحضرتؐ سے پوچھا گیا:۔

یارسول اللّٰہ احد خیر منا اسلمنا وجاھدنا معک

ترجمہ۔ حضورؐ کیا کوئی ہم سے بھی زیادہ خیر پر ہوگا ہم آپ کے سامنے اسلام لائے اور آپ کے ساتھ ہو کر جہاد کیا۔

آپ نے فرمایا:۔

نعم قوم یکونون من بعدکم یومنون بی ولم یرونی۔

ترجمہ۔ ہاں وہ لوگ تمہارے بعد زیادہ خیر پر ہوں گے انہوں نے مجھے دیکھا بھی نہ ہوگا مگر وہ مجھ پر ایمان لے آئے۔ سائل

الجواب ۔ حدیث خیر القرون میں تین زمانوں کو خیر بتلایا۔ پہلا زمانہ خیر میں اول درجے میں رہا دوسرا اس کے بعد رہا اور تیسرا اس کے بھی بعد دور خیر ٹھہرا۔ سو یہ خیر جو زمانے پر محیط رہی فضیلت کلی کے طور پر پائی گئی اور بعد کے ادوار میں جو بڑے بڑے فقہا ہوئے بے شک وہ منبع خیر تھے لیکن ان کا خیر فضیلت جزئیہ کے درجہ میں ہے سو ان کے زمانوں میں جو نئی بات دیکھی گئی اگر وہ ان کے اجتہاد اور استخراج کے ذریعے سامنے آئی وہ بے شک قابل قبول ٹھہرے گی مگر اس پورے زمانے کو زمانہ خیر نہ کہا جائے گا۔ ان زمانوں میں بھی اگر کوئی نئی چیز سامنے آئی اور وہ کسی فقہ کا استنباط نہ تھا تو اسے وہ درجہ ہرگز حاصل نہ ہوگا جو ان اعمال کو ہوگا جو خیر القرون کے تین زمانوں میں سے کسی ایک میں پائے گئے خیر القرون کے خیر کو اس قدر وسیع کرنا درست نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی اپنی اتباع کا حکم دیا تو لفظ سنت سے اپنی پیروی ان پر لازم ٹھہرائی۔ کسی روایت سے پتہ نہیں چلتا کہ آپ نے کبھی انہیں کہا ہو کہ میری حدیث پر عمل کرنا۔ جب بھی آپ نے حکم دیا اپنی سنت پر چلنے کا حکم دیا:۔

من تمسک بسنتی عند فساد امتی فله اجر مأة شهید. ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله و سنة رسوله. علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین من رغب عن سنتی فلیس منی [1]

حدیث کبھی ضعیف بھی ہوتی ہے سنت ضعیف نہیں ہوتی۔ حدیث میں کبھی یہ احتمال بھی ہوتا ہے کہ کہنے والا غلط تو نہیں کہہ رہا۔ پھر یہ بات جانتے ہوئے کہ شریعت بالتدریج مکمل ہوئی ہے۔ پہلے کئی امور ایسے بھی تھے جو بعد میں ترک کر دیئے گئے۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شریعت میں حدیث حجت ملزمہ ٹھہرائی جائے۔ قرآن کریم کے بعد علمی ماخذ سنت ہے۔ بدعت کے مقابلے میں لفظ سنت ہی رائج ملتا ہے نہ کہ حدیث۔

اسی وجہ سے پہلے دور میں جب اہل بدعت معتزلہ و جہمیہ مرجئہ و کرامیہ اور روافض و خوارج میں پھیلے تو ان کے بالمقابل اہل حق اہل سنت کے نام سے پہچانے گئے۔ امام مسلمؒ امام ابن سیرینؒ سے نقل کرتے ہیں:۔ [2]

فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالکم فیوخذ حدیث اهل السنة۔

اہل حدیث (باصطلاح جدید) اور اہل سنت میں آج بھی یہی فرق ہے کہ اہل حدیث حدیث کو گو وہ کسی پہلے دور کی ہی کیوں نہ ہو اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں اور اہل سنت ذخیرہ حدیث سے سنت کی تلاش کرتے ہیں اور پہلے دور کی جو بات پچھلے دور میں چھوڑ دی گئی اس پر عمل نہیں کرتے۔ دین میں جو چیز سند ہے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل ہے۔

اہل حدیث (باصطلاح جدید) کے شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحب دہلوی لکھتے ہیں:۔

اگر کوئی شخص اہل علم حسب وسعت اپنی ایک حدیث کو تحقیق کر کے اس پر عمل کرے تو نہایت ہی ہوگا کہ وہ حدیث منسوخ ہوگی۔ تو ہم کہتے ہیں کہ وہ اس حدیث پر عمل کرنے میں گنہگار نہ ہوگا اور وہ عمل اس کا باطل اور قابل اعادہ کے نہ ہوگا۔ [2]

---

[1] صحیح مسلم جلد ا صـ [2] معیار الحق ص۴۱

اس طرح دورِ آخر کے خیر کو بھی فضیلت جزئی کے طور پر قبول کیا جائے گا. ان لوگوں کا ایمان جنہوں نے حضورؐ کو نہیں دیکھا مگر وہ آپ پر ایمان لائے واقعی ان لوگوں سے اعجب ہے جنہوں نے حضورؐ کو قریب سے دیکھا مگر فضیلت کلی پھر بھی صحابہ کرام کی ہی رہی. گو ایک پہلو سے یہ پچھلے دور کے لوگ خیر میں بڑھ گئے. حضرت ابراہیم علیہ السلام کا درجہ حضرت اسمٰعیل سے یقیناً بڑھ کر تھا لیکن اچھے باپ کی جو فضیلت حضرت اسمٰعیل کو ملی وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حاصل نہ تھی تاہم اس کا نام فضیلت جزئی ہوگا۔ فضیلت کلی حضرت ابراہیم کو حاصل تھی.

پھر پہلے ان تین زمانوں میں بھی جو درجہ پہلے زمانے کو حاصل تھا (حضورؐ اور صحابہؓ کے زمانے کو) وہ دوسرے اور تیسرے دور کو حاصل نہ تھا. ان ادوار میں ثم کا لفظ اس پر شہادت دے رہا ہے کہ ان کا درجہ بعد کا ہے اور تبع تابعین کا ان کے بھی بعد کا.

ان تینوں زمانوں کے بعد جھوٹ پھیلنے کی خبر دی گئی ہے اس سے مراد بھی جھوٹ کا عمومی پھیلنا ہے یہ نہیں کہ سچ کہیں نہ پایا جائے گا. سچ کے چراغ بھی اپنی اپنی جگہ روشن ہوتے رہیں گے. حضورؐ نے فرمایا :-

لا تزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق لا یضرهم من خالفهم.

ترجمہ. میری امت کا ایک طبقہ ہمیشہ حق پر رہے گا جو ان کی مخالفت کریں گے وہ ان پر غالب نہ آسکیں گے انہیں ضرر نہ دے سکیں گے.

اس زمانہ میں بھی دیکھ کس طرح بدعت کے اندھیروں نے اسے گھیر رکھا ہے مگر کیا علماء دیوبند ان بدعات پر برابر نکیر نہیں کر رہے. سنت کے چراغ ہمیشہ روشن رہیں گے. روشنی اور اندھیرے کا جب بھی آمنا سامنا ہوتا ہے اندھیرے کو ہی جانا پڑتا ہے نہ کہ روشنی کو.. بریلویوں کے امتیازی مسائل قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر میں وجود شرعی کے ساتھ کہیں نہیں ملتے اور جہاں بھی یہ اندھیرے ملتے ہیں وہاں ان پر نکیر بھی برابر ہوتی رہتی ہے.

دین کی سمجھ پیدا ہونے سے خیر کا دروازہ کس طرح کھلتا ہے

اللہ تعالیٰ جس میں دین کی سمجھ پیدا کر دیتے ہیں اس کی عقل روشن فرما دیتے ہیں. اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حدیث سے کٹ گیا. بہترین عمل یہی فقہ ہے کہ عقل روشن ہو کردار میں پرہیزگاری ہو اور نیکی کے کاموں میں وہ آگے آگے ہو پیچھے رہنے والا نہ رہے. اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں احسن عملا کو اس طرح

بیان کیا ہے :۔

انا جعلنا ما علی الارض زینۃ لھا لنبلوھم ایھم احسن عملا۔
(پ ۱۶ الکہف ۷)

ترجمہ: ہم نے زمین پر جو کچھ بنایا یہ اس کی رونق ہے تاہم جانچیں لوگوں کو ان میں کون اچھا عمل کرتا ہے

اس پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضورؐ سے اس کی تفسیر پوچھی تو آپ نے فرمایا :۔

احسنکم عقلاً داو رعکم قلبا۔

سو یہ کہنا کہ اسلام عقل و دانش اور فقہ اور سمجھ کو فضیلت شمار نہیں کرتا غلط ہے۔ آنحضرت نے دین کی اسی سمجھ کو ایک دوسری روایت میں فقہ فرمایا ہے۔ حدیث کی سمجھ کے لیے فقہ کی ضرورت ہے۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

سوال۔ ہمارے ہاں کئی مدارس اور مساجد صحابہؓ اور دیگر کئی بزرگوں کے نام سے موسوم کی گئی ہیں مثلاً مصر کی جامع عمرو بن العاص۔ بیت المقدس کی مسجد عمر۔ لاہور میں اہل سنت کی مسجد علی حیدرآباد (ہند) کی جامع عثمانیہ۔ انڈونیشیا کی جامع ابن خلدون۔ اس دور میں بعض مساجد مسجد معاویہ کے نام سے بھی بن رہی ہیں۔ اسلام آباد میں ابھی حال میں ایک مسجد اس نام سے بنی ہے کیا پہلے ادوار میں بھی کوئی مسجد اس نام سے پہچانی گئی۔ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ اس قسم کے اختلافی ناموں سے مساجد کو موسوم نہ کیا جائے؟ سائل

الجواب۔ ہاں پہلے دور میں بھی اس قسم کی مساجد کہیں کہیں پائی گئی ہیں :۔

اخبرنا عامر بن سعد عن ابیہ انہ کان مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فمر بمسجد بنی معاویۃ فدخل فرکع رکعتین۔[1]

ترجمہ۔ عامر بن سعد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ حضورؐ کے ساتھ تھے کہ آپ مسجد بنی معاویہ کے پاس سے گزرے۔ وہاں آپ نے دو رکعت نماز ادا کی۔

اور کاتب وحی حضرت سیدنا معاویہؓ تو کوئی اختلافی شخصیت نہ تھے اور ان کا جو اختلاف حضرت علیؓ سے ہوا وہ کتنا ہی سنگین کیوں نہ ہو وہ ۴۰ھ کے عام الہدنہ (صلح کا سال) میں مٹ گیا

---

[1] مسند ابی یعلی مسند حضرت سعد بن ابی وقاص جلد ۱ صفحہ ۳۴۶

تھا اور پھر حضرت حسنؓ نے ان سے خلافت پر بھی صلح کر لی تھی۔ کیا اب بھی وہ کوئی اختلافی شخصیت رہے؟
حضورؐ کے زمانہ میں کسی مسجد کا مسجد بنی معاویہ کے نام سے موسوم ہونا بتلاتا ہے کہ حضرت معاویہؓ اس دور ہی میں ایک امتیازی حیثیت سے معروف تھے۔

سوال شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ اپنے دور خلافت میں مجبور محض تھے کوئی ایسا کام نہ کر سکتے تھے جو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے فیصلوں کے خلاف ہو۔ اگر وہ ایک با اختیار خلیفہ ہوتے تو باغ فدک جو ان کی حدود سلطنت میں تھا حضرت فاطمہؓ کے ورثا کو ضرور دے دیتے اور جمعہ کی پہلی اذان جو حضورؐ کے زمانہ میں نہ ہوتی تھی اسے ضرور بند کرا دیتے اس کے لیے وہ اپنے عالم قاضی نوراللہ شوستری کا یہ حوالہ پیش کرتے ہیں۔

قدرت بر آں نداشت کہ کارے کند کہ دلالت بر فساد خلافت ایشاں باشد۔[1]

ترجمہ۔ (حضرت علیؓ اپنے دور خلافت میں) اس پر قدرت نہ رکھتے تھے کہ کوئی ایسا کام کریں جس سے حضرت ابوبکر و عمر کی خلافت کا فاسد ہونا معلوم ہو۔

سو آپ نے ان کے غلط فیصلوں کو کہ باغ فدک کو بدستور بیت المال میں رکھا نماز تراویح کو قائم رکھا اور جمعہ کی پہلی اذان کا اضافہ قائم رکھا۔ سو یہ کیا صحیح فیصلے تھے۔

الجواب : یہ بات صحیح نہیں۔ یہ اثنا عشری عقیدے کی بات ہے۔ اہل سنت کے ہاں حضرت علیؓ حق گو یک رو اور ایک بہادر شخصیت تھے۔ وہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں بھی (جب کہ اقتدار ان کے پاس نہ تھا) حضرت عمرؓ کے کسی فیصلے کے خلاف اٹھنے کی جرأت اور ہمت رکھتے تھے اور ایسا کئی دفعہ عمل میں بھی آیا۔ ان کا مسلم معاشرے میں یہ مقام تھا کہ حضرت عمرؓ انہیں دبا کر رکھنے کا سوچ ہی نہ سکتے تھے۔

آپ حضرت عمرؓ کے دور میں ایک جگہ سے گزرے جہاں ایک عورت پر زنا کی حد جاری ہونے والی تھی۔ آپ نے اسے روکا اور حد جاری نہ ہونے دی۔ حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی۔ اور آپ نے حضرت علیؓ سے اس پر کچھ بھی ناراضگی کا اظہار نہ فرمایا۔ بلکہ ان کی بات کو حق تسلیم فرمایا۔ ابوظبیان کہتے ہیں :-

اتی عمر بامرأۃ قد فجرت فامر بھا ان ترجم فمر بھا علی فعرفھا

---

[1] مجالس المومنین ص۲۷ طبع طہران ۱۲۹۹ھ

فخلّٰی سبیلہا فاتی عمر فقیل لہ ان علیًا اخذھا من ایدینا فارسلہا فقال ادعوہ لی فاتاہ فقال لم ارسلتہا قال واللہ لقد علمت یا امیر المؤمنین ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال قد رفع القلم عن ثلثۃ. ۱. عن النائم حتی یستیقظ و ۲. عن الصبی حتی یبلغ و ۳. عن المجنون حتی یبرأ. وان ھذہ مجنونۃ بنی فلان ولعل فجربہا اتاھا وھی فی بلائہا. [1]

ترجمہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک عورت لائی گئی جس نے زنا کیا تھا. آپ نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا. حضرت علیؓ وہاں سے گزرے. آپ نے اس عورت کو پہچان لیا. اور اسے چھوڑ دیا. وہ شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور آپ کو بتایا گیا کہ حضرت علیؓ نے اس عورت کو ہم سے لے لیا اور اسے چھوڑ دیا ہے. آپ نے فرمایا حضرت علیؓ کو بلاؤ آپ آئے اور کہا حضور اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ تین قسم کے لوگوں سے قلم اٹھ چکا ہے ۱. جو سویا ہوا ہو. ۲. بچے سے اور ۳. دیوانے سے اور یہ عورت دیوانی ہے ہو سکتا ہے کہ اس کی حالت جنون میں کوئی شخص اس سے غلط کاری کر گیا ہے.

اس سے پتہ چلا کہ قاضی نور اللہ شوستری (۱۰۱۹ ھ) کی یہ بات کہ حضرت علیؓ اپنے دورِ خلافت میں مجبور محض تھے ہرگز درست نہیں. حضرت علیؓ تو حضرت عمرؓ کی زندگی میں بھی غلط بات کو غلط کہنے کی کھلی ہمت رکھتے تھے اہلسنت کا یہی عقیدہ ہے. صرف شیعہ انہیں اپنے دور میں بے بس اور مجبور محض مانتے ہیں اور اس میں وہ حضرت علیؓ کو اپنے مقام سے گراتے ہیں.

سوال عراق میں حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو دینی رہنما بنا کر بھیجا تھا آپ کوفہ کی مسند علمی کے پہلے سربراہ تھے آپ کی وفات ۳۲ ھ میں ہوئی. تین سال بعد حضرت علیؓ یہاں تشریف لائے اور انہوں نے مدینہ منورہ کی بجائے کوفہ کو اپنا دار الخلافہ بنایا. آپ یہاں آکر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علمی وقار کے برابر معترف رہے اور ان کی علمی تائید بھی کرتے رہے کیا انہوں نے ان پر کبھی جرح بھی کی؟

الجواب: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ ھ) حضرت علیؓ کے ہاں اسی درجے کے جلیل القدر عالم تھے جس درجے میں وہ حضرت عمرؓ کے ہاں عظیم علمی عبقریت رکھتے تھے. حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

---

[1] مسند ابی یعلیٰ جلد ۱ صفحہ ۲۹۳

اور حضرت علیؓ دونوں رکوع میں جاتے رفع یدین نہ کرتے تھے اور دونوں نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے تھے۔ حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں فرماتے ہیں اگر انہیں کوہ احد کے برابر وزن کیا جائے تو یہ (علم اور وقار میں) کوہ احد سے زیادہ وزنی ہوں گے۔

کوفہ کے ان بزرگوں میں ہم آہنگی

حافظ طبرانی معجم کبیر میں حضرت ابو وائل سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔

کان علی و عبد اللہ لا یجھران بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ولا بالتعوذ ولا بامین [1]

ترجمہ۔ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نہ نماز میں اونچی آواز سے بسم اللہ پڑھتے نہ اعوذ باللہ اور نہ نماز میں اونچی آواز سے آمین کہتے تھے۔

کوفہ کے اجلہ تابعین علامہ شعبی (۱۰۳ ھ) امام ابراہیم نخعی (۹۵ ھ) اور ابو اسحٰق (ھ) میں کوئی رکوع کے وقت رفع یدین نہ کرتا تھا۔ محدث عبدالرزاق لکھتے ہیں:۔

رأیت الشعبی و ابراھیم و ابا اسحٰق لا یرفعون ایدیھم الاحین یفتتحون الصلوٰۃ۔ [2]

ترجمہ میں نے علامہ شعبی، ابراہیم نخعی اور امام ابو اسحٰق کو دیکھا وہ نماز میں شروع کرنے کے سوا اور کہیں رفع یدین نہ کرتے تھے۔

سوال۔ ام المومنین حضرت صفیہؓ بنت حیی سے حضورؐ کا نکاح کیسے عمل میں آیا۔ مستشرقین کہتے ہیں کہ حضورؐ نے یہ پہلے دحیہ کلبی کو دی تھی پھر جب اس کے حسن و جمال کا شہرہ ہوا تو آپ نے اسے ان سے مانگ لیا اور اس کے معاوضہ میں انہیں سات لونڈیاں دیں۔ کیا صحیح بخاری میں یہ روایت کہیں موجود ہے؟

فلما فتح اللہ علیہ الحصن ذکر لہ جمال صفیہ بنت حیی بن اخطب وقد قتل زوجھا فاصطفاہ النبیؐ۔

الجواب۔ ام المومنین حضرت صفیہ بنت حیی رئیس خیبر کی بیٹی تھیں۔ ان کا خاوند قبیلہ بنو نضیر کا رئیس تھا۔ آپ حضرت ہارون علیہ السلام کے خاندان سے تھیں اور یہود میں بہت عزت سے دیکھی جاتیں۔ خیبر فتح ہونے پر جہاں اور بہت سے یہود غلام اور باندیوں کی صورت میں مال غنیمت میں ملے

---

[1] مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ [2] المصنف جلد ۲ صفحہ ۷۱

یہ بھی باندیوں میں مسلمانوں کو ملیں یہ حضرت دحیہ کلبی کے حصے میں آئیں۔ ایک شخص نے حضورؐ کے پاس آکر گذارش کی کہ صفیہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کی سردار ہیں ان کا حضرت دحیہ کے حصے میں آنا ان کی شان کے منافی ہے۔ ان کا حفظ مراتب اور رفع غم اسی صورت میں ہو سکے گا کہ آپ اسے اپنے لیے قبول فرمائیں۔ آپ نے حضرت دحیہ کو بلایا اور کہا تم کوئی اور باندی لے لو۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آزاد کیا اور کہا کہ وہ چاہیں تو اپنے گھر چلی جائیں یا آپ کے نکاح میں آنا قبول کرلیں۔ انہوں نے دوسری صورت اختیار فرمائی اور ام المومنین ہونے کا شرف پایا۔ صحیح بخاری میں ہے :-

فجاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا نبی اللہ اعطیت دحیۃ صفیہ بنت حیی سیدۃ قریظۃ والنضیر لا تصلح الا لک دعوہ بہا فجاء بہا فلما نظر الیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خذ جاریۃ من السبی غیرھا فاعتقہا النبی وتزوجہا۔ [1]

آپ نے اختیار دیا کہ چاہیں تو اپنے گھر چلی جائیں یا آپ کے نکاح میں آنا پسند کریں۔ یہ مسند امام احمد میں مروی ہے [2]

آپ نے صحیح بخاری سے جو الفاظ نقل کیے ہیں وہ ہمیں صحیح بخاری میں نہیں ملے۔ علامہ شبلی نے سیرت النبی جلد ۱ ص ۴۹۲ میں انہیں صحیح بخاری کے حوالے سے ذکر کیا ہے

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۵۴ جلد ۲ ص ۶۰۴ [2] مسند امام احمد جلد ۳ ص ۱۳۸

سوال. حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کس چارپائی پر ادا کی گئی۔ حضورؐ کے بعد بھی کیا یہ چارپائی کسی کے قبضے میں رہی اور صحابہؓ میں کیا بطور برکت اس کی کوئی بڑی قیمت سمجھی گئی؟

الجواب. حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے جب ابوایوب انصاریؓ کے گھر قدم رنجا ہوئے تو حضرت اسعد بن زرارہؓ نے ساگوان کی تنی ہوئی اور چھال سے بنی ہوئی ایک چارپائی حضورؐ کی خدمت میں پیش کی تھی۔ آپ اسی پر آرام فرماتے رہے۔ جب آپ وہاں سے اپنے گھر میں آئے تو یہ چارپائی آپ کے پاس ہی رہی۔ یہ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں رکھی تھی، آپ کی نماز جنازہ بھی اسی چارپائی پر ادا کی گئی۔ بعد میں یہ چارپائی حضرت ام المومنینؓ کی ملکیت میں رہی۔ قرآن کریم میں امہات المومنین کے حجروں کو ان کی ہی ملکیت ٹھہرایا گیا ہے۔ واذکرن ما یتلیٰ فی بیوتکن من ایات اللہ والحکمۃ (الاحزاب ۳۴) جب حضرت ام المومنینؓ کی میراث تقسیم ہوئی تو اسے فروخت کیا گیا۔ پھر اس متبرک چارپائی کو حضرت معاویہؓ نے چار ہزار درہم میں خرید کر اسے عام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا اور مدتوں اس پر میتیں قبرستان لے جائی جاتی رہیں۔

اس کی اس بڑی قیمت سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کس طرح آپ کے آثار اور نسبتوں سے برکتیں تلاش کرتے تھے۔ مؤرخ بلاذری (۲۷۹ھ) نے انساب الاشراف جلد ۱ ص۵۲۵ پر آپ کے اس پر نماز جنازہ ادا کرنے کا ذکر کیا ہے۔ ابن قتیبہ دینوری (ھ) بھی کتاب المعارف ص۱۰۷ پر اس کے تادیر اس مصرف میں استعمال ہونے کا ذکر کیا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب۔

دجال ایک مرکزی قوت ہے اور اس کا ایک وسیع سلسلہ ہے

آخری بڑا دجال خاتم الدجاجلہ ہو گا۔

محدث کبیر مولانا بدر عالم مدنی لکھتے ہیں:۔

دجال اکبر کی آمد کی پیشگوئی نوح علیہ السلام سے لے کر آنحضرتؐ تک تمام انبیاء علیہم السلام کرتے چلے آئے ہیں اور آنحضرتؐ کے ارشاد سے ثابت ہوتا ہے کہ اتنی بڑی گمراہی دنیا کی پیدائش سے لے کر آج تک کبھی ظاہر نہیں ہوئی اس لیے یہ ماننا پڑتا ہے کہ دجال ایک مرکزی طاقت ہے اور ایک مرکزی طاقت کے مقابلہ کے لیے ضرور کوئی مرکزی طاقت ہی آنی مناسب ہے۔[1]

پھر آگے جاکر لکھتے ہیں:۔

ضروری ہوا کہ اس کے قتل کے لیے خدا تعالیٰ کے رسولوں ہی میں سے کوئی رسول آئے جو چھوٹے چھوٹے دجال اس سے قبل بھی ظاہر ہوتے رہے وہ اسی امت کے ہاتھوں ہلاک ہوتے رہے لیکن جو دجال کہ خاتم الدجاجلہ سب دجالوں کے آخر میں آئے گا اور خدا تعالیٰ کی شعبدہ بازیاں ظاہر کرے گا اس کے قتل کے لیے ایک نبی ہی کی تشریف آوری ضروری تھی۔[2]

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بھی نچلے دجالوں کے لیے دجال کا لفظ حدیث میں ملتا ہے:۔

لا تقوم الساعۃ حتی یبعث دجالون کذابون قریب من ثلثین کلھم یزعم انہ رسول اللہ۔[3]

ترجمہ: قیامت قائم نہ ہو گی جب تک تیس کے قریب دجال اور کذاب نہ آلیں یہ سب اپنے آپ کو رسول سمجھتے ہوں گے۔

دجال صرف ایک فرد ہو گا؟ یا وہ ایک قوم ہو گی جن کا بڑا وہ ہو گا؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ستر ہزار یہودیوں کا سربراہ ہو گا یہ اس کا پہلا لشکر

---

[1] ترجمان السنۃ جلد ۴ صفحہ ۵۶۲ [2] ایضاً جلد ۴ صفحہ ۵۸۷ [3] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۵۴

ہو گا۔ اور پھر اس کے ساتھ اور لوگ بھی ملتے جائیں گے۔

الدجال اول من یتبعہ سبعون الفاً من الیھود علیھم السیجان۔[1]

ترجمہ: سب سے پہلے جو لوگ دجال کے ساتھ ہوں گے وہ ستر ہزار یہودی ہوں گے ان کے سروں پر طیلسان ہوں گی وہ سبز رنگ کی پگڑیاں پہنے ہوں گے۔

حضرت عیسیٰ بن مریم دجال کو اس طرح قتل نہ کریں گے جیسے کوئی ایک آدمی دوسرے کو قتل کر دے بلکہ دجال بمع اپنے لشکر (اتحادیوں) کے لوگوں کو اپنا خدا ہونا منوا رہا ہو گا اور حضرت عیسیٰ بن مریم بھی اکیلے اس کے درپے نہ ہوں گے ان کے ساتھ بھی ایک جماعت ہو گی۔

حضور اکرمؐ فرماتے ہیں:۔

ان ثوبان مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال رسول اللہ عصابتان من امتی احرزھما اللہ من النار عصابۃ تغزوا الھند وعصابۃ تکون مع عیسیٰ بن مریم علیھما السلام۔[2]

ترجمہ: میری امت کے دو گروہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے آگ سے بچا لیا ہے ایک وہ جو غزوہ ہند میں حصہ لے گا اور دوسرے وہ لوگ جو حضرت عیسیٰ بن مریم کے ساتھ ہوں گے۔

دجال کے لشکر سے حق کے لشکر ٹکرائیں گے اور حضرت عیسیٰ بن مریم دجال کو قتل کر دیں گے اس کے قتل پر یہ جنگ ختم ہو جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا:۔

فاذا قتل الدجال تضع الحرب اوزارھا فکان السلم فیلقی الرجل الاسد فلا یھیجہ ویأخذ الحیۃ فلا تضرہ۔

ترجمہ: جب دجال قتل ہو جائے گا جنگیں رک جائیں گی۔ امن و سلامتی آئے گی۔ انسان شیر سے ملے گا وہ اس پر حملہ نہ کرے گا۔ انسان سانپ کو ہاتھ میں لے گا وہ اسے نہ کاٹے گا۔

ان روایات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فتنۂ دجال صرف ایک فرد سے نہیں ایک پوری قوم سے اٹھے گا جس کا سربراہ دجال اکبر ہو گا اسے حضرت عیسیٰ بن مریم قتل کریں گے۔

---

[1] کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۶۸ [2] سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۶۳

صرف وہ ایک ایسا دجال ہوگا جس کے قتل کے بعد دنیا پھر سے امن کی لہروں میں آجائے گی۔ دنیا کا کوئی گوشہ یہود کو اپنے دامن میں پناہ نہ دے گا کسی پتھر کے پیچھے بھی یہودی چھپے گا تو وہ پتھر پکارے گا یہاں یہودی پناہ لیے ہوئے ہے اور حضرت عیسیٰ کے لشکر کے لوگ اسے قتل کردیں گے۔ دنیا اسی فراغت اور بے فکری میں ہوگی اور اس پر زیادہ عرصہ نہ گزرے گا کہ اچانک ایک ایسی ہوا چلے گی اور اس سے مسلمانوں کی بغلوں میں تکلیف اٹھے گی اور اس سے ان کی اموات واقع ہوں گی صرف بُرے لوگ ہی بچ جائیں گے جو گدھوں کی طرح سرِعام بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہوں گے۔ قیامت کا بگل پھران پر بجے گا۔

حضرت نواس بن سمعان کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کے وقت دجال کا ذکر کیا۔ ہمیں دہشت سے یوں محسوس ہونے لگا کہ گویا وہ یہیں کسی باغ میں موجود ہے۔۔۔ اس کے قتل ہونے کے بعد امن وامان ہوگا۔ حالات میں خوب فراغت اور خوشحالی ہوگی۔

حضورؐ فرماتے ہیں :-

فبیناھم کذلک اذبعث اللہ ریحاً طیّبۃ فتاخذھم تحت اباطہم فتقبض روح کل مومنٍ وکل مسلمٍ ویبقی شرار الناس یتھارجون فیہا تھارج الحمر فعلیہم تقوم الساعۃ۔[1]

ترجمہ۔ سو وہ اپنے اس حال میں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ ایک خوشگوار ہوا چلائیں گے وہ انہیں ان کی بغلوں تلے جا ٹکرائے گی سو ہر مومن ومسلم کی روح قبض ہوگی اور صرف بُرے لوگ باقی رہ جائیں گے۔ گدھوں کی طرح وہ بے حیا پھریں گے اور پھر قیامت انہی لوگوں پر واقع ہوگی۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۴۰۲ سنن ابی داؤد جلد ۲ صہ

حضورؐ کی شانِ عملیّت پر ایک مسیحی سوال

مولانا سلیمان ندویؒ کے خطبات مدراس میں پیغمبر اسلام کی سیرت میں آپ کی شانِ عملیت کو بہت نمایاں کیا گیا ہے۔ اس میں ہے کہ آپ کے قول و عمل میں عمل ہمیشہ غالب رہا ہے یہ نہیں کہ آپ دوسروں کو تو کسی بات کی نصیحت فرمادیں اور خود کا اس پہ عمل نہ ہو۔

سوال یہ ہے کہ مسلمانوں میں رمضان کا مہینہ بہت فضیلت کا مہینہ مانا گیا ہے اس میں پیغمبر اسلام دوسروں کو تو یہ کہتے رہے کہ قیام رمضان کی بڑی فضیلت ہے آپ نے اسے فرض تو نہیں کہا لیکن اس کی ترغیب بہت دلائی۔ لیکن خود آپ نے رمضان میں دوسرے مہینوں کی نسبت کوئی نماز زیادہ نہ کی۔ آپ کی اہلیہ کہتی ہیں کہ رمضان اور غیر رمضان آپ کی رات کی نماز ایک ہی ہوتی تھی۔ قول و فعل کے اس تضاد پر علمائے اسلام کیا بات کہتے ہیں؟ ایک سائل

الجواب۔ یہ صحیح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو قیام رمضان کی بہت ترغیب دیتے رہے اور رمضان کی نماز پر آپ نے زندگی کے تمام گناہوں کی بخشش کی خبر دی۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں:۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يرغب فى رمضان من غير ان يأمرهم فيه بعزيمة فيقول من قام رمضان ايمانًا واحتسابًا غفرله ما تقدم من ذنبه۔[1]

ترجمہ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی نماز کی بہت ترغیب دیتے تھے آپ فرماتے تھے جس نے پورے ایمان و احتساب سے رمضان کا اہتمام کیا (تراویح پڑھیں) اس کے تمام گناہ بخشے جا چکے۔

یہ صحیح نہیں کہ آپ خود قیام رمضان نہیں کرتے تھے۔ حضور اکرمؐ نے تین رات مسجد میں تراویح کی نماز پڑھائی اور ان تین راتوں میں نماز کے اوقات مختلف رہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان تین راتوں میں آپ کی تراویح کی نماز ایک سی نہ رہی ہوگی۔ رکعات کم و بیش ہوں

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۵۹ سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۱۹۴

گا۔کسی دوسری روایت میں نہیں ملتا۔کہ ان تین راتوں میں آپ کی رکعاتِ تراویح کی تعداد کیا رہی۔تاہم اتنا ضرور معلوم ہوا کہ آپ نے قیام رمضان فرمایا اور سب صحابہؓ آپ کے اس قیام رمضان کے گواہ ٹھہرے۔جب آپ مسجد میں چوتھی رات نہ آئے تو صبح آپ نے اس کی وجہ بیان کی۔تاہم آپ اپنے طور پر برابر قیام رمضان کرتے رہے۔رمضان کی اس خاص نماز پر کاربند رہے۔

فتوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والامر علیٰ ذلک ثم کان الامر علیٰ ذلک فی خلافۃ ابی بکر وصدرًا من خلافۃ عمر علیٰ ذلک۔ [۱]

پھر یہ بھی ہے کہ آپ نے جب مسجد میں تراویح پڑھانا چھوڑ دی تو اس دوران صحابہؓ اپنے اپنے طور پر مسجد میں مختلف جماعات میں نماز تراویح پڑھتے رہے تھے۔اس دوران اگر حضورؐ اپنے گھر میں رمضان کی نماز نہ پڑھتے رہے ہوں تو صحابہؓ میں اس بات کا ضرور چرچا ہوتا۔ پھر حضرت ابوہریرہؓ یہ نہ کہتے۔فتوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والامر علیٰ ذلک۔

عن ابی ھریرۃ قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا الناس فی رمضان یصلون فی ناحیۃ المسجد فقال ما ھؤلاء فقیل ھؤلاء ناس لیس معھم قرآن وابی ابن کعب یصلی وھم یصلون بصلوٰتہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصابوا ونعم ما صنعوا۔ [۲]

اس سے پتہ چلا کہ جب حضورؐ نے مسجد میں جماعت سے تراویح پڑھنی چھوڑ دی تھی تو کچھ صحابہ پھر بھی مسجد میں تراویح جماعت سے پڑھتے تھے اور حضورؐ نے انہیں اس سے منع نہ کیا بلکہ انہیں اپنی تائید سے داد دی تھی۔

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی فرمایا کہ رمضان کے روزے تو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض کیے ہیں لیکن رمضان کی یہ نمازیں میں نے تمہارے لیے ایک عمل مسنون ٹھہرائی ہے۔

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۱ صـ۲۵۹ سنن ابی داؤد جلد ۱ صـ۱۹۴ [۲] سنن ابن ماجہ صـ۵۹

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر شہر رمضان فقال شہر
کتب اللہ علیکم صیامہ و سننت لکم قیامہ فمن صام وقام ایمانا
واحتسابا خرج من ذنوبہ کیوم ولدتہ امہ ۔[1]

آپ نے اگر خود تراویح کی نماز کو مسنون بتایا تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ آپ رمضان میں دوسرے دنوں کی نسبت کوئی نماز زیادہ نہ کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ جو کہتی ہیں کہ آپ کی رات کی نماز رمضان اور غیر رمضان ایک سی ہوتی تھی۔ اسے امام بخاریؒ کتاب التہجد میں لائے ہیں (دیکھئے صحیح بخاری جلد ا ص۱۵۴) اس کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے رمضان کی وجہ سے اپنی نماز تہجد میں کوئی اضافہ نہیں فرمایا اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ آپ جب قیام رمضان کے طور پر تراویح کی نماز کو مسنون ٹھہرا چکے تھے اور اسے علیحدہ پڑھ کر دکھا بھی چکے تھے تو اب نماز تہجد میں کسی اضافے کی کیا ضرورت تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی مذکورہ روایت کا تراویح سے کوئی تعلق ہوتا تو امام ترمذی جامع ترمذی میں جو تاریخ شریعت میں اور شریعت کے فروعی اختلافات کی وسعت میں ایک بے مثال کتاب ہے۔ حضرت عائشہؓ کی اس روایت کو ضرور ذکر کرتے آپ نے جامع ترمذی میں ابواب الصوم میں ایک باب اس عنوان سے باندھا ہے۔ باب ما جاء فی قیام شہر رمضان اس میں آپ نے تراویح کے عدد میں دو قول ہی سلف سے لکھے ہیں (۱) چالیس یا (۲) بیس۔ اس میں آٹھ رکعت تراویح سرے سے منقول نہیں نہ اس پر کسی صحابی یا امام کا عمل رہا ہے آپ لکھتے ہیں:۔

اختلف اھل العلم فی قیام رمضان فرای بعضھم ان یصلی احدی و اربعین
رکعۃ مع الوتر وھو قول اھل المدینۃ واکثر اھل العلم علی ما روی عن
علی وعمر وغیرھما من اصحاب النبی والعمل علی ھذا عندھم
بالمدینۃ عشرین رکعۃ وھو قول سفیان الثوری وابن المبارک
والشافعی وقال الشافعی وھکذا ادرکت ببلدنا مکہ یصلون
عشرین رکعۃ وقال احمد روی فی ھذا الوان لم یقض فیہ
بشیء۔[2]

---

[1] سنن ابن ماجہ ص۹۵ [2] جامع ترمذی جلد ا ص

ہم نے اس باب کو پورا نقل کر دیا ہے۔ اس میں کہیں حضرت عائشہؓ کی اس روایت کا ذکر نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ کی مذکورہ روایت نماز تہجد کے متعلق ہے نماز تراویح کے بارے میں نہیں ہے۔ آپ رمضان میں ایک نماز کا ضرور اضافہ فرماتے اور اس کی دوسروں کو ترغیب دیتے تھے۔ تہجد تو آپ اس سے بہت پہلے سے پڑھ رہے تھے جب کہ رمضان کے روزے ابھی فرض بھی نہ ہوئے تھے۔

رہی یہ بات کہ حضورؐ جب نماز تراویح پڑھتے تھے تو آپ نماز تہجد نہ پڑھتے تھے ایسا دعویٰ ہے کہ اس پر ایک بھی حدیث نہیں ملتی اور صحابہ سے ثابت ہے کہ وہ تراویح کی وجہ سے نماز تہجد کو نہ رو کتے تھے۔ سنن نسائی میں حضرت طلق بن علی کی یہ روایت ملاحظہ ہو۔ اس میں تصریح ہے کہ آپ نے رمضان کی اس رات میں تین جماعتیں کرائیں ایک تراویح کی، ایک وتروں کی اور ایک تہجد کی :۔

عن قیس بن طلق قال زارنا ابی طلق بن علی فی یوم من رمضان فامسیٰ بنا (۱) فقام بنا تلک اللیلۃ (۲) واوتربنا (۳) ثم انحدر الی مسجد فصلی باصحابہ حتی بقی الوتر ثم قدم رجلاً فقال اوتر بہم [1]

حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی رح لکھتے ہیں :۔

رسول اللہؐ نے باذن اللہ تعالیٰ قیام رمضان کو قطعاً مقرر فرمایا اور تہجد خود بحکم اللہ تعالیٰ اس سے پہلے نفل ہو چکا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تہجد اور تراویح دو نمازیں ہیں۔ (تالیفات رشیدیہ ص۳۰۷)

سو اس تاریخی بیان کے ہوتے ہوئے حضرت گنگوہی کے شاگردوں کی کوئی بات اس کے خلاف لائق پذیرائی نہیں رہتی۔

مسلمان جب سحری کے لیے اٹھتے ہیں اور وہ وضو بھی کرتے ہیں تو اب ان کے لیے نماز تہجد ادا کرنے میں کون سی چیز ہے جو باعث عسر ہو سکے۔ اس صورت حال میں عمداً نماز تہجد نہ پڑھنا کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔

اس تفصیل کی روشنی میں حضرت ام المومنینؓ کی مذکورہ روایت کا نماز تراویح سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ یہ نماز تہجد ہے جیسا کہ امام بخاریؒ نے اس پر کتاب التہجد کا باب باندھا ہے۔

---

[1] سنن نسائی جلد ۱ ص۱۸۹ باب نہی النبی عن الوترین فی لیلۃ و سنن ابی داؤد جلد ۱ ص۲۰۳

اب اس روایت کو حضورؐ کی نماز تراویح پر محمول کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قول و فعل کے تضاد کا دعویٰ ہرگز ہرگز درست نہیں۔ حضورؐ نے رمضان کی خاطر شعبان میں بھی اپنے ذوقِ عبادت میں زیادتی کی۔ اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ رمضان میں نماز جیسی عبادت کو بھی کوئی مزید ذوق نہ دیں اور ہم عوام میں یہ بات عام پھیلاتے رہیں کہ حضور رمضان اور غیر رمضان میں رات کی نماز کبھی گیارہ رکعت سے زیادہ نہ کرتے تھے۔

ایک اور سوال

صحیح بخاری میں ہے حضرت عبادہ بن الصامت کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب۔

مطلع فرماویں کہ حضرت عبادہ بن الصامتؓ کی یہ روایت پوری ہے یا یہ روایت ادھوری ہے۔ بصورت ثانی کیا پوری روایت وہ ہے جو سنن ابی داؤد اور سنن ترمذی وغیرہما میں ملتی ہے اور اس میں ایک پورا واقعہ ملتا ہے جس سے فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ قیاس سے اور عموم کے پاس سے نہیں خود روایت میں ہی مل جاتا ہے۔

بایں صورت یہ سوال اُبھرتا ہے کہ امام بخاریؒ نے یہ پوری حدیث اپنی صحیح میں کیوں نہیں لکھی جب کہ ترجمۃ الباب آپ نے وہ باندھا ہے جو ابوداؤد کی اس پوری روایت کے مطابق ہے۔ اور اس میں ماموم (مقتدی) کے بارے میں حضورؐ کی حدیث ہی روایت کی گئی ہے اور اس میں قیاس یا عموم لفظ کا سہارا نہیں لیا گیا۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں یہ مسئلہ قیاس سے ثابت کیا ہے نص سے نہیں؟ السائل۔ محمد یحییٰ

الجواب۔

بخاری شریف کی اور سنن ابی داؤد کی مذکورہ روایتیں دراصل ایک ہی روایت ہے اور اسی کے دو حصے کر لیے گئے ہیں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت عبادہ بن صامت کبھی یہ روایت آدھی بیان کرتے ہوں اور کبھی پوری۔ آدھی روایت امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں لکھی ہے اور پوری روایت امام ابوداؤد۔ امام نسائی اور امام ترمذی نے

اپنی سنن میں دی ہے۔

پھر دونوں روایتوں کو حضرت عبادہ بن الصامت سے محمود بن الربیع ہی روایت کرتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک ہی روایت ہے۔ محمود بن الربیع سے صحیح بخاری کی روایت میں امام زہری روایت کرتے ہیں اور سنن ترمذی کی روایت میں محمود بن الربیع سے مکحول تابعی (۱۱۸ھ) اور ان سے محمد بن اسحٰق اسے روایت کرتا ہے۔ سنن نسائی کی روایت میں محمود بن الربیع نہیں نافع بن محمود بن الربیع حضرت عبادہ بن الصامت سے اسے روایت کرتا ہے۔ سنن ابی داؤد میں بھی عن الزہری عن محمود بن الربیع عن عبادہ بن الصامت ہے (دیکھئے جلد ۱ ص۱۱۹) لیکن اس روایت کے آخر میں فَصَاعِدًا کے الفاظ بھی ہیں جو صحیح بخاری میں نہیں اور اس پر دوسری سند امام ابو داؤد نے وہی دی ہے جسے ہم امام ترمذی کے حوالے سے نقل کر آئے ہیں۔ یعنی عن محمد بن اسحٰق عن مکحول عن عبادہ بن الصامت۔ (دیکھئے سنن ابی داؤد جلد ۱ ص۱۱۹)

ان سب روایات میں محمود بن الربیع کے سوا کوئی اسے حضرت عبادہ بن الصامت سے روایت نہیں کرتا۔ سو حضرت عبادہ کی ان سب مرویات کو دیکھ کر اس یقین سے چارہ نہیں رہتا کہ حضرت عبادہ کی یہ روایت ایک ہی ہے جو محمود بن الربیع نے ان سے روایت کی ہے اور محمود بن الربیع کے بعد اس کے رواۃ مختلف ہو گئے ہیں۔ سو اب یہ بات پوری طرح نکھر گئی ہے کہ صحیح بخاری کی مذکورہ روایت ہرگز پوری نہیں ہے پوری روایت وہی ہے جو ارباب سنن نے حضرت عبادہ سے روایت کی ہے اور اس پورے واقعہ کی روایت میں ایک سند بھی صحیح نہیں ملتی۔ اسی لیے امام بخاری نے اس پورے قصے کو اپنی صحیح میں روایت نہیں کیا کہ یہ قصہ ان کی شرائط کے مطابق ثقہ راویوں کی روایت کے مطابق پورا نہ اترتا تھا۔

امام بخاری نے اس روایت سے اپنا موقف عموم سے کشید کیا ہے اور ظاہر ہے کہ ان کے پاس مقتدی پر سورہ فاتحہ لازم کرنے کی کوئی نص نہ تھی۔ ہم قیاس کے وجود شرعی سے انکار نہیں کرتے لیکن ہم اسے مقتدی کے لیے نص بھی نہیں کہہ سکتے۔

یہ بات بطور اصول یاد رکھیں قرأت خلف الامام کے بارے میں جن حدیثوں میں صراحت ہے کہ مقتدی امام کے ہوتے سورۃ فاتحہ پڑھے ان میں ایک بھی صحیح نہیں اور جو

حدیثیں سنداً صحیح ہیں۔ ان میں ایک میں بھی مقتدی کے فاتحہ پڑھنے کی صراحت نہیں۔

صحیح بخاری کی روایت لا سے شروع ہوتی ہے :۔

لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب۔[1]

اور سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی میں اس سے پہلے لفظ فانہ وارد ہے،

فانہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بھا۔[2]

سوال یہ ہے کہ یہ حدیث عبادہ لا سے شروع ہوتی ہے جیسا کہ امام بخاری کہتے ہیں یا فانہ سے جیسا کہ ابوداؤد اور ترمذی کہتے ہیں امام بخاری یہاں لفظ انہ لے آتے تو صاف ظاہر ہو جاتا تھا کہ یہ حدیث پوری نہیں ہے پہلے سے کوئی اور بات آرہی ہے جو سنن ابی داؤد میں موجود ہے۔ محدث کبیر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں :۔

آخر اس حدیث کا جس کو بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے یعنی فانہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب بحذف کلمہ فانہ ہے جس سے وہ حدیث مستقل معلوم ہوتی ہے اور در حقیقت وہ اس ہی حدیث کا جزو ہے حدیث مستقل نہیں ہے۔[3]

اور اگر کہا جائے کہ یہ حدیث اور ہے جو لا سے شروع ہوتی ہے اس لیے اس سے ما قبل کوئی لفظ نہیں جسے حذف کیا گیا ہو تو پھر اس پر اس حدیث کا مابعد زیر بحث جاتا ہے تو بھی یہ حدیث تمام نہ ٹھہری ناکمل ہوئی۔

سوال۔ وہ بعد کا لفظ کیا ہے، جس کی رو سے پھر یہ حدیث مقتدی کو شامل نہیں رہتی ؟

الجواب۔ یہ پوری روایت سنن ابی داؤد جلد ا صـ۱۱۹ میں اس طرح ہے :۔

سفیان عن الزھری عن محمود بن الربیع عن عبادۃ بن الصامت یبلغ بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فصاعداً قال سفیان لمن یصلی وحدہ۔

ترجمہ۔ جو شخص سورۃ فاتحہ اور آگے کچھ قرآن نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں سو یہ حدیث اکیلے نماز پڑھنے والے کے لیے ہے (با جماعت نماز پڑھنے والے کے بارے میں نہیں کیونکہ اسے مازاد علی الفاتحہ پڑھنے سے روکا جا چکا ہے)۔

---

[1] صحیح بخاری جلد اول صـ۱۰۴ [2] سنن ابی داؤد جلد ا صـ۱۱۹ [3] تالیفات رشیدیہ صـ۷

اس ما بعد کے لفظ فصاعدًا نے بتایا کہ حدیث کا یہ پہلا حصہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب بھی مقتدی کے بارے میں نہیں کیونکہ مازاد علی الفاتحہ کسی کے ہاں مقتدی پر فرض نہیں سو یہ حدیث اکیلے کے بارے میں رہی چنانچہ اس حدیث کے راویوں میں امام سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) نے خود واضح کر دیا کہ یہ حدیث اکیلے کے بارے میں ہے جماعت کی نماز سے متعلق نہیں ہے۔

امام زہری کے شاگردوں میں سفیان ہی نہیں معمر (ھ) بھی زہری عن محمود بن الربیع عن عبادہ سے یہ حدیث فصاعدًا کی زیادتی سے نقل کرتے ہیں۔ امام مسلم نے اسے اس طرح پیش کیا ہے:۔

وحدثنا ہ اسحٰق بن ابراھیم وعبد بن حمید قالا اخبرنا عبد الرزاق اخبرنا معمر عن الزھری بہذا الاسناد مثلہ وزاد فصاعدًا۔[1]

سنن نسائی میں بھی یہ فصاعدًا کے الفاظ موجود ہیں جو بتاتے ہیں کہ یہ حدیث اکیلے نماز پڑھنے والے کے بارے میں ہے (مقتدی کے لیے نہیں) جس پر مازاد علی الفاتحہ پڑھنا بھی ضروری ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر اس حدیث کے پہلے حصہ کو اس حدیث کا ہی حصہ کہیں تو حدیث بخاری میں لا سے پہلے لفظ فانہ محذوف ماننا جائے گا تو یہ حدیث پوری نہ ہوئی۔ اگر اسے مستقل حدیث مانا جائے تو اس کا بعد کا حصہ (فصاعدًا) ساتھ لگانا پڑے گا اور اس صورت میں حدیث بہ تصریح محدثین مقتدی کے بارے میں نہ ہوئی۔ اس باب میں ظاہر بنیان حدیث بہت پریشان ہیں یہ بحث اجزائے حدیث کے بارے میں تھی۔ اب الفاظ حدیث پر بھی غور فرمائیں اس حدیث کا مرکز امام زہری ہیں ان سے ان کے شاگرد یونس اسے ان الفاظ سے روایت کرتے ہیں۔

لا صلوٰۃ لمن لم یقترئ بام القرآن۔ صحیح مسلم

اور امام زہری کے شاگرد صالح ان سے ایسے الفاظ سے روایت کرتے ہیں:۔

لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بام القرآن۔ رواہ مسلم

اور امام بخاری کی روایت کے مطابق امام زہری سے ان کے شاگرد سفیان اس حدیث کو ام القرآن کے الفاظ سے نہیں فاتحۃ الکتاب کے الفاظ سے روایت کرتے ہیں۔ حضورؐ نے اسے بیان کرتے سورۃ الحمد کو فاتحۃ الکتاب سے ذکر فرمایا تھا یا ام القرآن کے الفاظ سے۔ اس پر امام زہری کے جملہ شاگرد کسی ایک لفظ پر جمع نہیں۔ تاہم ظاہر بنیان حدیث اس ایک روایت کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اس کا اوّل اس کے معارض ہو جاتا ہے اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں۔[2]

---

[1] صحیح مسلم جلد ا صـ۱۶۹ [2] تالیفات رشیدیہ صـ۴۰۵

ہم پوچھتے ہیں کہ اگر اس عموم صلوٰۃ میں صلوٰۃ مقتدی بھی داخل ہے تو معنی حدیث کے کس طرح درست ہوں گے کیونکہ اول حدیث میں مازاد علی الفاتحہ کی تحریم مقتدی پر کی گئی ہے اور یہاں ایجاب مازاد علی الفاتحہ کا ثابت ہوتا ہے پس اول حدیث آخر کے ساتھ متعارض ہوگئی اور حدیث محض بے معنی ہو گئی. حاشا کلا کہ زیادتی فصاعداً فقط ہو اور حدیث کا شروع اسکے ختم کو متعارض ہو ایسا کلام کسی عاقل کا نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ما ینطق عن الھویٰ ان ہو الا وحی یوحیٰ. پس بالضرور جملہ حدیث فانہ لا صلوٰۃ (اصل ہے) اور یہ دلیل اباحت فاتحہ علی المقتدی کی ہے نہ کہ اثبات وجوب فاتحہ علی المقتدی کی. ص۴۸

سوال. صحیح مسلم اور ابی داؤد میں کون سی کتاب صحت حدیث میں مقدم ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث واذا قرأ فانصتوا کہ امام جب قرآن پڑھے تو تم چپ رہو دونوں کتابوں میں ہے. امام مسلم اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں. ھو عندی صحیح (صحیح مسلم جلد ا ص۱۷۴) اور امام ابوداؤد کہتے ہیں. واذا قرأ فانصتوا قال ابوداؤد ھٰذہ الزیادۃ لیست بمحفوظۃ (جلد ا ص۸۹) کہ یہ ضعیف ہے. ہم ان دونوں اماموں میں سے کس کی تحقیق کو ترجیح دیں؟

۲. دوسرا سوال اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اس حدیث کا مورد کیا ہے؟ یہ سورت فاتحہ کے بارے میں ہے یا مازاد علی الفاتحہ (بعد میں ملائی گئی سورت) سے متعلق ہے کیا کسی روایت کے سیاق وسباق سے اس کے مورد کا پتہ چل سکتا ہے؟

الجواب. صحیح مسلم سنن ابی داؤد سے عالی اور مقدم ہے. صحیح مسلم صحیح بخاری کے پایہ کے قریب ہے. سو امام مسلم کا فیصلہ کہ حدیث واذا قرأ فانصتوا صحیح ہے اسے تسلیم کرنا چاہیئے. ابوداؤد کا کہنا کہ یہ ضعیف ہے مسلم کے مقابلے میں وزن نہیں رکھتا. پھر یہ حدیث منطوق قرآن کے بالکل مطابق ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور اور چپ رہو. حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے غنیۃ الطالبین ص۳۴ میں حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کی یہ حدیث امام احمدؒ سے اس طرح روایت کی ہے. حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا.

جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو. واذا قرأ فانصتوا جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو.

اس سے اس قطعہ حدیث کا پتہ چلا کہ یہ سورۂ فاتحہ سے متعلق ہے. کیوں کہ

اس کے بعد امام کے ولا الضالین کہنے اور مقتدیوں کے آمین کہنے کا ذکر ہے۔

سوال۔ نماز میں خشوع وخضوع اور تعدیل ارکان نماز کا لازمی حصہ ہیں۔ نماز کا مزاج ہی یہ ہے کہ اس میں جلدی کوئی راہ نہ پا سکے۔ احناف جب صبح کی جماعت میں ملنے کے لیے مسجد کے ایک کنارے ہو کر سنتیں جلدی جلدی پڑھتے ہیں یہ نماز کے مزاج کے خلاف نہیں ہے؟

الجواب۔ یہ فرض نمازوں کی شان ہے کہ ان میں خشوع وخضوع اور تعدیل ارکان ہو۔ سنن ونوافل میں بعض دفعہ کچھ اور حالات بھی مؤثر ٹھہرتے ہیں۔

امام کے خطبہ کو روک کر جمعہ کے دن امام کے سامنے جو سنتیں پڑھی جاتی ہیں اس میں مقصد یہی ہوتا ہے کہ جلدی انہیں ادا کیا جائے تاکہ امام جو خطبہ روکے ہوئے ہے۔ وہ اسے جاری کر سکے۔

عن جابر انه قال جاء سليك الغطفاني يوم الجمعة ورسول الله صلى الله عليه وسلم قاعد على المنبر فقعد سليك قبل ان يصلي فقال له النبي صلى الله عليه وسلم أركعت الركعتين قال لا قال قم فاركعهما۔ [1]

اور دوسرے طریق میں ہے:۔

قم فاركع ركعتين وتجوز فيهما ثم قال اذا جاء احدكم يوم الجمعة والامام يخطب فليركع ركعتين وليتجوز فيهما۔ [1]

ترجمہ۔ حضرت جابر کہتے ہیں سلیک غطفانی جمعہ کے دن مسجد میں آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھنے کے لیے منبر پر آچکے تھے (منبر پر بیٹھے تھے) سلیک بھی آکر بغیر دو رکعت پڑھے بیٹھ گئے۔ حضورؐ نے اس سے پوچھا آیا انہوں نے دو رکعت پڑھی ہیں؟ آپ نے فرمایا کھڑے ہو جاؤ اور دو رکعت پڑھو۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ جلدی جلدی پڑھو۔ تاکہ آپ خطبہ پڑھ سکیں۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۸۷

اس سے پتہ چلا کہ نماز بعض حالات میں جلدی جلدی بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ سو یہ کہنا کہ نماز ہر حال میں پورے خشوع خضوع سے ہونی چاہیئے یہ درست نہیں۔ ہاں فرض نماز میں خشوع و خضوع اور تعدیل ارکان کا خیال رکھنا چاہیئے۔

سوال: فرضوں کی جماعت کھڑی ہو تو فرض چھوڑ کر سنت پڑھنا یہ بات درست نظر نہیں آتی۔ اس کی کچھ وضاحت کریں؟

الجواب: یہ جھوٹ ہے کہ سنتیں پڑھنے والا فرضوں کو چھوڑ رہا ہے اس کی نیت یہی ہوتی ہے کہ میں سنتیں پڑھ کر فرضوں میں شامل ہوں گا۔ اس کو کسی طرح فرض چھوڑنے کا ملزم نہیں کہا جا سکتا۔ آپ نے آج تک کوئی ایسا شخص نہ دیکھا ہوگا جس نے سنتیں پڑھ کر پھر فرض نہ پڑھے ہوں۔ سو یہ کہنا ہرگز درست نہیں کہ وہ فرض چھوڑ کر سنتیں پڑھ رہا ہے۔

سوال: لیکن اتنی بات تو پھر بھی ہے کہ وہ جماعت چھوڑ کر (گو وہ بھی سنت ہے فرض نہیں) سنتیں پڑھتا ہے؟

جواب: یہ بھی غلط ہے وہ جماعت نہیں چھوڑ رہا۔ جماعت میں ملنے کی نیت سے وہ سنتیں پڑھ رہا ہے اور اگر اس کو یقین ہو کہ وہ جماعت نہ پا سکے گا۔ پھر اسے فقہ حنفی میں بھی سنتیں پڑھنے کی اجازت نہیں۔

جماعت بھی سنت ہے اور فجر کی سنتوں کی بھی بڑی تاکید ہے۔ حضورؐ نے فرمایا موت کا ڈر ہو تو بھی صبح کی سنتیں نہ چھوڑو۔ لیکن جب ان دو کا مقابلہ ہو تو جماعت کا اہتمام زیادہ ضروری ہے۔ جماعت نکل جانے کا اندیشہ ہو تو اس وقت سنتیں نہ پڑھے جماعت میں شامل ہو جائے۔

اور جماعت ملنے کی امید ہو تو پھر دونوں عملوں کو جمع کرے فجر کی سنتیں بھی پڑھے اور جماعت میں بھی شامل ہو اور اگر دونوں فضیلتوں کو نہ پا سکے تو پھر جماعت میں شامل ہو۔ یہ ان سنتوں سے بڑی فضیلت ہے۔ ہدایہ میں ہے:۔

"وان خشی فوتها دخل مع الامام لان ثواب الجماعة اعظم والوعید بالترک الزم۔" [1]

---

[1] ہدایہ ص۱۵۹ جلد اول

سکھوں کی ایک مختصر تاریخ

ہندوستان کے قدیمی دین میں شرک ایک ایسی فطری غلطی تھی کہ جب بھی کسی نے اس کے خلاف دعوت دی ہندوؤں نے اسے بڑی جلدی پذیرائی دی. مسلمان درویشوں اور صوفیوں نے یہاں آکر توحید باری تعالیٰ کی صدا لگائی تو دیکھتے دیکھتے مسلم آبادی یہاں تیزی سے اُبھری اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ شاہ نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت علی احمد صابرؒ جیسے ائمہ ولایت نے ہندو قوم کے متوازی ایک دوسری قوم مسلمانوں کے نام سے کھڑی کردی. اسلام کی اس دعوتِ توحید اور درویشوں کی درویشانہ سیرت نے یہاں کی ہندو قوم پر آفاقی اثرات ڈالے اور ہندوؤں میں ہی ایک شخص کلیان چند کے ہاں ۱۴۶۹ء میں تلونڈی ضلع شیخوپورہ میں ایک بیٹا پیدا ہوا جس نے بابا نانک کا نام پایا. خدا کے نام پر کچھ گہری صداقتیں اس کے دل پر اُتریں اور اس نے عقیدہ توحید کی حمایت میں کھل کر ایک فکری بغاوت کی. یوں سمجھئے مسلمان صوفیوں کے نقش قدم پر کچھ ہندو صوفی سامنے آئے جن کا رُخ ویدوں اور شاستروں کی بجائے مسلمان صوفیوں کی طرف زیادہ تھا. یوں سمجھئے کہ ہندوستان میں سادھوؤں کا نیا فرقہ پیدا ہوا. جس کی اساس مسلمانوں سے نفرت پر نہیں مسلم ائمہ طریقت کی رغبت پر رکھی گئی. مسلمانوں میں جس طرح پیرلوگوں کی اخلاقی برائیوں کو دور کرنے میں محنت کرتے ہیں. گورو بابا نانک کے پیرو اپنے ان پیروں کو گورو کہتے تھے. بابا نانک کا ایک پیرو ایک کھتری لہنا نام ہوا بابا نانک نے اسے انگد دیو نام سے اپنا جانشین بنایا.

۲. گورو انگد دیو (۱۵۵۲ء)

۱۵۰۴ء میں بھائی پھیرو کے ہاں پیدا ہوئے. گورو بابا نانک نے اپنے بیٹوں شری چند اور لکھمی چند کے ہوتے ہوئے اپنی جانشینی کے لیے گورو انگدیو کو چنا اور اپنے عمل سے بتایا کہ خدا کی راہ میں چلنے کی جانشینی اولاد سے نہیں اعمال سے چلتی ہے گورو انگدیو کو نانک ثانی بھی کہا جاتا ہے.

ان کا اہم کارنامہ یہ رہا کہ انہوں نے اپنے پیروؤں کو ہندوؤں سے نکال کر ایک علیحدہ دھرم کی پہچان دی. یہاں تک کہ سکھ ایک علیحدہ قوم کے طور پر پہچانے جانے لگے. گورو انگدیو نے ۷۲ سال کی عمر میں وفات پائی. گورو انگدیو نے پنجابی زبان کو ایک نیا رسم الخط دیا. اور اس کا نام گورمکھی رکھا. یعنی گوروؤں کے مکھ سے نکلی ہوئی زبان. مکھ منہ کا ہی دوسرا نام ہے. انہوں نے بابا نانک کے شلوک بھی جمع کیے اور ان کے پیرو اپنے گوروؤں کے یہ شلوک بڑی لے سے پڑھتے اور سر دھنتے تھے. گورو انگدیو نے اپنے ہاں ہندوؤں کی ذات پات کی تقسیم ختم کی اور اپنا جانشین گورو امرداس کو چنا اور اس وقت گورو امرداس کی عمر ۷۰ سال سے متجاوز تھی.

۳. گورو امرداس (وفات ۱۵۷۴ء)

گورو انگدیو کے بیٹے بھی تھے. مگر اس نے اپنا جانشین گورو امرداس کو بنایا. پہلے گورو صرف تبلیغ دین کی ہی تلقین کرتے تھے اس گرو نے سکھوں کو ایک قوم کے طور پر منظم کیا. سکھ قوم کے پہلے بائیس حلقے منظم ہوئے. گورو امرداس نے ۹۵ سال کی عمر میں وفات پائی. انہوں نے گورو رام داس کو اپنا جانشین مقرر کیا.

۴. گورو رام داس (وفات ۱۵۸۱ء)

ان کے والد ہری داس چونامنڈی کے رہنے والے تھے. یہ شہنشاہ اکبر کا دور تھا. اکبر نے ان سے اچھے تعلقات رکھے. انہیں عطیات بھی دیئے. امرتسر انہوں نے ہی آباد کیا. گرنتھ میں ان کے ۶۸۰ شلوک شامل ہیں. سکھ تاریخ میں پہلی مرتبہ گوروکی جانشینی اولاد میں چلی. گورو رام داس کے چار بیٹے تھے. سب سے چھوٹا ارجن تھا. یہ باپ کا جانشین ہوا.

۵. گورو ارجن (وفات ۱۶۰۶ء)

اٹھارہ برس کی عمر میں پانچویں گورو بنے. انہوں نے سکھ مذہب کی مذہبی کتاب گرنتھ صاحب تالیف کی. آپ پہلے گوروؤں کے طور پر صرف درویش نہ تھے بلکہ آپ نے

اپنی قوم کو ایک فوجی تنظیم بھی دی۔ امرتسر کے قریب ترن تارن کا گوردوارہ انہی کی تعمیر ہے۔ لاہور ڈبی بازار میں آپ نے ایک باؤلی تعمیر کی تھی جسے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے دوبارہ تعمیر کیا۔ آپ کا دور قادری سلسلہ کے مشہور صوفی بزرگ حضرت میاں میرؒ کا دور تھا۔ گورو ارجن نے ان سے اپنے نیازمندانہ تعلقات قائم رکھے۔ گورو ارجن جہاں بھی گوردوارہ بناتے اس کا سنگِ بنیاد حضرت میاں میرؒ کے ہاتھوں رکھواتے۔ ان کے حلقے میں یہ تصور کہیں نہ تھا کہ سکھ مذہب مسلمانوں کے خلاف اپنی علیحدہ تلقین کرتا ہے۔ بلکہ یہی سمجھا جاتا تھا کہ سکھ ہندو عقائد سے بیزار ہو کر مسلمانوں کے قریب آرہے ہیں۔

ان کا دور مغل بادشاہ جہانگیر کا دور تھا۔ جہانگیر کے خلاف اس کے بھائی خسرو نے بغاوت کی اور اتفاق سے کہیں گورو ارجن کے پاس آنکلا۔ انہوں نے عام درویشی ادا میں اس کی مہمان نوازی کی۔ مگر اس سے جہانگیر ان کے خلاف بدظن ہو گئے۔ یہ تاریخ کا پہلا واقعہ ہے جس میں مسلمانوں اور سکھوں میں کچھ بدگمانی پیدا ہوئی۔ جہانگیر نے گورو ارجن پر دو لاکھ روپے جرمانہ کیا۔ گورو ارجن نے اسے اپنے اوپر ظلم قرار دیا۔ پھر یہ بات اتنی بڑھی کہ گورو اس کشمکش میں مارے گئے۔ سکھ انہیں اپنا پہلا شہید قرار دیتے ہیں۔

۶۔ گورو ہرگوبند (وفات ۱۶۴۴ء)

یہ گورو ارجن کا بیٹا تھا جو گیارہ برس کی عمر میں سکھوں کا چھٹا نانک بنا۔ اس کا چچا جو گورو رام داس کا دوسرا بیٹا تھا اس کا سخت مخالف تھا۔ اور اس نے بہت کوشش کی کہ چھٹے نانک کے طور پر اسے آگے لایا جائے۔ لیکن قوم کا فیصلہ گورو ہرگوبند کے حق میں ہی رہا۔ اس نے سکھوں کو درویشی ادا میں رہنے کی بجائے عسکری تنظیم دی۔ یہاں تک کہ سکھ وقت کی سیاسی قوت بن گئے۔ جہانگیر کے حکم سے اسے گرفتار بھی کیا گیا مگر بعد ازاں انہیں رہا کر دیا گیا۔ گورو ہرگوبند نے انجام کار سیاسی معرکہ آرائیوں میں دلچسپی چھوڑ دی۔ اور زندگی کے آخری دور میں ایک درویشانہ ادا اختیار کر لی۔ آپ نے اپنے پوتے ہری رائے کو اپنا جانشین بنایا۔ اب سکھوں میں یہ روایت بن گئی تھی کہ گورو کی مذہبی جانشینی خود اس کی اولاد ہی میں منتقل ہوا کرے۔

۷. گورو ہری رائے

یہ گورو ہرگوبند کے بڑے بیٹے بابا گورو دتہ کی اولاد میں سے تھے۔ چودہ برس کی عمر میں انہیں اپنے دادا کا جانشین بنایا گیا۔ یہ طبعاً جنگجو نہ تھے۔ اپنے عقیدہ کی دعوت میں لگے رہے۔ کئی تبلیغی مرکز بنائے۔ دارا شکوہ سے تعلقات کی وجہ سے اورنگ زیب سے مخالفت ہو گئی۔ تاہم گورو ہری رائے خود کسی جنگ میں نہ آتے ہے۔ ۳۳ سال کے قریب اپنے پیروؤں کی پیشوائی کی اور اپنے بعد کے لیے اپنے چھوٹے بیٹے ہرکشن کو پانچ سال کی عمر میں اپنا جانشین بنایا۔ مگر ان کا بڑا بیٹا رام رائے اس سے خوش نہ تھا۔ مغل شہنشاہ کے دربار میں اس کی بہت عزت تھی اور اس نے مغلیہ دربار میں اپنے باپ کی نمائندگی بھی کی تھی۔

۸. گورو ہرکشن (وفات ۱۶۶۴ء)

گرو ہرکشن کا دہلی میں بہت پرتپاک استقبال کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان دنوں وہاں مسلمانوں اور سکھوں میں بدمزگی کی فضا نہ تھی۔ ان دنوں دہلی میں طاعون پھیلی تھی اور سکھوں کا خیال تھا کہ گورو کے دہلی آنے سے اس مرض میں کمی آئے گی لیکن افسوس کہ گورو صاحب خود اس مرض کا شکار ہو گئے اور ۱۶۶۴ء میں انتقال کر گئے۔ گورو ہرکشن نے اپنے ایک بزرگ اپنے والد کے چچا تیغ بہادر کو اپنا جانشین نامزد کیا اور اپنے بھائی رام رائے کو اس کا اہل نہ جانا۔

۹. گورو تیغ بہادر (وفات ۱۶۷۵ء)

گورو تیغ بہادر ۴۴ سال کی عمر میں سکھ مت کے نویں گورو بنے۔ سکھ عقیدے کے مطابق یہ ان کے نویں نانک تھے۔ گورو تیغ بہادر شروع سے خاموش طبع اور دنیوی لذتوں سے کنارہ کش رہنے کے عادی تھے۔ اس منصب پر آنے کے لیے بھی ان کی کسی جدوجہد کا ثبوت نہیں ملتا۔ جب یہ ذمہ داری انہیں دی گئی تو ان کی درویشی ابھر کر سامنے آئی اور پوری سکھ قوم دل وجان سے ان کی ارادت مند ہو گئی۔ صرف دھیرمل کے چند ساتھیوں نے رام رائے کو اپنا گورو بنانا چاہا لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے۔

گورو تیغ بہادر بہت نرم مزاج تھا اس نے دھیرمل کو بھی معاف کر دیا سکھوں میں یہ بات مشہور ہے کہ گورو تیغ بہادر کو جب کبھی کہیں گرفتار کیا گیا وہ عجیب شان درویشی سے اس سے باہر آجاتے اور اپنے معتقدین میں دیکھے جاتے۔ گورو تیغ بہادر نے مغل حکمرانوں کو پہلے سے خبر دے دی تھی کہ اب ہندوستان میں حکومت کے لیے ایک قوم سمندر پار سے آرہی ہے۔ ۱۸۵۷ء میں جب اہل ہند انگریزوں کے خلاف اُٹھے تو سکھ ان کے ساتھ شامل نہ ہوئے۔ گورو تیغ بہادر کی اس پیشگوئی سے وہ کہتے تھے کہ بیرونی سامراج کو اب کوئی طاقت نہ روک سکے گی۔

ایک دفعہ جب کہ اورنگ زیب پنجاب کے دورے پر آیا ہوا تھا اس کے کارندوں نے گورو تیغ بہادر کے خلاف کاروائی کی اور جلاد نے چاندنی چوک دہلی میں اسے قتل کر دیا اورنگ زیب اگر اس وقت دہلی میں ہوتا تو شاید یہاں تک نوبت نہ آتی۔ دسویں گورو گوبند سنگھ نے اپنی کتابوں میں اپنے والد کے قتل کا کہیں ذمہ دار اورنگ زیب کو نہیں ٹھہرایا۔ سکھوں کے ہاں گورو تیغ بہادر کی یہ موت عیسائیوں کے عقیدہ کفارہ کی طرح ایک مقدس قربانی سمجھی جاتی ہے۔ اس کے بعد یہ لوگ ایک باقاعدہ فوجی طاقت بنے اور انہوں نے ۱۷۰۴ء میں کھدرانہ میں مغلوں سے ایک بڑی جنگ لڑی۔

محققین کے ہاں گورو تیغ بہادر کے اس قتل کے پیچھے دھیرمل مذکور کا ہاتھ تھا جس نے مغلوں اور سکھوں میں کشیدگی پیدا کرنے کے لیے اس کاروائی کی زمین ہموار کی تھی۔ سکھ اپنے ہاں گورو کرشن کو اپنا پہلا شہید کہتے ہیں اور گورو تیغ بہادر کو اپنا دوسرا شہید بتلاتے ہیں۔

۱۰۔ گورو گوبند سنگھ (وفات ۱۷۰۸ء)

باپ کی وفات کے وقت گورو گوبند سنگھ کی عمر نو سال کی تھی۔ سکھ روایات کے مطابق گورو گوبند سنگھ ایک عرصے تک دریائے جمنا کے کنارے گیان میں رہے۔ گیان کی ابتدائی منزلیں آپ نے یہیں طے کیں۔ انہوں نے کچھ عربی اور سنسکرت کا بھی مطالعہ کیا اور مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کے نظریات کو سمجھنے کی بھی کوشش کی۔ انہوں نے اس کے ساتھ ساتھ سکھوں کو مسلح ہونے کی بھی پوری تربیت دی۔ آخر آپ نے تلونڈی کو

اپنا مستقر بنایا. گورو قلعہ چکور تحصیل روپڑ میں بھی اپنے دو لڑکوں (اجیت سنگھ اور جوجر سنگھ) اور چالیس چیلوں کے ساتھ ایک عرصہ تک مقیم رہے. روپڑیوں پر اب تک اس کے گہرے اثرات ہیں.

گورو گوبند سنگھ کا فلسفہ حیات انسان دوستی پر مبنی تھا. ہندو راجے نہ چاہتے تھے کہ گورو گوبند سنگھ کے مسلمانوں سے اچھے تعلقات قائم ہوں. اورنگ زیب روانے گورو صاحب سے ملنے کی خواہش بھی کی. گورو صاحب نے بھی بادشاہ کے جذبات کا پورا احساس کیا اور اورنگ زیب سے ملنے کے لیے دہلی کی طرف چل پڑے. مگر آپ کے دہلی پہنچنے سے پہلے اورنگ زیب کی ۲۰ فروری ۱۷۰۷ء کو وفات ہو گئی. شہزادہ معظم نے گورو صاحب کا بڑا اکرام کیا اور نئے سیاسی حالات میں گورو گوبند سنگھ نے بھی شہزادہ معظم کی بہت امداد کی. یہاں تک کہ ۱۷۰۸ء میں گورو صاحب بھی اپنے سفر آخرت پر روانہ ہو گئے گورو گوبند سنگھ نے اپنے آخری وقت میں گرنتھ صاحب کو منگایا اور اس پر پانچ پیسے اور ایک ناریل رکھ کر سلامی دی، اور پھر نہایت عاجزی اور رازداری سے اپنا سر گرنتھ کے آگے جھکا دیا اور اپنے پیروؤں کو وصیت کی :۔

> "تم میری جگہ اب اپنا گورو سری گرنتھ صاحب کو تسلیم کرو. جو بھی اسے مانے گا اجر پائے گا. اور گورو گرنتھ اسے آخرت میں مکتی اور نجات دلائے گا."

سکھوں میں اس کے بعد سے گوروؤں کی گرہائی. گورو گرنتھ کی روحانی اور لافانی گرہائی میں منتقل ہو گئی اور اب سکھ آئندہ اسی روحانی گورہائی کے سایہ میں چلے آرہے ہیں سکھ مت کے بانی بابا گرونانک سے اور انسانی گوروؤں میں نانک کی روح صرف نو گوروؤں میں رہی اور پھر یہ اپنے شبدوں اور شلوکوں کی صورت میں کلام کے روپ میں آگئی. اب ان کا عقیدہ بنا کہ ابدی سچائی انسانی روپ کے مقابل کلامی روپ میں زیادہ روشن ہوتی ہے.

سری گورو گرنتھ صاحب

نامناسب نہ ہوگا کہ قارئین کو گورو گرنتھ صاحب کے بارے میں بھی کچھ معلومات

مہیا کریں۔

جس طرح سکھ مذہب کے بانی باباگورونانک ہیں گرنتھ صاحب کے پہلے مؤلف بھی آپ ہی ہیں۔ آپ نے اس کا آغاز اپنے شبدوں اور شلوکوں سے کیا ہے۔ عقائد کے اعتبار سے باباگورونانک ہندو عقائد سے پورے نکلے دکھائی دیتے ہیں۔ شبد وہ الہامی الفاظ ہیں جو باباگورونانک نے بقول خود عنیب کی دنیا سے سُنے اور شلوک وہ اشعار ہیں جو آپ نے ذاتِ خداوندی میں گم ہوکر کہے۔ بابانانک نے اس میں بعض صوفیاء کرام کے اشعار بھی شامل کیے اور خدا کی محبت میں انہوں نے انسان دوستی کو اپنی منزل بتایا ہے۔ اس میں آپ کے ۹۷۴ شلوک درج ہیں۔ آپ نے اپنی وفات کے وقت اپنی یہ تالیف گورو انگدیو کے سپرد کی۔ ان کے اس میں صرف ۶۲ شلوک درج ہیں۔ تیسرے گورو امرداس نے اس میں اپنی بانیوں کا اضافہ کیا۔ آپ کے اس میں ۹۰۷ اشعار شامل کیے گئے۔ پھر چوتھے گورورام داس نے اس میں ۶۷۹ شلوک شامل کیے۔ پھر پانچویں گورو ارجن دیو نے اس میں اپنی دو جلد کی پوتھی ملادی۔ آپ کے ۲۱۸ ا شلوک اس میں شامل ہیں۔ اس طرح ۱۶۰۲ء میں گرنتھ صاحب کی تدوین مکمل ہوئی۔

گوروگرنتھ صاحب میں ہندوؤں کی بت پرستی کے مقابل توحیدِ خداوندی کی تعلیم ملتی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ خدا کے بارے میں وہ مسلم عقائد پر تھے۔ ہندوؤں کی ذات پات کے مقابل اس میں انسان دوستی کی تعلیم ہے اور اس میں کہیں بھی قرآن کریم اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف کوئی بات نہیں ملتی۔ اس میں مسلمان صوفیہ کرام اور درویشوں کے نام ملتے ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ سکھ گروؤں میں ہندو عقائد سے کھلی بغاوت تھی اور ان کی مسلمان صوفیہ کرام سے ہم آہنگی۔ یہ ان کی ایک سعادت تھی کہ اس تحریک سے ہندوؤں نے اپنے ہندو دھرم سے ایک تبدیلی کی کروٹ لی۔

گرنتھ صاحب میں مسلمانوں میں سے بارہویں صدی عیسوی کے شیخ فریدالدین گنج شکرؒ، تیرہویں صدی کے سندمنا قادری، چودھویں صدی کے بانندہ کبیر اور پندرہویں صدی کے مردانہ فقیر اور بھیکن فقیر اور سولہویں صدی کے بلوند صوفی قوال کے تذکرے بتلاتے ہیں کہ بابانانک مذہبی طور پر مسلمان تھے اور اگر وہ کچھ اور زندہ رہتے تو بہت ممکن تھا کہ وہ ہندوؤں کی ستی اور چتا جلانے کی رسموں کے خلاف بھی کھلا اعلان کرتے

اس پس منظر میں بابا نانک کی وفات پر لوگوں میں جوان کی میت کو جلانے اور دفن کرنے کا اختلاف چلا پوری طرح سمجھ میں آجاتا ہے۔ مسلمانوں کے ہندوستان آنے سے جو ہندو بت پرستی سے نفرت کرتے تھے انہیں بابا نانک کی اس تحریک سے سکھوں میں شامل ہونے کا موقع ملا جنہوں نے زیادہ ہمت کی وہ مسلمان ہوتے گئے اور کئی دوسرے تھے جنہوں نے سکھ مت میں آنے کو ہی غنیمت سمجھا۔ صورت حال کچھ بھی ہو ہندوؤں کے لیے بابا نانک کی تحریک کھلی بغاوت تھی۔ اب ان کے لیے اپنے بچاؤ کی واحد صورت یہی تھی کہ جس طرح بھی بن پڑے مسلمانوں اور سکھوں میں مخالفت اور دشمنی کی فضا ہموار کریں اور ظاہر ہے کہ اس قسم کے کاموں میں وہ لوگ جیت ہی جاتے ہیں جو فطرۃً سازش پسند ہوں۔

انگریز عملداری میں پرانے ہندو عقائد سے بیزاری نے آریہ تحریک کو جنم دیا۔ اور پنڈت دیانند نے ہندو مذہب کو بچانے کے لیے ویدوں کی تعلیم کو ایک نئی شکل دی اور آریہ ظہور میں آئے۔ اگر پنڈت جی نے مذکورہ تدبیر نہ کی ہوتی تو ہندوستان کے کثیر تعداد لوگ سکھ مذہب میں چلے جاتے۔

تاہم اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ بابا نانک اپنے نظریات وعقائد میں مسلمانوں کے بہت قریب تھے۔ بعد کے گورو اگر اپنی شادی، نکاح اور ناموں کے امتیاز اور مردوں کی رسوم میں ہندو رسوم کو نہ اپناتے تو آج پوری سکھ قوم مسلمانوں کا ہی ایک حصہ ہوتی۔ ہم مسلمانوں کو یہ مشورہ دینے میں یہ خوشی محسوس کرتے ہیں کہ وہ سکھ نظریات وعقائد کو تاریخ کے آئینہ میں نہیں گورو گرنتھ صاحب کے آئینہ میں دیکھیں۔

دشمنیاں سازشوں سے بھی پیدا ہو جاتی ہیں لیکن حقائق کبھی بدلے نہیں جاتے هذا ما سنح لی وعند الناس ما عندهم۔ تصوف اور اہل تصوف پر گہری نظر رکھنے والے شاید ہی ہمارے اس بیان سے اختلاف کر سکیں۔ تاہم ہر شخص کو ہمارے اس موقف سے اختلاف کرنے کا حق ہے۔ واقعات سے نظریات کشید کرنے میں غلطی بھی لگ سکتی ہے۔ تاہم عقائد وہ پختہ حقائق ہیں جن میں سکھ ہندو قوم کی نسبت ہمارے زیادہ قریب ہیں اور اتنے ہی قریب ہیں جتنا امرتسر لاہور کے زیادہ قریب ہے۔

واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب۔

ہندوستان کی دو مذہبی تحریکیں

ہندوستان میں ہندو اور مسلمان پہلے سے چلے آرہے تھے۔ حالات کے انقلاب میں یہاں دو جدید مذہبی تحریکیں اٹھیں۔ ہندوؤں سے سکھ نکلے اور مسلمانوں سے قادیانی نکلے۔ ہندوؤں نے سکھوں کو اپنے سے جدا ایک نیا مذہب قرار دیا اور مسلمانوں نے قادیانیوں کو اپنے سے جدا ایک غیر مسلم اقلیت کہا۔ سکھوں میں ہندوؤں کے بعض طریقے اب تک قائم ہیں لیکن ہندو انہیں کبھی ہندو نہیں کہتے۔ قادیانیوں میں بھی مسلمانوں کے بعض طریقے رسماً قائم ہیں اور مسلمان انہیں مسلمان نہیں سمجھتے۔

سکھوں کے دسویں نانک گورو گوبند سنگھ (۱۷۰۸ء) میں اور قادیانیوں کے پہلے گورو مرزا غلام احمد قادیانی (۱۹۰۸ء) میں دو صدیوں کا فاصلہ ہے۔

ان دونوں جدید مذہبوں میں سکھوں کی رفتار ترقی قادیانیوں کی رفتار ترقی سے بہت زیادہ رہی۔ سکھ ان دو صدیوں میں پورے پنجاب میں ہندوؤں کو پیچھے چھوڑ گئے پنجاب میں ہندو اقلیت میں چلے گئے اور سکھ اکثریت لے گئے۔ اس وقت بھی مشرقی پنجاب میں بڑی تعداد سکھوں کی ہے۔ اس کے برعکس قادیانی سارے پنجاب کا کیا کہنا اپنے سابق مرکز ربوہ (حال چناب نگر) میں بھی اکثریت نہ لے جا سکے۔ مرزا غلام احمد کے پانچویں جانشین مرزا طاہر کو رات کی تنہائی میں ربوہ چھوڑنا پڑا اور اس نے سیدھے انگلینڈ آکر دم لیا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ قادیانیوں کی رفتار ترقی اتنی کم کیوں ہے۔ افریقی ممالک میں بھی کسی جگہ یہ وہاں کے مسلمانوں سے اکثریت نہیں لے سکے۔ سکھوں نے ہندوؤں سے وہ مقابلے اور مناظرے نہیں کیے جو قادیانی مسلمانوں سے کرتے رہے۔ یہ مناظروں میں قادیانیوں کی شکستیں پر شکستیں تھیں جنہوں نے پنجاب کو مرزا غلام احمد کے بارے میں جھوٹا اور خائن ہونے کا یقین دلایا۔ اس کا نتیجہ یہ رہا کہ قادیانی عوامی سطح پر کہیں مسلمانوں سے جیت نہیں سکے۔ پھر مرزا غلام احمد کے اخلاق گورو گوبند سنگھ کے مقابلے میں بہت پست رہے۔ انسان اپنی زبان سے پہچانا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی مرزا غلام احمد سے عام نفرت اس وجہ سے بھی رہی کہ مرزا صاحب نے مسلمانوں کو نہایت فحش گالیاں دیں اور ان گالیوں پر مشتمل کتابوں کو قادیانی اپنے ہاں روحانی خزائن کہتے ہیں۔ یہ وہ غلط بیانی ہے جس کی وجہ

سے پورے برصغیر پاک و ہند اور بنگلہ دیش میں غلام احمد کی کچھ اچھی شہرت نہ رہی تھی۔
اس میں قادیانیوں کے اس پراپیگنڈے کا بھی کھلا رد ہے کہ اگر ان کا مذہب بالکل جھوٹا ہوتا تو وہ اب تک باقی نہ رہتے۔ پھر وہ خود مانتے کہ سکھوں کی رفتار ترقی ان کی رفتار ترقی سے بہت تیز رہی ہے۔ سو کسی مذہب پر ایک صدی بیت جانا یہ اس مذہب اور عقیدے کی صداقت کی دلیل نہیں بنتا۔ پھر سکھوں کی رفتار ترقی تو ان کی رفتار ترقی سے بہت آگے رہی ہے۔ پھر قادیانیوں کو مرزا غلام احمد کو ماننے کی بجائے گورو گوبند سنگھ کو اپنا پیشوا بنانا چاہیئے تھا۔ سکھ تو کچھ عرصہ کے لیے برسر حکومت بھی آئے۔ لیکن قادیانیوں کو اور مرزا غلام احمد کے چھ جانشینوں کو ایک لمحہ کے لیے بھی آزادی کی دولت نصیب نہیں ہوئی۔ پہلے یہ ہندوستان میں انگریزوں کے غلام رہے۔ پھر پاکستان میں یہ مسلمانوں کے ماتحت رہے اور پھر پاکستان سے انگلینڈ جا کر مرزا طاہر انگریزوں کی ماتحتی میں چلے آئے اور پوری دنیا میں یہ کہا گیا۔

ع پہنچی وہیں یہ خاک جہاں کا خمیر تھا

مسلم سلاطین ہند سکھ نظریات سے کبھی نہ ٹکرائے

ہندوستان کے فرمانرواؤں نے ہندوستان میں کبھی دوسرے مذہب کو نفرت سے نہ دیکھا۔ نہ ان میں سے کسی سے جارحیت کا برتاؤ کیا۔ مغل بادشاہ اکبر نے اپنی حدود سے نکل کر ہندوؤں کو اپنے ہاں پذیرائی بخشی۔
سکھ اصولی عقائد میں ہندوؤں کی نسبت مسلمانوں سے زیادہ قریب تھے۔ توحید باری تعالیٰ اور مسلم صوفیہ کرام سے محبت اور عقیدت میں یہ مسلمانوں کے زیادہ قریب آ لگے تھے۔ ان کے گوروؤں نے پاکپتن کے بابا فریدالدین گنج شکر سے جس عقیدت کا اظہار کیا ہے وہ کسی حلقے سے چھپی بات نہ تھی۔
اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مسلمان ہندوؤں کی نسبت سکھوں کو زیادہ نفرت کی نگاہ سے دیکھیں۔ سکھ ازم تو ایسی تحریک تھی جو ہندوؤں کو مسلمانوں کے زیادہ قریب لا رہی تھی۔ یہ بعض ہندوؤں کی شاطرانہ چال تھی جس نے سکھوں کو مسلمانوں کے خلاف ورغلا کر وقت کے بعض سیاسی حالات کو سکھ مسلم دشمنی میں بدل دیا۔

بات دراصل یہ تھی کہ مسلمان حکمرانوں کی بعض اپنے شہزادوں سے بھی کبھی سیاسی چشمک رہتی تھی. جب مسلمانوں کے دو گروپ آپس میں جنگ کرتے تو ظاہر ہے کہ ہندوستان کے عوام بھی کسی نہ کسی گروپ سے مل جاتے. اس صورتِ حال میں سکھ جو اپنے پیرایۂ زندگی میں فوجی طرز کی تربیت رکھتے تھے یہ بھی کسی نہ کسی گروہ کی حمایت میں میدان میں آجاتے تھے اس صورتِ حال میں اسے مسلم سکھ آویزش نہیں کہا جاسکتا نہ اسے مسلم سکھ اختلافات کا نام دیا جاسکتا ہے.

جنگ عظیم میں برطانیہ اور جرمنی دو بڑے فریق رہے. اس میں اتفاق سے ترک جرمنی کی حمایت میں تھے اور انگریزوں نے ان سے بھی بڑی ٹکر لی. لیکن تاریخ میں اسے کبھی عیسائی مسلم دشمنی کا نام نہیں دیا گیا.

مثلاً اورنگ زیب عالمگیر اور اس کے بھائی داراشکوہ کے مابین بہت اختلافات تھے اب اگر سکھ داراشکوہ کے ساتھ لگے تو اسے سکھ مسلم جارحیت کا نام کسی طرح نہیں دیا جاسکتا. جہانگیر کے خلاف بھی خسرو نے بغاوت کی تھی اور سوئے اتفاق سے سکھ خسرو کے ساتھ. اب ان حالات میں اگر جہانگیر نے سکھوں کے خلاف کوئی کارروائی کی تو اسے بھی سکھ مسلم دشمنی کا نام نہیں دیا جاسکتا. مسلم سلاطین ہند ہندوؤں سے زیادہ سے زیادہ نرم برتاؤ رکھتے تھے وہ سکھوں کے مذہبی افکار سے کس طرح کسی شدت اور جارحیت پر آسکتے تھے فریقین میں اس قسم کی باتیں چلانے میں یقیناً کوئی تیسرا ہاتھ کام کر رہا تھا.

ہمارے قارئین سکھوں کی ابتدائی تاریخ پر نظر کیے بغیر شاید اس گہری سازش سے پردہ نہ اٹھا سکیں.

سوال بعض بیماروں کو جب علاج سے کوئی فائدہ نہ پہنچے تو لوگوں میں یہ بات چل جاتی ہے کہ اس پر کسی نے کچھ کیا ہوا ہے ؟ پھر یہ لوگ عاملوں کی طرف رجوع کرتے ہیں جو اپنے عملیات میں یا عملیات کا اثر توڑنے میں مختلف علاقوں میں معروف ہوتے ہیں. سوال یہ ہے کہ کیا ایسا اثر ہوتا ہے کہ کوئی عامل اپنے عمل سے کسی کو بیمار کردے یا اپنی نظر سے کسی کو گرادے ؟ پھر کیا یہ ضروری ہے کہ عامل لوگ کچھ نیک شخصیتیں ہوں جن پر اللہ تعالیٰ غیب کے کچھ پردے کھول دیتے ہیں. کیا کوئی کالے علم کے عامل بھی ہوتے ہیں ؟ کسی مریض کو عامل کے پاس لے جانا کیسا ہے ؟

الجواب . ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض نے اپنے اوپر کسی عمل کے اثرات محسوس کیے سندھ کے کسی عامل کا وہاں سے گزر ہوا تو اس نے بتایا کہ ان پر کسی عورت نے عمل کیا ہے . امام محمدؒ روایت کرتے ہیں :-

ان عائشۃ زوج النبی اعتقت جاریۃ لہا عن دبر منہا ثم ان عائشۃ رضی اللہ عنہا بعد ذلک اشتکت ما شاء اللہ ان تشتکی ثم ان دخل علیہا رجل سندھی فقال لہا انت مطبوبۃ فقالت لہ عائشۃ ویلک من طبنی قال امرأۃ من نعتہا کذا وکذا وصفہا وقال ان فی حجرہا الآن صبیا قد بال فقالت عائشۃ ادعوا لی فلانۃ جاریۃ کانت تخدمہا فوجدوہا فی بیت جیران لہم فی حجرہا صبی قالت الآن حتی اغتسل بول ھذا صبی فغسلتہ ثم جاءت فقالت لہا عائشۃ اسحرتنی قالت نعم قالت لم قالت احببت العتق قالت فواللہ لا تعتقین ابدا .[1]

ترجمہ. حضرت عائشہ رض نے اپنی ایک باندی اپنے بعد کے لیے آزاد کردی . اس کے بعد حضرت عائشہ رض بیمار پڑگئیں اتنا عرصہ کہ اللہ ہی جانے کب تک بیمار رہیں. پھر ایک سندھی شخص آپ کے ہاں (علاج کے لیے) آیا اور اس نے آپ کو بتایا کہ آپ پر کسی نے عمل کیا ہوا ہے. آپ نے پوچھا کس نے ؟ اس (عامل) نے کہا ایک عورت نے جس کی پہچان یہ یہ ہے

---

[1] موطا امام محمد صہ ۳۵۹

اور یہاں تک بتایا کہ اس وقت اس کی گود میں بچہ ہے جس نے پیشاب کر دیا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا میری فلاں باندی کو بلاؤ یہ آپ کی خدمت کرتی تھی وہ اس وقت ہمسایوں کے ہاں گئی ہوئی تھی۔ اس نے بلانے والوں کو کہا میں ابھی آتی ہوں اس بچے کا پیشاب دھولوں۔ اس نے اسے دھویا اور پھر وہ آپ کے پاس آگئی۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا تم نے مجھ پر (بیماری کا) کوئی عمل کر رکھا ہے؟ اس نے کہا ہاں (حضرت عائشہ صدیقہؓ پر صدق کی تجلی اس طرح چھائی رہتی تھی کہ اس کے سایہ میں بھی کوئی جھوٹ نہ بول سکتا تھا) آپ نے پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا میں جلدی آزاد ہونا چاہتی تھی آپ نے اسے کہا تو کبھی آزاد نہ ہو پائے گی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان دنوں بھی ایسے عامل موجود تھے جو اپنے عملیات سے سحر زدہ کو پہچان لیتے تھے اور ایسے بھی تھے جو مؤکلین کے ذریعہ اس عمل کرنے والے کو بھی جان لیتے تھے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ اس وقت ان اثرات کو جان لینا کسی بزرگی کا نشان نہ سمجھا جاتا تھا ورنہ اس وقت اس حلقے میں حضرت عائشہؓ سے زیادہ کس کی حرمت تھی۔

پھر اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس طرح عاملوں کی بات پر اعتبار کر لینا کوئی ناجائز بات نہ تھی۔ ہاں اس طرح حاصل ہونے والی معلومات پر صحابہؓ کے ہاں قانونی فیصلے نہ کیے جاتے تھے۔ یہ جس درجے کے معلومات ہوتے تھے انہی کے مطابق ان کا توڑ کر لیا جاتا تھا۔ نظر سے کسی پر عمل کرنا اس کی بھی کئی مثالیں اس دور کی ملتی ہیں۔

ان عروة بن الزبير اخبره ان رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل بيت ام سلمة وفى البيت صبي يبكى فذكروا ان به العين فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم افلا تسترقون له من العين قال محمد وبه ناخذ لا نرى بالرقية بأساً اذا كانت من ذكر الله تعالى۔[1]

ترجمہ: حضرت عروہ بن الزبیرؓ نے اسے خبر دی کہ ایک دفعہ حضورؐ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کے گھر آئے اور گھر میں ایک بچہ تھا جو رو رہا تھا۔ لوگوں نے

---

[1] رواہ محمد ص۳۷۳

اس کے بارے میں کہا کہ اسے نظر لگی ہے حضور اکرمؐ نے پوچھا تم اس پر نظر اتارنے کا عمل کیوں نہیں کرتے۔

امام محمدؒ نے اس حدیث پر یہ نوٹ دیا ہے:۔

ہم اس طرح دم کرنے میں بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلمات سے ہو کوئی حرج نہیں سمجھتے۔

سو اس میں کوئی شک نہیں کہ انسانی امراض میں خوراک وغیرہ کی بے اعتدالی کے علاوہ کبھی کچھ باطنی اعمال بھی اثر کرتے ہیں۔ اس راہ سے کسی پر جادو کرنا یا کسی پر اثرات ڈالنا جائز نہیں۔ کسی انسان کو اس طرح کوئی گزند پہنچانا اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی۔ ہاں اس قسم کے اثرات اتارنے کے لیے کسی کو دم کرنا اس کی شریعت میں اجازت ہے۔ امام محمدؒ نے لا نری بأساً سے اسے جائز ٹھہرایا ہے۔

سوال۔ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری (۱۳۴۷ھ) اور ان کے خلیفہ شاہ محمد اسمٰعیل المعروف حضرت کرماں والے (۱۳۸۵ھ) نقشبندی سلسلہ کے مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ علمائے دیوبند کے بارے میں یہ حضرات اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی سے متفق تھے اور کیا یہ حضرات مولانا احمد رضا خاں کو اعلیحضرت مانتے تھے؟

الجواب۔ حضرت شاہ محمد اسمٰعیل کرماں والے کے ایک مرید اور معتقد مولانا محمد اکرم تھے جو چالیس سال تک آپ کے ساتھ رہے اور سفر و حضر میں آپ سے اکتساب فیض کیا اور انہوں نے حضرت شاہ محمد اسمٰعیل کے فیوض و معارف پر ایک مستقل کتاب معارف نقشبندیہ مجددیہ میں تحریر کیے ہیں۔ حافظ محمد افضل فقیر نے اس کا دیباچہ لکھا ہے۔ مولانا محمد اکرم مذکور کے دوستوں میں مولانا محمد عمر اچھروی اور مولانا غلام علی اوکاڑوی کا ذکر بھی آتا ہے۔ ہم اس سوال کا جواب مولانا محمد اکرم کی مذکورہ کتاب کے حوالوں سے ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔ ان جوابات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت میاں شیر محمد صاحبؒ قطعاً مولانا احمد رضا خاں کے عقیدے پر نہ تھے۔ حضرت شاہ محمد اسمٰعیل بھی مولانا غلام علی اوکاڑوی کے ہم خیال نہ تھے۔

مولانا اوکاڑوی آپ کی مجلس میں ضرور حاضری دیتے تھے۔ ایک دفعہ ان کی موجودگی میں حضرت شاہ اسمٰعیل نے انہیں مخاطب کر کے کہا۔

مولانا: لوگ دکھاوے کے لیے یارسول اللہ کا نعرہ لگاتے ہیں اس کا کچھ فائدہ نہیں۔ اگر شوق اور محبت سے ایک دفعہ یارسول اللہ کہا جائے تو رب کریم کی بے شمار رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور بیڑا پار ہو جاتا ہے۔[1]

حضرت شاہ صاحب نے بتایا کہ یارسول نعرہ لگانے کی چیز نہیں حضور کے روضہ پر کہنے کی بات ہے۔ اس کا نعرہ لگانے کی بجائے یارسول اللہ مدینہ شریف میں روضہ مبارکہ پر حاضری کے وقت نیازمندانہ ادا سے کہا جائے۔ اس ایک نیازمندانہ ادا سے بے شمار رحمتیں برستی ہیں اور بیڑا پار ہو جاتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے یہ بھی برملا کہا کہ یارسول اللہ کا نعرہ لگانے والے صرف دکھاوے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ ان کی یہ آواز شوقِ محبت سے نہیں اٹھتی۔

علماء دیوبند کے بارے میں حضرت میاں شیر محمد شرقپوری کا مسلک

مولانا محمد اکرم صاحب ایم اے محمد اسحٰق صاحب مزنگ والے سے نقل کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت سید نورالحسن شاہ صاحبؒ حکیم (محمد اسحٰق) صاحب اور ایک اور ایک اور ساتھی کے ہمراہ حضرت میاں صاحبؒ کے حکم کے مطابق دیوبند گئے اور شیخ الحدیث حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے جب حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا کہ یہ حضرات شرقپور سے تشریف لائے ہیں تو بے ساختہ فرمایا "وہ جہاں اللہ کا شیر رہتا ہے میری تمنا ہے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر شرفِ نیاز حاصل کروں۔"

چنانچہ وہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ حضرت قبلہ کی حاضری کے لیے شرقپور تشریف لائے اور بوقت روانگی حضرت قبلہ سے پیٹھ پر بغرض حصولِ فیوض و برکات ہاتھ پھیرنے کی خواہش فرمائی اور خوشی خوشی رخصت ہوئے۔[2]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ علماء دیوبند کے بارے میں مولانا احمد رضا خاں کے عقیدے پر نہ تھے اور وہ آپ کو اعلیٰحضرت نہ مانتے تھے۔

---

[1] معارف نقشبندیہ ص ۱۲۸

حضرت شاہ اسمٰعیل کرمانوالے علماء دیوبند کے حلقہ تلمذ میں

مولانا محمد اکرم لکھتے ہیں :-

آپ تقریباً بیس سال کی عمر میں اعلیٰ دینی علوم کے حصول کی طرف متوجہ ہوئے
سہارنپور میں مدرسہ مظاہر العلوم ان دنوں تشنگان علم دین کے لیے ایک
چشمہ فیض تھا۔ آپ (حضرت شاہ اسمٰعیل) نے وہیں کا قصد کیا بوقت
رخصت آپ کے چچا نے فرمایا برخوردار وہ علم حاصل کر کے آنا جس سے
مخلوق خدا کو نفع پہنچے نہ کہ وہ علم جو خشک ہو اور صرف قیل و قال تک
محدود ہو [1]

یہ وہی مدرسہ ہے جس کے شیخ الحدیث حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری تھے۔ آپ پر مولانا احمد رضا خاں نے کفر کا فتوے لگا رکھا تھا۔ مگر حضرت اسمٰعیل نے اس فتوے کی قطعاً کوئی پرواہ نہ کی اور ان ہی کے پاس طالب علمانہ نیازمندی کے ساتھ پہنچے۔
مولانا محمد اکرم مذکور لکھتے ہیں :-

مدرسہ مظاہر العلوم میں ان دنوں مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس
تھے وہاں سے تکمیل علم کی سند حاصل کرنے کے بعد آپ نے دہلی میں
مدرسہ مولوی عبدالرب میں داخل ہو کر شیخ الحدیث مولانا عبدالعلی صاحب
قاسمی جیسے متبحر عالم سے بھی دورہ حدیث ختم کیا۔ [2]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت میاں صاحب شرقپوریؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ
یہ دونوں حضرات مولانا احمد رضا خاں کے مسلک پر نہ تھے۔

حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ جب شرقپور حضرت میاں صاحبؒ کے پاس گئے تھے تو ان کے ساتھ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ بھی تھے۔ جیسا کہ خزینۂ معرفت مؤلفہ صوفی محمد ابراہیم قصوری کے صہ پر مذکور ہے۔ حضرت میاں صاحبؒ حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ سے بھی اتنا متاثر ہو۔ ئے کہ آپ ہر آنے جانے والے سے آپ کی خیریت بھی پوچھتے۔ مولانا محمد اکرم صاحب مذکور بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ لاہور کے مفتی غلام جان متولی اونچی مسجد لاہور مدرس مدرسہ نعمانیہ لاہور

---

[1] معارف نقشبندیہ ص۹۵ [2] ایضاً

حضرت میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ لکھتے ہیں :۔

پھر مولوی غلام مرشد صاحب اور مولوی احمد علی صاحب کے متعلق دریافت فرمایا۔[1]

مولانا غلام مرشدؒ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کے شاگرد تھے اور اس وقت لاہور کی بادشاہی مسجد کے خطیب تھے۔ سنہری مسجد لاہور آپ کا درس قرآن مرجع خواص و عام تھا علمائے دیوبند سے اس تعلق کے باعث کئی نادان شرقپور میں حضرت میاں صاحبؒ کی مسجد کے بارے میں پروپیگنڈا کرتے تھے کہ یہ وہابیوں کی مسجد ہے۔ صوفی محمد ابراہیم قصوری ایک جگہ لکھتے ہیں :۔

بعض بے سمجھ کہہ دیتے تھے کہ یہ وہابیوں کی مسجد ہے۔[2]

جب تک شرقپور کے گدی نشینوں نے علمائے دیوبند سے یہ عقیدت ختم نہ کی عام لوگوں میں یہی پراپیگنڈا جاری رہا۔ تاہم حضرت میاں صاحبؒ دیوبند کے بارے میں کھل کر کہتے رہے کہ وہاں چار نوری وجود ہیں اور ان میں ایک حضرت مولانا انور شاہ کشمیری ہیں۔ دیوبند میں نقشبندی نسبت کے بڑے امین حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی (۱۳۴۷ھ) تھے۔

حضرت میاں صاحبؒ کی دیوبند سے قلبی نسبت اس درجہ میں رہی کہ ان دونوں بزرگوں نے ایک ہی سال وفات پائی اور نقشبندی نسبت کے یہ دونوں چراغ ایک ہی سال ان نظروں سے اوجھل ہوئے۔

---

[1] معارف نقشبندیہ مجددیہ صفحہ ۸۲ [2] خزینۂ معرفت صفحہ ۳۱۷ زیرِ عنوان مشربِ عالی کی تبدیلی

ایک جاسوس ہمفرے کے شیخ نجد کے خلاف الزامات لائق تسلیم نہیں

شیخ محمد بن عبدالوہاب لکھتے ہیں کہ سلیمان بن سحیم نے مجھ پر افتراء کیا ہے کہ (۱) میں مذاہب اربعہ میں سے کسی کا پیرو نہیں اور (۲) یہ کہ میں صحابہ اور ائمہ کے فقہی اختلاف میں صرف ایک عمل کو حق پر سمجھتا ہوں (۳) یہ کہ میں یہ نظریہ نہیں رکھتا کہ امت کے فقہی اختلافات رحمت ہیں اور ان میں وسعت عمل ہے بلکہ میں انہیں نقمت سمجھتا ہوں. پھر شیخ نے اپنے دفاع میں کہا ہے کہ یہ سب الزامات ہیں میرا یہ مذہب نہیں ہے.

سوال یہ ہے کہ سلمان بن سحیم کا یہ افتراء اس قدر شہرت کیوں پکڑے ہوئے تھا کہ حضرت شیخ کو اس کی کھلی تردید کرنی پڑی. اور علامہ شامی آخر تک اس پروپیگنڈے کا شکار رہے اور ان تک شیخ کے اصل عقائد اور ان کی سلیمان بن سحیم کی تردید نہ پہنچ سکی.

اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ایک انگریز سیاسی جاسوس ہمفرے نے اپنے سیاسی اعترافات میں کہیں شیخ کا نام لے لیا وہاں سے شیخ کے خلاف ایک پورا طوفان بدتمیزی اٹھ کھڑا ہوا اور پھر شیخ کو اس کی تردید کرنا پڑی.

ہمفرے کی یہ تحریریں کہ وہ کس طرح مسلمان ممالک میں انگریزوں کی نوآبادیات کی وزارت کے تحت جاسوسی کرتا رہا. انگریزی عربی اور فرانسیسی زبان میں چھپ چکی ہیں. ان کا انگریزی نام ملاحظہ فرمائیں:۔

COLONIZATION IDEAL

Mr. Humphrey's Memories

The **ENGLISH SPY** in Muslim Countries

ہمفرے کی یادداشتیں دوسری عالمگیر جنگ کے دوران جرمنوں کے ہاتھ لگیں. توانہوں نے اس کی عام آواز لگادی دیکھو انگریز قوم کس طرح پوری دنیا میں اپنی نوآبادیات قائم کرتی آئی ہے. ان کے سامنے پوری دنیا کو اپنا غلام بنانے کا طے شدہ پروگرام ہے. اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے دوسری قوموں کو آپس میں لڑانا اور ان میں اختلافات

پیدا کرنا ان کی رازدارانہ محنت رہی ہے. ہمفرے کی ان یادداشتوں کو پھر ان دنوں ایک جرمن رسالے اسپگل میں شائع کر دیا گیا۔

یہ یادداشتیں پھر ایک فرانسیسی رسالے کے ذریعے دنیا میں پھیلیں اور یہاں سے یہ لبنان پہنچیں. ایک لبنانی دانشور نے ان کا عربی ترجمہ کیا اور انہیں عرب ممالک میں نہایت وسیع پیمانے پر اشاعت دی. پھر یو.کے میں مسلم یوتھ سوسائٹی نے اردو ترجمہ کر کے اسے ۱۲۸ نارتھ گیٹ روڈ سٹاک پورٹ سے شائع کیا ہے۔

اس میں ہمفرے نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کو اس برطانوی بین الاقوامی سازش میں شریک بتلایا ہے. جو پہلی جنگ عظیم میں ترکی خلافت کے خلاف کی گئی تھی. ہو سکتا ہے کہ سلیمان بن سحیم نے ہمفرے کی دی معلومات سے شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف یہ باتیں کی ہوں. شیخ محمد بن عبدالوہاب کی اس تردید کی روشنی میں ہم ہمفرے اور سلیمان بن سحیم دونوں کی رپورٹوں کو مسترد کرتے ہیں. نیک گمانی کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن کسی کے خلاف بدگمانی کرنا بغیر کسی شرعی دلیل کے جائز نہیں اور پھر مسلمانوں سے تو نیک گمان ہی کیا جائے. ظنوا بالمؤمنین خیرا. ہم ایک مسلمان کے خلاف ایک غیر مسلم کی اطلاع پر اتنی بڑی بات نہیں کہہ سکتے. تاہم یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ہمفرے کو تاج برطانیہ سے اس وقت کیا ہدایات ملی تھیں اسے اس کے ان الفاظ میں دیکھئے ۔

۱. مسلمانوں کی ان کمزوریوں کی نشاندہی کرو جو ہمیں ان تک پہنچنے اور ان کے مختلف گروہوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے میں کامیابی فراہم کریں.

۲. ان کی کمزوریاں جان لینے کے بعد تمہارا دوسرا کام ان میں اختلاف ڈالنا ہے ۔

ہمفرے یہ بھی لکھتا ہے کہ عراق جانے سے پہلے اس وزارت کے ایک عہدیدار نے اسے لندن میں کہا ۔

۱. ہمفرے تم جانتے ہو کہ یہ جنگ اور جھگڑے انسان کے لیے ایک فطری امر ہیں اور جب سے خدا نے آدم کو پیدا کیا اور اس کی صلب سے ہابیل اور قابیل پیدا ہوتے تو اختلافات نے سر اٹھا لیا اور اب اس کھچاؤ کو حضرت عیسیٰ کی بازگشت تک جاری رہنا ہے۔

۲. جب تک ہم اپنی نوآبادیات میں تفرقہ، سازش اور اختلاف کو ہوا نہ دیں اس

وقت تک ہم ترکی خلافت اور عثمانی سلطنت کو شکست نہیں دے سکتے.

۳. ہمفرے اس سفر میں تمہارا اہم ترین کام مسلمانوں کے درمیان ان کے نسلی. قبائلی. علاقائی. قومی اور مذہبی اختلافات کو بڑھانا ہے اور انہیں دوسرے علاقوں میں مواد دینے کے طریقوں کو سیکھنا ہے. اس راہ میں جتنی معلومات تمہیں ملیں ان کی اطلاع لندن کی اس وزارت تک پہنچانا ہے.

۴. ان میں جو اسلام پہلے سے چلا آرہا ہے اس میں اختلاف اور شک کی راہیں پیدا کرنی ہیں.

ہمفرے اپنے جاسوسی کے عمل پر

بصرہ پہنچ کر ہمفرے نے اپنے آپ کو ترک ظاہر کیا اور وہاں کے مشہور عالم شیخ عمر طائی کو بتایا:.

میں ترکی میں واقع آغ دیر کا رہنے والا ہوں اور میں قسطنطنیہ کے شیخ احمد کا شاگرد رہوں ہیں وہاں خالد بڑھئی کے پاس کام کرتا رہا ہوں. اس لائن میں وہ بھی میرا استاد ہے.

ہمیں اس وقت اس کی پوری کارکردگی سے اور ان واقعات کی صحت و غلطی سے سروکار نہیں. یہاں آپ صرف یہ جانیں کہ اس نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں کیا معلومات دیں. ہمفرے کہتا ہے :.

۱. بصرہ میں اسے عبدالرضا ایرانی کی مجالس بھی ملیں. اس کے ہاں دوپہر کے وقت بصرہ میں ایرانی جمع ہوتے اور وہاں ہر طرح کی بات چلتی تھی. یہ سب کے سب شیعہ لوگ ہوتے تھے. ان کی عثمانی سلطنت پر عام تنقید ہوتی تھی جو کوئی اجنبی وہاں آنکلتا تو یہ یکسر خاموش ہوجاتے تھے.

اس وقت انگریز ترکی خلافت توڑنے پر ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے.

۲. وہیں ہمفرے کی ملاقات محمد بن عبدالوہاب سے ہوئی. ہمفرے لکھتا ہے :.

محمد بن عبدالوہاب ایک آزاد خیال شخص تھا. اس کا ذہن شیعہ سنی تعصبات سے پاک تھا. اس کے ہاں حنفی. شافعی. حنبلی اور مالکی مکاتب فکر کی کوئی

اہمیت نہ تھی۔ وہ کہتا تھا خدا نے جو کچھ قرآن میں کہہ دیا ہے وہ ہمارے لیے کافی ہے۔ وہ کہتا تھا پیغمبر خدا نے صرف کتاب و سنت کو ناقابل تغیر اصول بتایا ہے۔ اور کبھی یہ نہیں کہا کہ صحابہ اور ائمہ دین کے فرمودات اٹل اور وحی منزل ہیں۔ علماء اربعہ حتیٰ کہ صحابہ کی رائے کچھ بھی کیوں نہ ہو ہمیں ان کے اتفاق و اختلاف پر اپنے دین کو استوار نہیں کرنا چاہیے۔

غالباً شیخ محمد بن عبدالوہاب کی یہی باتیں سلیمان بن سحیم کو پہنچی ہوں گی اور اس نے شیخ کے خلاف ان باتوں کو ہوا دی ہو گی۔ لیکن شیخ کی اس واضح تردید کے بعد ہم ہمفرے کی ان باتوں پر زیادہ اعتماد نہیں کر سکتے۔ تاہم ایک بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شیخ کے مذاہب اربعہ کو حق کہنے کے باوجود سعودی عرب میں ترکوں کے خلاف اور حنفی فقہ کے خلاف بہت نفرت محسوس کی جاتی ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کا ذہن سنی شیعہ اختلافات سے پاک تھا۔ ہمفرے نے اپنی ان یادداشتوں میں شیخ کے متعہ کرنے کا بھی ذکر کیا ہے۔ ہمفرے لکھتا ہے :۔

> میں نے شیخ محمد بن عبدالوہاب سے بہت گہرے تعلقات قائم کر لیے۔ میں نے اس سے طے کیا کہ ہم علماء مفسرین، ائمہ مذاہب اور صحابہ رضی سے ہٹ کر نئے افکار کی بنیاد پر قرآن کریم پر گفتگو کریں۔ میرا لائحہ عمل یہ تھا کہ جس طرح بھی ہو شیخ کو نو آبادیات کی وزارت میں گھیر لاؤں۔

ہمفرے آگے جا کر لکھتا ہے :۔

> اس کام میں صفیہ بھی میری مددگار تھی کیونکہ شیخ اسے دیوانوں کی طرح چاہتے تھے اور ہم ہر ہفتہ اس سے متعہ کی مدت بڑھا لیتے تھے۔

بات دور تک نکل گئی ہے ہم ہمفرے کی ان باتوں کو کہاں تک مانیں۔ شیخ کی تحریرات ان سب امور کی تردید کرتی ہیں۔ لیکن ہم محسوس کرتے ہیں کہ شیخ کے علمی وارثوں نے سعودی عرب کے حنبلی فقہاء کے متوازی وہاں ان خیالات کو بھی بہت فروغ دیا ہے جو ہمفرے نے شیخ کے بارے میں لکھی ہیں۔ کیا سعودی عرب میں غیر مقلد علماء بڑے بڑے عہدوں تک نہ پہنچے ایسا کیوں ہوا ؟ کیا وہاں کے فقہائے حنابلہ کی اس احتجاج میں کچھ حوصلہ افزائی کی گئی ؟ نہیں۔ وہاں بھی آپ سلفی علماء کو حنبلی مقلدین پر ہمیشہ چڑھائی کرتا پائیں گے۔

تاریخ کے طالب علم یہ بات بڑے وثوق سے کہتے پائے گئے ہیں کہ خلافتِ عثمانیہ کو کمزور کرنے میں انگریزوں، بصرہ کی مذکورہ مجالس میں سیاسی کام کرنے والے ایرانیوں، مذاہب کے خلاف کام کرنے والے غیر مقلدین اور مولانا مصطفیٰ رضا خاں کی تحریروں کا بڑا دخل ہے۔

شریف مکہ گو انگریزوں کی سیاسی مکر میں ان کے ساتھ تھے لیکن عقائد میں انہوں نے مولانا احمد رضا خاں سے تین ایسے سوالات پوچھے تھے جن کے جوابات سے خان صاحب پوری طرح عہدہ برآ نہ ہو سکے اور انہیں بے نیل مرام ہندوستان واپس آنا پڑا۔

بڑی سازشیں کبھی ایک شخص کی تحریک نہیں ہوتیں۔ ترکی خلافت ختم کرنے کے لیے ہم ان سب حلقوں کو یکساں مصروف پاتے ہیں۔ تاہم اس میں کسی شک کو راہ نہیں ملتی کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب پر ہمفرے نے جو متعہ کے الزامات لگائے ہیں، ہمیں ان کی کوئی تاریخ نہیں ملتی نہ صفیہ کے بارے میں کچھ معلومات ملتی ہیں کہ وہ متعہ میں ثواب پانے کا عقیدہ رکھتی تھی۔

تاہم ہمفرے کی بات کا اگر کچھ اعتبار کیا جائے تو شیخ محمد بن عبدالوہاب ایک وسیع الظرف شخصیت نظر آتے ہیں، کیونکہ متعہ صرف اثنا عشریوں کے ہاں جنسی تسکین کا ایک ذریعہ ہے۔ ایران کے خمینی دور کے صدر علی اکبر ہاشمی رفسنجانی ۱۹۹۰ء کے آخر میں انگلینڈ آئے تھے انہوں نے ایرانی طلبہ کو متعہ کرنے کی ترغیب دی ہم نے روزنامہ جنگ لندن کی ۷ر دسمبر ۱۹۹۰ء کی اشاعت میں پڑھا۔

> ایران میں اسلامی انقلاب کے گیارہ برس بعد صدر علی اکبر ہاشمی رفسنجانی نے جنسی اور سماجی میل جول کی طرف زیادہ لبرل رویہ اپنانے کی مہم شروع کی ہے انہوں نے متعہ کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ اگر ایران نے بڑی تعداد میں اپنے لوگوں کی جنسی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے قلیل المیعاد شادیوں کو تسلیم نہ کیا تو اسے شکست کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ایرانی ٹی۔ وی پر انٹرویو دیتے ہوئے صدر رفسنجانی نے کہا کہ وہ متعہ کے متعلق سنجیدہ نکتہ اظہار ہے ہیں اور وہ اس پر اصرار کرتے رہیں گے۔ انہوں نے کہا کہ اگر متعہ کو عام نہ کیا گیا اور اس کے ساتھ منسلک بدنامی کو ختم نہ کیا گیا تو ہمارا معاشرہ شکست وریخت کا شکار ہو جائے گا کیونکہ ہم نوجوانوں کی جنسی ضروریات کو پورا نہیں کر سکیں گے۔ [1]

---

[1] روزنامہ جنگ لندن، ۷ر دسمبر ۱۹۹۰ء

حزب الانصار جامع مسجد بھیرہ ضلع سرگودھا کا تاریخی مسلک

شمالی پنجاب میں دو سو سال سے بگوی خاندان کے لوگ جامع مسجد بھیرہ میں اہل سنت مسلمانوں کی درس و تدریس اور تقریر و تحریر میں دینی خدمات بجا لا رہے ہیں حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی کے شاگردوں میں دو بھائیوں مولانا احمد الدین بگوی (۱۲۸۶ھ) اور مولانا غلام محی الدین بگوی کے نام سرفہرست ہیں۔ مولانا احمد دین بگوی کی قبر جامع مسجد کی جنوبی طرف ایک ہال میں مرجع زائرین ہے۔ آپ نے مولانا شاہ اسماعیل شہید کو بہت قریب سے دیکھا آپ سے ان کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے لکھا:۔

> اللہ کی راہ میں اپنے وطن کو چھوڑنے والا غازی اور اللہ کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے والا مولوی محمد اسماعیل ظاہر حال میں دنیا سے پاک وصاف ہو کے گیا۔۔۔ جو کوئی ایسے عالم فاضل متبع سنت کے حق میں بدظنی اور کفر کا اعتقاد کرے وہ آپ ہی اس بلا میں مبتلا ہے اور منکر ہے آیات و احادیث کا ۔۔۔۔ یا کلمہ دین کا اس کے حلق سے نیچے نہیں اترا۔ [1]

آج سے ایک صدی پہلے مجلس حزب الانصار بھیرہ مولانا ظہور احمد بگوی کی امارت میں رفض اور قادیانیت کے حملوں کا سدباب کر رہی تھی۔ ماہنامہ شمس الاسلام اس مجلس کا جماعتی آرگن تھا۔ مولانا بہاؤ الحق قاسمی امرتسری اس کے منصرم رہے ہیں۔ اس علاقے میں عام اہلسنت والجماعت مسلمان رسم و رواج میں بریلوی طریق کے ہی عملاً قریب رہے ہیں، تاہم جامع مسجد بھیرہ نے عوام میں دیوبندی بریلوی اختلافات ابھارنے کی ہمیشہ حوصلہ شکنی کی ہے۔ مجلس احرار اسلام کے دور میں یہاں حضرت مولانا محمد علی جالندھری اور مولانا صاحبزادہ فیض الحسن سجادہ نشین آلومہار کی تقریریں ایک سٹیج پر ہوتی تھیں۔ مجلس حزب الانصار کے کہنے پر مولانا سید ولایت حسین رئیس دیورہ (صوبہ بہار) نے رفض کے خلاف ایک کتاب کشف التلبیس تین حصوں میں لکھی جو سرگودھا کے منوہر پریس (ایک ہندو پریس) میں چھپی ہم اس کے صـ۴۴ کی ایک عبارت ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ بھیرہ ضلع سرگودھا کا یہ دینی مرکز کس طرح دیوبند کا عقیدت مند رہا ہے۔ اس میں جہاں سید ولایت حسین

[1] عشرہ کاملہ طبع ۲۷۳ ۱۲ھ فخر المطابع دہلی

نے حضرت حسنؓ اور حضرت معاویہؓ کی شرائطِ صلح تاریخ حبیب السیر نقل کی ہیں۔ اس کے حاشیہ میں ہے
یہ صلحنامہ کشف الغمہ مصنفہ علی بن عیسیٰ اربلی میں بھی مذکور ہے۔ کذا افادنی
استاذی وملاذی مولانا خلیل احمد انبیٹھوی سلمہ اللہ القوی۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ مجلس حزب الانصار بھیرہ کے بزرگ علماء دیوبند کے بہت قریب رہے ہیں۔ ان علاقوں کے جو لوگ بعض بدعات میں ملوث رہے وہ بھی اکابر علماء دیوبند کا بہت احترام کرتے رہے ہیں۔ یہ لوگ مولانا احمد رضا خاں کی تحریک تکفیر سے بالکل متفق نہیں تھے۔

آپ نے اہل بیت کرام سے اپنی عقیدت ان لفظوں میں گذارش کی ہے۔

آل النبی ذریعتی	وھم الیہ وسیلتی	ارجوا بھم اعطیٰ غداً
بیدی الیمین صحیفتی	صلوٰۃ اللہ علی الہدی	ھادی للخلق الی النھج
وابی بکر فی سیرتہ	ولسان مقالتہ اللھج	وابی حفص وکرامتہ
فی قصد ساریۃ الخلج	وابی عمر ذی النورین	المستحی المستحی البھج
وابی حسن فی العلم اذا	وافی لسحاتہ الخلج	وعلی السبطین وامھما
وجمیع الآل بمندرج	وصحابتہم وقرابتہم	وثقات الاثر بلا عوج
وعلی اتباعھم العلماء	بعوارف دینھم البھج	

حزب الانصار بھیرہ کی شائع کردہ کتاب کشف التلبیس اس دعا پر ختم ہوتی ہے۔

اللّٰھم یارب بجاہ نبیک المصطفیٰ ورسولک المرتضیٰ طہر قلوبنا من کل وصف یباعدنا عن مشاھدتک ومحبتک وامتنا علی السنۃ والجماعۃ والشوق الیٰ لقائک یاذوا الجلال والاکرام وافضل الصلوٰت واکمل التحیات علیٰ اشرف المخلوقات سیدنا محمد صاحب الشفاعات وجمیع الانبیاء والمرسلین والشہداء والصالحین ومن تبعہم باحسان الیٰ یوم الدین خصوصًا سیدی وسندی ووسیلتی یومی وغدی مولینا رشید احمد الگنگوھی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

اس سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ شمالی پنجاب کا یہ خطہ پچھلی صدی میں کس قدر علماء دیوبند کا عقیدت مند رہا ہے۔ سابق امیر حزب الانصار مولانا افتخار احمد بگوی حضرت مفتی کفایت اللہ محدث دہلوی کے شاگرد تھے۔

مسلمان اپنی تاریخ میں کئی خفیہ تنظیموں سے گزرے

خفیہ تنظیموں کی ایک اپنی تاریخ ہوتی ہے ان سب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کا مشترکہ عمل خلافِ ظاہر کو اپنانا اپنی روایات سے نکلنا اور نئی بات سامنے لانا رہا ہے حضورؐ کے زمانے کے منافقین صحابہؓ کو بے وقوف کہتے اور کہتے ہم ان جیسا ایمان کیوں لائیں یہ تو بے وقوف ہیں ۔۔ عبداللہ بن سبا نے کہا ہم پہلے خلفاء کو کیوں مانیں حضرت علیؓ کی امامت، تو منصوص ہے ۔۔ پہلی راہ سے نکلنے کو الحاد کہتے ہیں اور زندقہ اس کی راہ عمل ہے جو معمار دیوار بناتے ہیں انہیں انگریزی میں Mason میسن کہتے ہیں اور جو پچھلی تعمیر سے ہٹ کر نئی راہ تجویز کریں وہ Free Mason فری میسن ہیں اور جو کسی بات کے پابند نہیں آزادیٔ فکر سے وہ تقلید سے ہٹتے ہیں ضبطِ ملت تقلید کے بغیر نہیں ہوتا اور انتشارِ ملت کے لیے سازش کرنے والے ہمیشہ خفیہ تنظیموں سے چلتے ہیں۔

پرانے اسلام سے نکالنے کے لیے مرزا غلام احمد کو ساتھی کن سے ملے ؟ کسی فری میسن تنظیم سے یہ کن لوگوں کی تنظیم ہوتی ہے جن کے ارادے مخفی ہوں ظاہر کچھ ہو اور اندر یہ کوئی اور پروگرام لیے ہوئے ہوں، مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے کہا کہ وہ فری میسن کے قابو نہیں آئے گا لیکن ہوا یہی کہ وہ ان کی باتوں میں آکر ایک نئے اسلام کا داعی بنا۔

مرزا غلام احمد لکھتا ہے :۔

پھر میں نے موت کے متعلق جب توجہ کی تو ذرا سی غنودگی کے بعد الہام ہوا۔
فری میسن مسلط نہیں کیے جائیں گے کہ ان کو ہلاک کردیں۔
فری میسن کے متعلق میرے دل میں خیال گزرا جن کے ارادے مخفی ہوں بلکہ[1]

ہم بات اسماعیلیوں کی کر رہے ہیں جن پر دورِ ستر اور دورِ ظہور دونوں آئے ۔۔ سوان کے لیے یہ بڑی آسان راہ تھی جو چاہیں دعوے کریں یہاں ہر بات چل جائے گی۔ تاہم تاریخ اس بات کی شہادت نہیں دیتی کہ یہ لوگ واقعی حضرت فاطمہؓ کی اولاد تھے۔ ڈاکٹر زاہد علی نے تاریخ فاطمیین مصر میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ ائمہ کے زمانِ ظہور میں ان کے نسب پر کئی دفعہ سوال اٹھے۔ موصوف لکھتے ہیں :۔

---

[1] تذکرہ مجموعہ الہامات، صد

متعدد دفعہ امام کے ظہور کے زمانے میں نسب کا سوال اٹھایا گیا لیکن کسی امام نے تسلی بخش جواب نہ دیا۔ یہ لوگ کبھی اتنی جرأت نہیں کر سکتے تھے کہ اپنا نسب منبر پر یا کسی مجمع میں بیان کریں۔ [1]

ہمارا موضوع اس وقت ان کے حسب و نسب پر بحث نہیں۔ خلیفہ معز (۳۶۵ھ) سے جب یہ سوال کیا گیا تو اس نے اس کے لیے ایک جلسے کا اہتمام کیا اور اس میں اس طرح کا جواب دیا:۔

اپنی تلوار میان سے نکالی اور کہا یہ میرا نسب ہے پھر اس نے حاضرین پر سونا نچھاور کیا اور کہا یہ میرا حسب ہے۔ [2]

جو تنظیمیں کبھی زیر زمین چلی جائیں اور کبھی ان کا دور ظہور ہو تو ان کے عقائد و نظریات جمع کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ تاہم ہمیں جو کچھ بھی ان کے عقائد ظاہرا ملنے سے یا کچھ پڑھنے سے میسر آئے ہم ان کا یہاں مختصر خاکہ پیش کیے دیتے ہیں۔

اسماعیلی عقائد کا ایک مختصر خاکہ

۱۔ امام معبود کا درجہ رکھتا ہے اور اس کی عبادت خدا کی عبادت ہے خدا کا کوئی شریک نہیں۔ امام حاضر میں خدا حلول کیے ہوئے ہے۔ اس عقیدے سے امام کی عبادت خدا کی ہی عبادت ہے۔

آغا خاں سوم کہتا ہے:۔

۲۔ میں براہ راست حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل سے ہوں اور دو کروڑ مسلمان مجھ پر ایمان رکھتے ہیں اور مجھے اپنا روحانی پیشوا مانتے ہیں مجھے خراج ادا کرتے ہیں اور میری عبادت کرتے ہیں۔ [3]

اثنا عشریوں کے یہاں یہ عقیدہ کفر ہے وہ اسماعیلیوں سے غائب امام اور حاضر امام کے فرق سے پہچانے جاتے ہیں۔

اسماعیلی لوگ اپنے عقائد کی دعوت نہیں دیتے۔ سو وہ کوئی مشنری لوگ نہیں تصادم صرف ان لوگوں میں ہوتا ہے جو اپنے مشن کو آگے لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔

---

[1] اتعاظ الحنفاء ص ۱۵ [2] تاریخ ابن خلکان جلد ۱ ص ۲۵۹ [3]

انکارِ نزول عیسیٰ بن مریم انکارِ متواتراتِ اسلام ہے اور کفر ہے

سابقہ بحث سے بات واضح ہوگئی کہ نزولِ مسیح کا مسئلہ متواتراتِ اسلام میں سے ہے اور اس میں جو تواتر ہے وہ ہر پہلو سے پختہ اور مضبوط ہے۔ تواتر اسنادی بھی اور تواتر طبقہ بھی تیس سے زائد صحابہ کرامؓ سے ایک صد کے قریب احادیث نبویہ اس باب میں مروی ہیں۔ کیا اب بھی اس تواتر کا انکار کفر نہ ہوگا؟

تواتر طبقہ سے مراد ہے کہ کوئی مسئلہ پچھلی نسل نے اگلی نسل سے لیا ہو۔ جیسا کہ قرآن شریف کا تواتر امت میں چلا آتا ہے۔ اس تواتر کا منکر بھی کافر ہے۔ منکر اور مأوّل اس میں ایک ہی حکم میں ہیں۔ عقائد تو در کنار اعمال کو لیجیے۔ مسواک کا ثبوت دونوں طرح سے متواتر ہے۔ اگر کوئی مسواک ترک کر دے تو بد عمل ہے چنداں وبال نہیں۔ لیکن اگر کوئی علم کے باوجود اس کے سنت ہونے کا انکار کر دے تو وہ صریح کافر ہوگا۔ کیوں کہ اس نے متواترات میں سے ایک متواتر کا انکار کیا ہے۔

نزولِ مسیح کی احادیث علماء کے ہاں متواترات میں سے ہیں اور اس پر امت کا اجماع بھی منعقد ہو چکا ہے۔ اس کے متعدد حوالے مستند ائمہ اعلام سے آپ کے سامنے آ چکے۔ لہٰذا اس کا انکار کفر صریح ہوگا۔ تیرہویں صدی کے مجدد مفتی بغداد سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ کا مفصل حوالہ آپ نے دیکھ لیا ہے۔ انہوں نے بڑی صراحت کے ساتھ فرما دیا ہے:

وجب الایمان به واکفر منکره کالفلاسفة من نزول عیسیٰ علیه السلام آخر الزمان[1]

ترجمہ: آخر زمانہ میں نزولِ عیسیٰ پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے منکر کو کافر قرار دیا گیا ہے جیسا کہ فلاسفہ نے اس کا انکار کیا۔

---

[1] روح المعانی جلد ۲۲ صفحہ ۳۴

سوال محدثین میں جس طرح بعض حضرات کو اہل الرائے سے موسوم کیا گیا ہے کیا صحابہؓ میں بھی کوئی ایسے حضرات ہوئے جنہیں اس طرح بہ پیرایہ عزت علمی اہل الرای کہا جاتا رہا ہو؟

جواب اصحابہ کرامؓ میں حضورؐ کے عہد سے ہی کچھ ایسے حضرات ضرور موجود تھے جنہیں صاحب الرای سمجھا جاتا تھا۔ ایک دفعہ بعض نوجوانوں سے جلد بازی میں کچھ ایسی باتیں صادر ہوئیں جو حضورؐ کو ناپسند آئیں اس پر صحابہ میں جو زیادہ سمجھدار تھے انہوں نے حضورؐ سے ان الفاظ میں معذرت کی:۔

قال له فقهاءهم اما ذوا راينا يارسول الله فلم يقولوا شيأ واما اناس مناحديثة اسنانهم فقالوا۔ [1]

حضرت ابوبکرؓ باوجودیکہ علم دین میں آپ سب صحابہؓ سے فائق تھے بایں ہمہ آپ کی نظر اپنے عہد میں اہل الرای پر ضرور ہوتی اور آپ دینی مہمات میں ان سے مشورہ لیتے تھے:۔

ان ابابکر اذا نزل به امر يريد فيه مشاورة اهل الرای والفقه۔ [2]

پھر حضرت عمرؓ ہی اہل الرای میں سے نہ سمجھے جاتے تھے بلکہ کئی اصحاب کبار بھی اس صفت علمی سے موصوف رہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ ایک بحث میں لکھتے ہیں:۔

ان القول بالرای لم يختص به عمر بل علی كان من اقرانهم بالرای وكذلك قال ابوبكر وعثمان وابن مسعود وغيرهم من الصحابة كانوا يقولون بالرای وكان رای علی فی دماء اهل القبلة ونحوه من الامور العظائم۔ [3]

حضرت عثمانؓ کا نکاح جب حضرت رقیہؓ سے ہوا تو آپ کی خالہ سعدی نے آپ کی منقبت میں یہ اشعار پڑھے:۔

هدی عثمان الصفی بقوله	فارشده والله يهدی الی الحق
فتابع بالرای السديد محمدًا	وكان ابن اروی لايصد عن الحق

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۴۵ [2] طبقات کبریٰ جلد ۳ صفحہ ۱۳۲ [3] منہاج السنۃ جلد ۶ صفحہ ۱۱۱

وانکحہ المبعوث احدی بناتہ   فکان کبدر مازج الشمس فی الافق[1]

ترجمہ۔ اللہ نے اپنے بندے عثمان رضؓ کو ہدایت سے نوازا۔ اسے رشد
بخشا اور بخدا وہ حق کی طرف لاتا ہے۔ عثمان رضؓ اپنی صحیح رائے سے حضورؐ
کی اتباع کرتے رہے اور ابن اروی (حضرت عثمان رضؓ) کبھی حق سے
پیچھے نہ رہے۔ اور اس پیغمبر نے اپنی ایک بیٹی اس کے نکاح میں
دی۔ سو یہ صورت ایسی بنی جیسے چاند، سورج ایک افق میں آ جمع ہوئے۔

تنزیل سے تاویل تک آنا کیا رائے ہی پر موقوف نہیں؟ اور کیا حضورؐ نے حضرت
علی رضؓ کے اس طرح اہل الرای ہونے پر ان کی منقبت نہ کی؟

آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

ان منکم من یقاتل بعدی علیٰ تاویلہ کما قاتلت علیٰ تنزیلہ
فقام ابوبکر و عمر فقال ولکن خاصف النعل۔[2]

ترجمہ۔ تم میں وہ لوگ بھی ہیں جو میرے بعد مرادات قرآن پر اسی طرح
جنگ کریں گے جس طرح میں تنزیل قرآن پر (حملہ آوروں سے)
قتال کرتا رہا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضؓ نے خارجیوں کے خلاف ایک رائے قائم کی اس سے پتہ
چلتا ہے کہ آپ علمی دنیا میں پختہ درجے کے اہل الرائے حضرات میں سے تھے۔ اور
حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ بھی نہ صرف رواۃ حدیث میں سے تھے بلکہ آپ بھی حضرت
علی رضؓ کے ساتھ قتال خوارج میں برابر کے شریک تھے۔ اور آپ کی رائے حضرت علی رضؓ
کی رائے سے متفق تھی۔ تکفیر خوارج میں گو کچھ اختلاف بھی رہا لیکن حضرت علی رضؓ کی رائے پوری
عزیمت سے یہی رہی کہ خوارج سے قتال کیا جائے اور دین کو ان تاویلات سے بچایا جائے
جو یہ لوگ اسلام کے نام پہ لے کھڑے ہوئے ہیں۔

---

[1] اصابہ سعدی بنت کریز جلد ۱ صفحہ ۳۲۷   [2] مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۶۸

سوال. حضورؐ کے چچا ابوطالب کے کتنے بیٹے تھے؟ ان کی وفات پر ان کے کس کس بیٹے نے وراثت پائی؟ کیا حضرت علیؓ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہما کو اپنے باپ کی وراثت سے کچھ حصہ ملا؟ کیا یہ صحیح ہے کہ حضرت ابوطالب اپنی پوری عمر اپنا ایمان چھپائے رہے اور ظاہر یہی کرتے رہے کہ میں اہلِ مکہ کے دین پر ہوں۔ اس باب میں اہلِ سنت کا عقیدہ کیا ہے؟

الجواب۔ حضرت ابوطالب کے چار بیٹے تھے۔ ۱۔ طالب۔ جس کے نام پر آپ کی کنیت ابوطالب تھی۔ ۲۔ عقیل بن ابی طالب۔ ۳۔ حضرت جعفرؓ جو غزوہ موتہ میں بطور رسالار شہید ہوئے۔ ۴۔ حضرت علیؓ جو چوتھے خلیفہ راشد۔ یہ حضرت جعفرؓ سے دس سال چھوٹے تھے۔

ان چاروں میں عقیل اور طالب مسلمان نہ ہوئے تھے اور حضرت جعفرؓ اور حضرت علیؓ دونوں اسلام میں آئے۔ ان دونوں کو اس لیے املاکِ ابی طالب سے کچھ حصہ نہ ملا کیونکہ یہ دونوں مسلمان ہو گئے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ ان کی املاک پھر طالب اور عقیل کو ہی جاتی تھیں جو داخلِ دائرہ اسلام نہ ہوئے تھے۔

حضرت زید بن حارثہؓ وہ واحد جلیل القدر صحابی ہیں جن کا نام قرآن کریم (پ۲۲ الاحزاب) میں مذکور ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں:۔

وکان عقیل ورث ابی طالب ھو وطالب ولم یرثہ جعفر ولا علی شیاء لانھما کانا مسلمین وکان عقیل وطالب کافرین[۱]

ترجمہ: عقیل اور طالب اپنے باپ ابوطالب کے وارث ہوئے اور آپ کی وراثت حضرت جعفرؓ اور حضرت علیؓ کو کچھ نہ ملی، کیونکہ یہ دونوں اسلام لا چکے تھے، سو وہ ابوطالب کے وارث ہوئے۔

جناب پیر مہر علی شاہ صاحب بھی لکھتے ہیں:۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کے واسطے یہی چاہتے تھے کہ وہ اسلام لاویں اور ظہور میں ایسا نہ آیا جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ جب نبی کو کلی اختیار نہیں تو ولی کو کس طرح ہو۔[۲]

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۱ صہ ۴۳۶ [۲] مکتوبات طیبات صہ ۱۲۷ طباعت اول

قادیانیوں اور مسلمانوں میں خدا کے بارے میں اختلافات

۱۔ مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ خدا کی بات بہت سیدھی اور صاف ہوتی ہے۔ یہی ایک رستہ ہے جو سیدھا خدا کی طرف جاتا ہے اسے ہی مسلمان صراط مستقیم سمجھتے ہیں قرآن کریم میں ہے،

هذا صراط علی مستقیم۔ (پ۱۴ الحجر ۴۱)

ترجمہ۔ یہ راہ ہے مجھ تک سیدھی۔

یہ ہی میرا صاف اور سیدھا رستہ ہے جس میں کوئی ہیر پھیر نہیں۔

(تفسیر عثمانی)

دو نقطوں کے درمیان سب سے چھوٹا خط مستقیم ہوتا ہے۔ اس میں ٹیڑھے خط جتنے بھی ہوں گے سب بڑے ہوں گے۔ مجاز اور استعارہ میں کہی بات کبھی سیدھی نہیں کہلا سکتی۔ ایسی بات ہمیشہ طویل ہوتی ہے۔

۲۔ قادیانوں کا عقیدہ ہے کہ خدا ہمیشہ استعارہ میں بات کرتا ہے

خدا ہمیشہ استعاروں سے کام لیتا ہے اور خاصیت اور طبع کے لحاظ سے ایک کا نام دوسرے پر وارد کر دیتا ہے۔[1]

خدا ہی جب اس اندازِ کلام پر آجائے تو پھر اس کی بات سننے والوں اور ماننے والوں کا خود وہی حافظ ہے۔ کوئی خوش نصیب ہی استعاروں کے پیچ و تاب سے نکل سکتا ہے۔

سو اس میں شک نہیں کہ قادیانی مسلمانوں سے خدا تعالیٰ کے بارے میں ایک نہایت مختلف عقیدہ پر ہیں۔ مسلمان یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ کی راہ نہایت صاف اور سیدھا راستہ ہے۔ اس میں حقیقت و مجاز کا کوئی ہیر پھیر نہیں کہ معاذ اللہ اللہ کسی کا نام کسی دوسرے پر وارد کر دے۔

اللہ بس وما بقی ہوس

---

[1] فتح الاسلام ص۱۰ رخ ۳ ص۱۳

اسلام کی سیدھی راہ میں عقل وخیال راہ نہیں پاتے

ماضی واقعات کا نام ہے یہ وہ حقیقتیں ہیں جو واقع ہوچکیں. اب ان کو بدلا نہیں جا سکتا جن لوگوں پر اللہ کا انعام ہوا وہ پہلے ہوچکے اور ان کے کارنامے اور نقوش لوگوں کے سامنے آچکے ہم ان کی راہ پر چلنے کی دعا کرتے ہیں اور اپنے مولیٰ سے صراط مستقیم کی طلب کرتے ہیں.

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم.

ماضی کے یہ نقوش وہ حقائق ہیں جو اپنے قالب اور ڈھانچے میں لوگوں کے سامنے آچکے. اب یہ ان میں حقیقت و مجاز کے فاصلے قائم نہیں کیے جا سکتے سو ماضی میں اختیار کیا گیا صراط مستقیم اب عقل وخیال سے طے نہیں ہو سکتا.

اسلام میں عقائد محکمات سے لیے جاتے ہیں.

قرآن کریم کی محکم آیات سے عقائد قائم کیے جاتے ہیں متشابہات سے نہیں متشابہات اپنے مدلول پر واضح اور قطعی روشنی نہیں ڈالتیں. یہ صرف محکمات ہیں جو جس طرح اپنے ثبوت میں قطعی ہیں اپنی دلالت میں بھی قطعی ہیں انسان کو کسی اندھیرے میں نہیں چھوڑتیں استعارہ انسان کو کہیں سے کہیں لے جاتا ہے. سو انسان کے عقائد استعارات سے نہیں لیے جاتے. یہ حقائق ہیں جن کی بنیاد محکمات پر ہوتی ہے متشابہات کا معنی یقین سے بیان نہیں کیا جاتا اس میں تفویض ہی بہتر ہے. سلف صالحین زیادہ تاویل کے حامی نہیں رہے. قرآن کریم میں ہے :-

ھوالذی انزل علیك الکتاب منه اٰیات محکمات ھن ام الکتاب واخر متشابھات فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ماتشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاویله ومایعلم تاویله الا اللہ. (پ۳ آل عمران)

ترجمہ. جس نے آپ پر یہ کتاب اتاری اس میں بعض آیات محکم (ان کے معنی بالکل واضح ہیں) وہ اصل ہیں کتاب کی. اور دوسری ہیں متشابہات (ان کے معنی معین نہیں) سو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات

سے اپنی راہیں نکالتے ہیں ان کی غرض گمراہی پھیلانا اور ان کی تاویلات سے مطلب نکالنا ہوتا ہے۔

اب کون مسلمان ہے جو اس آیت کو پڑھ کر یہ موقف اختیار کرے کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں بہت جگہ استعاروں سے کام لیتا ہے۔

حضور نے مغالطہ دینے سے منع فرمایا ہے

تشبیہ و استعارہ میں خیال کی پرواز بہت اونچی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں اختلافات کی بہت راہیں قائم ہو جاتی ہیں۔ لوگوں میں مغالطے پیدا کرنا اچھے لوگوں کا کام نہیں ہوتا۔ نہٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الا غلوطات۔ مرزا غلام احمد قادیانی دوسروں کو الفاظ کے پیچ میں لے آنے کو ایک بڑا ہنر سمجھتے تھے۔ مرزا صاحب نے براہین احمدیہ میں اپنے کچھ الہامات درج کیے اور علماء انہیں اس وقت سمجھ نہ سکے۔ جب مرزا صاحب نے آئندہ جاکر ان کے معنی کھولے تو اب علماء ان سے یکسر بگڑ گئے۔ مرزا صاحب اپنے اس پیچ ڈالنے کو اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

> میرے مسیح موعود ہونے کی بنیاد انہی الہامات سے پڑی ہے اور انہی میں خدا نے میرا نام عیسٰی رکھا اور جو مسیح موعود کے حق میں آیتیں تھیں وہ میرے حق میں بیان کر دیں (خدا کی یہ چالاکی بھی ملاحظہ کیجیے) اگر علماء کو خبر ہوتی کہ ان الہامات سے تو اس شخص کا مسیح ہونا ثابت ہوتا ہے، تو وہ ان کو قبول نہ کرتے۔ یہ خدا کی قدرت ہے کہ انہوں نے قبول کر لیا اور پیچ میں پھنس گئے۔ [1]

یہ خدا کی (معاذ اللہ) بڑی چالاکی تھی جسے مرزا صاحب لفظ قدرت سے اور پیچ میں پھانسنے سے تعبیر کر رہے ہیں۔ (استغفر اللہ العظیم)

علماء پیچ میں پھنس گئے یہ بات بھی درست نہیں

جس طرح مرزا غلام احمد کا یہ دعویٰ درست نہیں کہ (معاذ اللہ) خدا کبھی

[1] اربعین حصہ ۲ صفحہ ۲۱ رخ جلد ص

پیچ دار باتیں بھی کرتا ہے اس طرح اس کی یہ بات بھی درست نہیں ہے کہ علماء مرزا غلام احمد کے براہین احمدیہ میں دیئے گئے الہامات کے پیچ میں پھنس گئے. جن علماء نے براہین احمدیہ کی تائید میں ریویو لکھے انہوں نے قرآن کریم کی آیات کو جنہیں بعد میں غلام احمد نے اپنے حق میں اُترے الہامات کہا. قرآن کریم کی آیات ہی سمجھا تھا غلام احمد کے بارے میں اُترے الہامات نہ سمجھا تھا جب غلام احمد نے اپنے آپ کو ان کا مورد ٹھہرایا سب اس کے خلاف ہوگئے اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ کیا وہ واقعی اس پیچ میں پھنسے ؟ یہ تبھی ہوسکتا ہے کہ وہ بعد میں ان کا مورد واقعی غلام احمد کو سمجھنے لگے ہوں اور قادیانی ہوگئے ہوں. ایسا ہرگز نہیں ہوا. انہوں نے مرزا صاحب کو ان کی بنا پر مسیح موعود مان لیا ہو.

علماء میں براہین احمدیہ کی حمایت میں سب سے آگے اہلحدیث (باصطلاح جدید) کے متقدر عالم مولانا محمد حسین بٹالوی تھے. وہ کھلے طور پر مرزا غلام احمد کے ان دعاوی کے خلاف اٹھے اور کھلے بندوں مرزا غلام احمد کی تکفیر کی اور اپنا پچیس سالہ تجربہ اپنی جماعت کے سامنے اس طرح رکھا.

> پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر میں اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں.[1]

مرزا غلام احمد کا موقف اپنی پیشگوئیوں کے بارے میں بھی یہی رہا کہ یہ حاملہ عورتوں کے حمل کی طرح ہیں جن کے بارے میں از خود کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا جنیں گی مرزا صاحب اپنے اس موقف سے اپنی پیشگوئیوں کو جو معنی بھی دینا چاہیں ان کے لیے میدان ہر سمت کھلا رہتا تھا. استعارات دور تک پہنچتے ہیں کوئی ان کی حد بندی نہیں کر سکتا. انذاری پیشگوئیاں قوم کی اعتقادی اور اخلاقی برائیوں کے لیے ہوتی ہیں. کبھی کسی نبی نے اپنے نہ ماننے والے پر کوئی انذاری پیشگوئی نہیں کی. محمدی بیگم سے نکاح کی آسمانی خبر ایک انزاری پیشگوئی سمجھی جا سکتی ہے جو اس کے گھر والوں کے نیک ہو جانے پر ٹل گئی یہ ایک عجیب آسمانی پیچ ہے ہم سمجھتے ہیں خدا ان پیچدار باتوں سے قطعاً پاک ہے.

---

[1] اشاعۃ السنہ جلد ۱ صفحہ ۴ ۱۸۸۸ء

سوال. ہندوستان میں عیسائیت زیادہ تیزی سے پھیلی ہے یا قادیانیت؟ اس سے بھی مطلع فرمائیں کہ ہندوستان میں نئے مذاہب میں سکھ مذہب نے زیادہ فروغ پایا ہے یا قادیانیت نے؟

الجواب. ہندوستان میں ابتدار سے تین مذاہب تھے۔ ۱. ہندو. ۲. بدھ مت اور ۳. جین۔ تقریباً ایک ہزار سال پہلے مسلمان وارد دیارِ ہند ہوئے۔ اب اس دور میں ہندوستان میں دو مذہب بڑے مذہب سمجھے جاتے ہیں. ہندو اور مسلم۔ تیسرے درجے میں ہندوؤں سے ایک قوم اٹھی اور اس نے سکھ کا نام پایا. پھر انگریز حکومت کے آنے پر عیسائیت یہاں نمایاں ہوئی اور ہندوستان میں بھارت ماتا کے باشندے صرف ان چار مذاہب کو ہی کہا جاتا تھا. قوم پرست ہندوؤں کی یہ رباعی کسی سے مخفی نہ ہوگی.

بھارت سب کی مائی　　　سب ہندی ہیں بھائی بھائی
من میں بہاؤ پریم کی گنگا　　　ہندو مسلم سکھ عیسائی

جس طرح ہندوؤں سے سکھ نکلے مسلمانوں سے قادیانی ایک نئے مذہب کے نام سے نکلے۔ سو انگریزی دور میں ہندوستان میں تین نئی قومیں اٹھیں. ۱. سکھ. ۲. عیسائی ۳. قادیانی.

سوال یہ ہے کہ ان تین مذاہب میں برصغیر پاک و ہند میں زیادہ فروغ کن لوگوں نے پایا. اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے نمبر پر عیسائی رہے۔ دوسرے نمبر پر سکھ اور تیسرے نمبر پر قادیانی. قادیانیوں کے عبدالحئی ناظر اشاعتِ ربوہ پنجاب کے گورنر چارلس ایچ ای سن سے نقل کرتے ہیں ؛

> ۲۱. نومبر ۱۸۸۳ء کو مشن چرچ بٹالہ کا سنگِ بنیاد رکھا تھا. اس نے ۱۸۸۸ء میں عیسائی مشنریوں کے ایک اجلاس میں کہا. جس رفتار سے ہندوستان کی معمولی آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے اس سے چار پانچ گنا زیادہ تیز رفتار سے عیسائیت اس ملک میں پھیل رہی ہے اور اس وقت ہندوستانی عیسائیوں کی تعداد دس لاکھ کے قریب پہنچ چکی ہے.[۱]

ظاہر ہے کہ قادیانیت کو اس درجہ میں فروغ حاصل نہ ہوا.

---

[۱] روحانی خزائن جلد ۳ صا

بیس سوالات اور بیس جوابات

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل سوالات جواب میں :

(۱) جو لوگ علمی طور پر مجتہد نہ ہوں اور کسی مجتہد کے مقلد بھی نہ ہوں اور وہ کتب حدیث کے اردو تراجم کے مطالعہ کو تحقیق سمجھتے ہوں کیا انہیں اپنی اس ناقص تحقیق پر عمل کرنا جائز ہے یا ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ حدیث کے کسی پختہ علم رکھنے والے عالم کی پیروی کریں اور اس پر اعتماد کریں کہ یہ دلیل کے مطابق بتا رہا ہوگا۔ ان کے لیے یہ پیروی بہتر ہے یا بلا علم وفن دعوئے تحقیق ؟

(۲) جو لوگ کتب حدیث وتفسیر کے اردو تراجم کے مطالعہ سے مرزائی ہو چکے ہیں یا کسی اور بد مذہبی کا شکار ہیں جیسے کہ منکرین حدیث ہیں انہیں اپنی اس ناقص تحقیق پر قیامت کے دن کوئی رعایت مل سکے گی یا نہ ؟ کیا انہیں اپنی اس درجہ کی تحقیق پر بھروسہ کر کے اپنا عقیدہ اختیار کرنا جائز ہے ؟ یا انہیں کسی پختہ عالم کی پیروی اختیار کرنی چاہیئے اور آزاد روی سے بچنا چاہیئے ؟

(۳) اگر کوئی شخص پختہ علم نہیں رکھتا اور اپنے کمزور علم پر بھروسہ بھی نہیں کرتا کسی علم والے کی پیروی کر لیتا ہے ؟ عالم دلیل دے تو اس دلیل کی پڑتال اور تحقیق کرنے کی اس میں قابلیت نہیں اب اس شخص کے لیے کیا اہل علم کی تقلید جائز ہے کہ بدوں مطالبہ دلیل ان سے مسئلہ پوچھ کر اس پر عمل کیا کرے ؟

(۴) آج کل جو عوام اہل حدیث کہلاتے ہیں اور وہ کسی حدیث کی تحقیق اور پڑتال کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ محض اپنے مولویوں کے کہنے پر وہ کسی حدیث کو قبول اور رد کرتے ہیں۔ تو وہ اگر کہتے ہیں کہ ہم اپنے مولویوں کی پیروی نہیں کرتے۔ قرآن وحدیث پر تحقیق کے ساتھ عمل کرتے ہیں تو کیا وہ جھوٹ نہیں بول رہے ہوتے ؟ کیا انہیں اپنے اس جھوٹ بولنے پر قیامت کے دن کوئی مواخذہ نہ ہوگا ؟ یا جھوٹ جھوٹ ہے گو وہ کسی درجے میں ہو ؟

(۵) آج کل کے اہل حدیث عوام جو نہ محقق ہیں نہ مقلد، ان کے لیے بہتر راہ

اپنے موجودہ دور کے مولویوں کی پیروی کا ہے یا علماء سلف صالحین کی پیروی؟ جو انہیں ان سے بالمشافہہ مل سکتی ہے؛ اگر موجودہ دور کے مولویوں کی پیروی کرنا ہو تو برطانیہ میں اہل حدیث عوام اپنے کس مولوی کی پیروی کریں۔ تاکہ اسے امام اہلحدیث کہا جاسکے۔ کیا یہ صحیح ہے کہ دورِ اول کے اہل حدیث مولانا عبدالجبار غزنوی کو اپنا امام مانتے تھے اور تحقیقات میں ان پر بھروسہ کرتے تھے؟

(۶) کیا قرون ثلاثہ جن کے خیر ہونے کی حدیث میں خبر دی گئی ہے ان میں مسلمانوں کا کوئی ایسا فقہی گروہ موجود رہا ہے، جو نہ علماء ہوں نہ مقلدین اور اہل حدیث کہلاتے ہوں۔ اگر ہوں تو ان کے دو حوالے دیجیئے۔ اگر اس دور میں کوئی ایسے مسلمان نہ تھے جو نہ مجتہد ہوں، نہ مقلد اور اہلحدیث کے نام سے پوری قلمرو اسلامی میں کہیں کوئی اس نام کا فرقہ نہیں تھا۔ آج اگر کوئی فرقہ اس تعارف سے موجود ہے تو وہ مسلمانوں میں آج ایک نیا اور بدعتی فرقہ شمار نہ ہوگا؟

(۷) موجودہ دور کے غیر مقلدوں سے ہم اہلسنت کا اختلاف اصولی ہے یا فروعی؟ اور دیگر مذاہب کے مقلدین کا آپس کا اختلاف اصولی ہے یا فروعی؟ اور دونوں میں کیا فرق ہوگا؟ مجتہد کی خطائیں اور عامی کی غلطی میں کیا فرق ہے عامی اپنی مرضی سے کوئی مسئلہ اختیار کرے، اس پر کیا اسے معافی مل سکے گی؟ کیا یہ صحیح ہے کہ مجتہد خطا بھی کرے تو وہ ماجور ہے ماخوذ نہیں؟

(۸) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں کیا کوئی ایسے حضرات تھے جو رکوع کے وقت کبھی کوئی رفع الیدین نہ کرتے تھے؛ جو صحابہؓ رفع الیدین کرتے تھے کیا وہ ان رفع الیدین نہ کرنے والوں کو:

۱. گمراہ سمجھتے تھے یا

۲. محروم الثواب سمجھتے رہے یا

۳. ان کے اس ترکِ رفع الیدین کو وسعتِ عمل پر محمول کرتے تھے؛

حقیقت جو بھی ہو اس پر حوالہ پیش کرکے سائل کو مطمئن فرمائیں؟

(۹) جو صحابہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کو فرض نہ جانتے تھے کیا

وہ صحابہ جو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے تھے ان پہلے صحابہ کو گمراہ سمجھتے تھے یا اسے ان کا ایک اجتہادی مسئلہ سمجھتے تھے۔

۱۰۔ جن مسائل میں صحابہ کرام میں عملی اختلاف رہا ہے کیا ان میں کسی جانب کو ہم گمراہی قرار دے سکتے ہیں؟ یا سب کو اجتہاداً حق پر ماننا چاہیئے۔ اجتہاد کی دونوں راہیں ثواب اور خطا کیا اصولاً حق سمجھی جائیں گی؟ جن میں سے کوئی فریق مستوجب سزا نہ ہوگا؟

۱۱۔ صحابہؓ کا اگر کسی مسئلہ پر اجماع ہو جائے جیسا کہ حضرت عمرؓ کے دور میں طلاق ثلاثہ پر ہوا وہ سب اکٹھے رہے تو اس اجماع کا ماننا امت کے لیے ضروری ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو جمیع صحابہؓ کے خلاف جو راہ عمل اختیار کی جائے وہ یتبع غیر سبیل المؤمنین میں شمار ہوگی یا نہیں؟ اگر اس پر تمام صحابہ کرامؓ کا اجماع نہ ہوا تھا تو جس صحابی نے اس سے اختلاف کیا اس کا نام مع حوالہ بتلا دیں بہت مہربانی ہوگی؟

۱۲۔ سعودی عرب کے جو مشائخ مسائل غیر منصوصہ میں ائمہ اربعہ میں سے کسی کی پیروی کو واجب قرار دیتے رہے وہ اپنے اس فیصلے پر حق پر تھے یا گمراہ تھے؟ اگر حق پر نہیں تھے تو پاکستان و ہندوستان کی جماعت اہلحدیث نے سعودی عرب کے علماء کو ان کی اس گمراہی پر کیا کہیں ٹوکا؟ اگر نہیں تو محض مالی امداد حاصل کرنے کے لیے کیا یہ عمل مداہنت شمار نہیں ہوگا؟

۱۳۔ خانہ کعبہ اور مسجد نبوی میں رمضان المبارک میں بیس رکعات تراویح کی جماعت جو اب بھی ہو رہی ہے کب سے چلی آ رہی ہے اس سنہ کی نشاندہی کردیں؟ نیز یہ بتائیں کہ ائمہ حرمین کا یہ عمل غلط ہے یا صحیح؟ اسلام کی چودہ صدیوں میں ان دونوں مسجدوں میں کیا کبھی صرف آٹھ تراویح کی جماعت ہوئی؟ اس سنہ کی بھی نشاندہی کریں اور حوالہ دیں کرم فرمائی ہوگی؟

۱۴۔ صحیح بخاری اور جامع ترمذی میں کیا صرف احادیث نبویہ ہیں؟ یا صحابہ کی احادیث اور تابعین کے اقوال بھی ان میں دیئے گئے ہیں؟ اب اگر کوئی اہلحدیث یہ کہتا ہے کہ صرف اللہ اور اس کے رسول کی بات مانو اور کسی کی نہیں

تو کیا وہ ان محدثین کے طریقے کے خلاف نہیں چلا جو صحابہؓ کی احادیث بھی ساتھ لے کر چلے ہیں اور ان کی وہ روایات بھی ان کتابوں میں پائی جاتی ہیں ؟

(۱۵) صحاح ستہ میں کیا کوئی ایسی کتاب ہے جو صرف احادیث رسالت مآب پر محدود ہو تو اس کا نام بھی لکھ دیں ؟

(۱۶) ضعیف احادیث اور موضوع احادیث میں کیا فرق ہے ؟ ضعیف حدیث اگر کسی درجے میں معتبر نہیں تو صحاح ستہ کے مؤلفین نے ضعیف حدیثوں کو کیوں اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے . آج اگر کوئی فرقہ یا شخص ان حدیثوں کو نئے سرے سے مرتب کرتا ہے اور ترمذی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے . صحیح ترمذی اور ضعیف ترمذی . تو کیا وہ محدثین کے اس مسلک کے خلاف نہیں چلا کہ صحیح وضعیف سب ایک جگہ ہونی چاہیئے تاکہ ضعیف حدیث بھی تبیین میں سامنے رکھی جا سکے اور دوسرے قرائن سے درجہ اعتبار میں آسکے .

(۱۷) تاریخ اسلام میں علم فقہ پہلے مرتب ہوا یا علم حدیث ؟ ائمہ اربعہ پہلے ہوئے ہیں یا صحاح ستہ کے مصنفین ؟ امت کو پہلے فقہ کی ضرورت پڑی یا حدیث کی ؟ جس طرح نماز کا عملی نقشہ فقہ میں ملتا ہے کیا اس طرز پر حدیث کی کسی کتاب میں نماز کا عملی نقشہ موجود ہے ؟

(۱۸) صحاح ستہ کے راویوں کے حالات جو ہمیں علامہ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ کی کتابوں میں ملتے ہیں وہ حافظ ابن حجرؒ سے لے کر ان رواتِ حدیث تک متصل روایت سے پہنچتے ہیں یا انہیں محض محدثین کے اعتماد پر قبول کر لیا گیا ہے یہاں اسناد کو ضروری نہ سمجھنا اور اعتماد پر عمل کرنا یہ کس حدیث کی رو سے جائز قرار دیا گیا ہے . اس کے لیے حوالہ درکار ہے ؟

(۱۹) کیا فروعی مسائل پر جماعت بندی کرنا جائز ہے ؟ صحابہ کرام میں رفع یدین کرنے والوں اور نہ کرنے والوں اور آمین اونچا کہنے والوں اور آہستہ کہنے والوں نے کیا ان مسائل پر کوئی جماعت بندی کی تھی ؟ اگر نہیں تو ان مسائل کے امتیاز سے اپنی علیحدہ تنظیمیں بنانا اور جماعت بندی کرنا اور علیحدہ مسجدیں بنانا کیا بدعت نہیں ہے ؟

(۲۰) دنیا میں کہیں حنفیوں، مالکیوں، شافعیوں اور حنبلیوں کے ان فقہی اختلافات اور ان کی نشر و اشاعت پر مبنی تنظیمیں ہیں اگر نہیں تو غیر مقلدوں کی اہل حدیث تنظیم کیوں قائم کی گئی ہے؟ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ یہ گروہ ان فروعی مسائل کو اصولی قرار دیتا ہو اور فروعات پر فرقہ بندی کو جائز سمجھتا ہو؟

ان سوالات کے جوابات نہایت اختصار اور ایجاز سے تحریر فرمائیں۔
ان مقامات کے سوا جہاں کہیں حوالہ طلب کیا گیا ہے کہیں حوالہ دینے کی ضرورت نہیں، سوال کا اصولی جواب میسر آنے پر ہم علماء کی ایک میٹنگ بلائیں گے، جس میں آجکل اہل حدیث کہلانے والوں کے بارے میں کوئی فیصلہ کن بات کہی جا سکے گی۔

سائل۔ محمد بلال از اولڈ ٹریفرڈ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آپ کے سوالات کے جوابات ترتیب وار درج ذیل ہیں:۔

(۱) اسلام میں عمل کی دو راہیں ہیں۔ ۱۔ خود علم ہو یا ۲۔ کسی علم والے کی پیروی کی جائے۔ جو ان دو راہوں میں سے کسی پر نہ چلے تیسری راہ نکالے اور ناقص علم سے تحقیق کا دعویٰ کرے گمراہ ہے۔ جہنمی جہنم میں کہیں گے۔ کاش کہ ہم دو راہوں میں سے کسی پر ہوتے۔ یہ تیسری راہ نہ نکالی ہوتی۔

لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر۔

(پ ۲۹ الملک ۱۰)

ترجمہ: ہم دوسروں سے ہی سن پاتے یا خود مسئلہ جانتے ہوتے تو آج جہنم میں نہ ہوتے۔

اس سے پتہ چلا کہ خود علم ہو یا دوسروں کے بتائے ہوئے پر اعتماد کریں تیسری راہ اختیار کرنے والوں کا یہی انجام ہوگا۔

فرشتے بھی ایسے شخص کو کہیں گے:۔

لا دریت ولا تلیت۔ (صحیح بخاری جلد اص ۱۸۴)

ترجمہ۔ نہ دین کی بات تو نے خود سمجھی اور نہ تو کسی (صاحب علم) کے پیچھے چلا۔

۱۔ سو جو لوگ مجتہد نہ ہوں انہیں اپنے ناقص علم سے مجتہد نہ بننا چاہیے، دین میں ہر ممکن خطرے سے بچنا چاہیے " مقلد بن جائے، غیر مقلد نہ بنے۔

ز اجتہاد عالماں کوتاہ نظر   اقتدار رفتگاں محفوظ تر

۲۔ جو لوگ قرآن وحدیث کے اردو تراجم کا آزاد مطالعہ کر کے قادیانی ہو چکے ہیں یا کسی اور گمراہ فرقے میں جا چکے ہیں انہیں اپنی اس تحقیق پر آخرت میں کوئی رعایت نہ مل سکے گی۔ قرآن وحدیث میں کسی کو اپنے ناقص علم پر راہ عمل استوار کرنے کی کوئی اجازت نہیں۔ جو علم نہ رکھے وہ اہل علم کی طرف رجوع کرے

فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ (پ۱۴ النحل)

ترجمہ۔ تم اہل علم سے پوچھ لیا کرو اگر تم خود علم نہیں رکھتے۔

اس کے لیے بس یہی راہِ اعتماد ہے کیونکہ اپنے ناقص علم کے سبب وہ بے چارہ دلیل کی تحقیق بھی نہیں کر سکتا تھا۔

کئی آیات متشابہات ہیں جنہیں سمجھنا اس کے بس میں نہیں اور جو حدیث اس کے سامنے آئے وہ یہ نہیں جانتا ہوتا کہ اس کے بالمقابل کوئی دوسری حدیث بھی موجود ہے یا نہیں۔ اور نہ وہ یہ جانتا ہے کہ مختلف احادیث میں تطبیق کی راہیں کیا ہیں؟ وہ راہِ اجتہاد کے خلاف ہے۔

(۳) اسلام میں اہل علم سے دلیل پوچھے بغیر محض اعتماد سے ان کے بتلائے ہوئے جواب پر عمل کرنا جائز ہے۔ قرآن وحدیث میں کہیں اہل علم پر اعتماد کرنے کو گناہ نہیں بتلایا گیا، بلکہ معاملات پیش آمدہ کو اہل علم کی طرف لوٹانے کی ہدایت دی گئی ہے۔ عہد صحابہؓ میں بھی یہ اہل علم کی پیروی جاری تھی اور اہل علم صحابہؓ کے اقوال کے تحت کتاب وسنت کی پیروی کرتے تھے۔ وہ صحابہ کو مطاع بالذات نہ سمجھتے تھے۔ وہ انہیں کتاب وسنت کے ترجمان جانتے تھے اور ان پر اعتماد کرتے تھے۔

(۴) عام اہل حدیث جو کہتے ہیں کہ ہم اپنے علماء کی پیروی نہیں کرتے۔ قرآن

وحدیث پر تحقیق سے عمل کرتے ہیں وہ غلط کہتے ہیں. جو لوگ عربی نہ جانیں، نہ قرآن کریم کی کسی آیت کا ترجمہ کرسکیں نہ وہ حدیثوں کے درجات ومعارضات کو جانتے ہوں وہ کس طرح محقق اہل حدیث ہوسکتے ہیں. اہل حدیث پہلے دنوں اہل علم کا نام تھا، انہیں محدثین بھی کہتے تھے. ایک عام آدمی اہل حدیث کہلائے تو یہ ایک جھوٹ کی پرورش ہے. اسلام کی پہلی تیرہ صدیوں میں اہل حدیث کبھی کسی فقہی فرقے کا نام نہیں رہا. جو احناف سے بعض فروع میں اختلاف رکھتا ہو. چودھویں صدی میں اس نام سے یہ ایک جدید فرقہ سامنے آیا ہے جس کا اپنا ایک جدید مسلک ہے جسے آج کل اہلحدیث کہتے ہیں.

(۵) موجودہ دور کے مولویوں سے سلف صالحین کی پیروی بہتر ہے. کیوں کہ زندہ فتنوں سے امن میں نہیں ہوتے. معلوم نہیں کل وہ کون سی گمراہی میں ڈھل جائیں گے. حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔

من كان مستنا فليستن بمن قد مات فان الحی لاتؤمن عليه الفتنة. (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۲)

آج کل کے کئی مولوی تو اثناعشریوں کے حق میں بھی بیان دے دیتے ہیں کہ وہ بھی مسلمان ہیں. ان مولویوں کو اتنا بھی علم نہیں کہ اثناعشری قرآن کریم میں تحریف کے قائل ہیں. ان کی پیروی سے جو فرقہ چلے گا وہ کبھی ہدایت پر نہیں ہوسکتا. یہ اثنا عشری عقیدہ ہے کہ تقلید زندہ کی ہونی چاہیئے فوت شدہ کی نہیں. اس میں عہد حاضر کے اہلحدیث اور شیعہ ایک ہی عقیدہ رکھتے ہیں.

(۶) اس سوال کا جواب ۵ کے تحت عرض کیا جاچکا ہے. آج اس طرح کا جو نیا فرقہ بنے وہ یقینی طور پر بدعتی فرقہ شمار ہوگا. غیر مقلد ہونے کے تعارف سے قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں کوئی فرقہ اہلحدیث موجود نہ تھا، نہ برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی پہلی تیرہ صدیوں میں کوئی مسجد اہل حدیث کے نام سے موسوم تھی آج ہر شہر میں آپ کو مسجد اہلحدیث کے کتبے اور بورڈ ملیں گے. کیا یہ سلف کی راہ سے ہٹ کر ایک راہ نہیں ہے.

(۷) موجودہ دور کے غیر مقلدین سے اہل سنت کا اختلاف اصولی ہے. صحابہ

سے جو نظریات واعمال امت تک پہنچے ہیں۔ انہیں ان حضرات نے دین سمجھ کر اختیار کیا ہے۔ اہل سنت ان میں سے کسی کو گمراہی نہیں سمجھتے اور صحابہؓ کے اختلاف کو توسع عمل پر محمول کرتے ہیں بخلاف اس دور کے غیر مقلدین کے کہ:

۱۔ وہ ان صحابہؓ کو غلطی پر سمجھتے ہیں جو رکوع کے وقت رفع یدین نہ کرتے تھے۔ وہ ان پر کھلے بندوں جرح کرتے ہیں۔ اس سے آپ کو ان میں اور شیعوں میں کوئی خاص فرق نہ ملے گا۔

۲۔ وہ ان صحابہؓ کو غلط سمجھتے ہیں جو علی الاعلان کہتے رہے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھے بغیر نماز ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ سورۃ فاتحہ کا نام لے کر یہ بات کہتے تھے۔

۳۔ وہ ان صحابہؓ کو بھی غلط کہتے ہیں جو نماز میں آمین آہستہ کہتے تھے ایسا نہ ہوتا تو کبھی ان مسائل پر ان کے مناظرے نہ سنے جاتے۔

۴۔ وہ ان کو بھی غلط سمجھتے ہیں جو نماز میں ہاتھ ناف کے نیچے باندھتے تھے حالانکہ حدیث کی کتابوں میں اسے بھی پہلے دور کا ایک عمل بتایا گیا ہے۔

۵۔ وہ ان اصحاب کو بھی غلطی پر سمجھتے ہیں جو ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو تین سمجھتے ہیں اور عدت گزرنے پر اس عورت کا نکاح کسی دوسری جگہ کر دیتے اور کبھی اس بات کی تحقیق نہ کرتے کہ شاید خاوند نے اس طلاق سے رجوع کر لیا ہو۔ وہ ایسے لائق رجوع طلاق نہ مانتے تھے نہ اس کے ایک ہونے کے قائل تھے۔ ان موجودہ اہل حدیث سے پہلے صرف شیعہ یہ عقیدہ رکھتے تھے۔ اہلسنت کے چاروں مذاہب اس مسئلہ طلاق میں متحد اور ایک ہیں۔

یہ بات اہل سنت والجماعت کے ہاں اصولی ہے کہ جو فقہی اختلافات صحابہؓ میں متوارث رہے ان میں سے کسی طریقے کو غلط یا گمراہی نہیں کہا جا سکتا۔ نہ ان اختلافات کو مقام دعوت میں جگہ دی جا سکتی ہے بخلاف عہد حاضر کے ان اہلحدیث حضرات کے جو اپنے فقہی موقف کے خلاف ہر طریق عمل کو غلط اور گمراہی سمجھتے اور کہتے ہیں گو یہ طریق اور عمل صحابہؓ میں سے کسی سے منقول ہو لیکن یہ ایک عمل گمراہی ہے۔ (استغفر اللہ)

ہے ۔ ائمہ اربعہ کے مقلدین کا آپس میں اختلاف فروعی ہے ۔ وہ اس اختلاف کو حق اور باطل کا اختلاف نہیں سمجھتے صواب اور خطا کا اختلاف سمجھتے ہیں جس میں مجتہد دونوں صورتوں میں ماجور ہوتا ہے ۔ مجتہد کو خطا پر بھی سزا نہیں بلکہ جزا دی جاتی ہے ۔ انہیں ایک اجر ملتا ہے ۔

اب اگر کوئی شخص جو خود دلیل پرکھنے کا علم نہیں رکھتا اور وہ کسی مجتہد کی پیروی کرتا ہے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہ آئے گا نہ وہ مستوجب سزا ہو گا ۔ اس بنا پر مذاہب اربعہ کا اختلاف توسعِ عمل پر محمول ہے ۔ لیکن مقلدین کا اس دور کے اہل حدیث سے اختلاف فروعی نہیں اصولی ہے ۔ فروعی مسائل میں وہ اپنے موقف کے خلاف ہر مسلک کو کھلے عام غلط کہتے ہیں ۔ وہ اس بات سے بھی بے پرواہ رہتے ہیں کہ وہ مسلک کسی صحابی سے منقول ہو ۔ سو ان کے اسے غلط کہنے کی زد صحابہؓ پر بھی پڑتی ہے ۔ جب کوئی راہ عمل صحابہ کی تغلیط کو پہنچے تو یہ اختلاف اصولی ہو جاتا ہے فروعی نہیں رہتا ۔ مجتہد کو خطا پر ایک اجر ملتا ہے ۔ عامی اپنی غلطی پر سزا کا مستحق ہے ۔ کیونکہ شریعت نے عامی کی غلطی کو جو اپنے ناقص علم پر محقق بن بیٹھا ہے کہیں لائق درگزر نہیں کیا ۔ اس دور کے عام غیر مقلدین جن میں دلیل کی تحقیق کرنے کی اہلیت نہیں ہوتی اپنی غلطیوں کے خود ذمہ دار ہوں گے اور انہیں مجتہدین کی رعایت نہ مل سکے گی کہ وہ خطا پر بھی ایک اجر کے مستحق سمجھے جائیں ۔

(۸) ہاں ۔ جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے صحابہؓ میں ایسے حضرات بھی تھے جو رکوع کے وقت رفعیدین نہ کرتے تھے ۔ اس بات پر کوئی روایت نہیں ملتی کہ جو صحابہ کرامؓ رفع یدین کرتے تھے انہوں نے کبھی رفعیدین نہ کرنے والوں کو غلط یا گمراہ کہا ہو ۔ ان کو کبھی تبلیغ کی ہو کہ وہ رکوع کے وقت ضرور رفعیدین کریں ۔ یا ان پہلوں کو کبھی یہ کہا ہو کہ اس رفعیدین پر ثواب ملتا ہے ۔ رفعیدین کرنے والے بے شک رفعیدین کرتے رہے ۔ لیکن ان میں سے کسی نے اس پر ثواب ملنے اور تارک کو گناہ پانے کا اعلان یا دعویٰ نہیں کیا ۔ اس رفع اور ترک رفع کو وسعت عمل پر محمول کیا جاتا رہا ہے ۔ کوئی فریق اسے مزید کار ثواب سمجھ کر عمل میں نہ لاتا تھا ۔

اس باب میں ہمیں کوئی حوالہ نہیں مل سکا کہ صحابہؓ میں سے کسی نے رکوع کے وقت رفع یدین کرنے کو کارِ ثواب کہا ہو۔

(۹) جو صحابہؓ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کو غلطی نہ جانتے تھے انہیں کبھی کسی دوسرے صحابی نے اس مسئلہ میں غلط یا گمراہ نہیں کہا اور نہ ہی انہیں نمازیں دہرانے کا حکم دیا۔ فروعی مسائل میں وہ ایک دوسرے کے عمل کا پورا پورا احترام کرتے تھے اور کبھی ان مسائل کو مقامِ دعوت میں نہ لاتے تھے اور نہ ان مسائل پر جلسے اور تقریریں کرتے تھے۔ جیسا کہ آج کل کے بعض اہلحدیث کرتے ہیں۔ اس قسم کے مسائل کو مقامِ دعوت پر لانا بدعت ہے۔ سعودی عرب میں مشائخ اور ائمہ حرمین کبھی ان مسائل کو مقامِ دعوت پر نہیں لاتے۔

(۱۰) اجتہاد کی دونوں راہیں خطا اور صواب حق سمجھی جائیں گی اور اس اعتبار سے چاروں حق شمار ہوں گی کہ ان میں سے کسی راہِ عمل پر کوئی سزا نہیں۔ راہِ ثواب ان میں سے صرف ایک ہوگی جس پر مجتہد کو دو اجر ملتے ہیں۔ اس اعتبار سے ضروری ہے کہ مسلمان صرف ایک امام کی پیروی کرے جسے وہ راہِ ثواب پر سمجھتا ہے اور عمل کی دوسری راہوں کو خطا سمجھے، تاہم انہیں غلط نہ کہے نہ گناہ کا مستوجب سمجھے اسے وسعتِ عمل پر محمول کرے جیسا کہ اکابر ائمہ تابعین کہتے تھے۔

(۱۱) صحابہ کرامؓ جب کسی بات پر اجماع کرلیں تو اب امت کے لیے اس اجماع کی پابندی ضروری ہوگی۔ اس میں پہلا اختلاف اس پابندی سے نکلنے کی اجازت نہیں دیتا۔ طلاق ثلاثہ میں جب حضرت عمرؓ نے ایک فیصلہ کیا اور سب صحابہؓ نے اسے اجماعاً مان لیا تو اس اجماع سے نکلنے کی کسی کو اجازت نہ ہوگی اور جمیع صحابہؓ کے خلاف جو راہِ عمل بھی اختیار کیا جائے گا وہ یقیناً یتبع غیر سبیل المؤمنین میں داخل ہوگی۔ ہمیں ایک صحابی بھی ایسا نہیں مل سکا جس نے طلاق ثلاثہ کے مسئلہ پر حضرت عمرؓ سے اختلاف کیا ہو یہ پہلے صرف ایک سنی شیعہ اختلاف تھا۔ اب اس اختلاف میں اہلحدیث (باصطلاح جدید) بھی شیعوں کے وارث بن گئے ہیں۔

(۱۲) سعودی عرب کے علما مشائخ جو مسائل غیر منصوصہ میں ائمہ اربعہ میں سے کسی کی پیروی کو ضروری قرار دیتے ہیں وہ اپنے اس فیصلے میں حق پر ہیں۔

ہمارے ملک کے اہل حدیث اس باب میں سعودی علماء و مشائخ کو حق پر نہیں سمجھتے۔ نجد کے نامور شیخ عبدالوہاب نے جب ایک رسالہ میں اسے واجب لکھا تو اس رسالہ کے مترجم مولانا محمد اسماعیل صاحب غزنوی نے اس کے ترجمہ کے ذیل میں اس پر اختلافی نوٹ دیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے اہلحدیث سعودی علماء و مشائخ کو امام احمد بن حنبل ؒ کی تقلید کرنے میں حق پر نہیں سمجھتے یہی وہ راہ ہے جس سے ان اہل حدیث کا مقلدین سے اختلاف (وہ حنفی ہوں یا حنبلی) اصولی اختلاف بن جاتا ہے وہ فروعی نہیں رہتا۔

اگر یہ لوگ سعودی عرب جاکر سلفی بنتے ہیں اور ذہنی طور پر وہ اپنے آپ کو سلف صالحین کا پیرو نہیں سمجھتے۔ خلفائے راشدین رض سے بھی کھلے طور پر اختلاف کرتے ہیں تو یہ ان کی ایک پالیسی ہوتی ہے۔ اس کے بغیر انہیں وہاں سے تعاون نہیں مل سکتا۔ اصل میں اہلحدیث حضرات تقلید کے موضوع پر سعودی علماء و مشائخ کے ساتھ نہیں ہیں اور انہیں غلط سمجھتے ہیں۔

(۱۳) ہمیں باوجود تلاش و تفحص کے اسلام کے چودہ سو سال میں کوئی ایسا سال معلوم نہیں ہوا، جس میں خانہ کعبہ اور مسجد نبوی میں آٹھ رکعت تراویح جماعت سے پڑھی گئی ہو۔ ائمہ حرمین کا یہ عمل تراویح ہمارے نزدیک صحیح ہے۔ اس دور کے اہل حدیث کے نزدیک حرمین میں بیس رکعت تراویح کی جماعت غلط ہے۔

(۱۴) صحیح بخاری جامع ترمذی اور دیگر کتب حدیث صحاح ستہ وغیرھما سے کسی میں مرفوع احادیث کی پابندی نہیں۔ ان میں صحابہ و تابعین بلکہ ائمہ کے اقوال بھی عام ملتے ہیں۔ اب اگر کوئی اہل حدیث یہ کہتا ہے کہ صرف اللہ اور رسول کی بات مانو اور کسی کی نہیں، تو وہ محدثین کے مسلک پر نہیں رہا۔ محدثین صحابہ رض کی احادیث کو ساتھ لے کر چلتے تھے اور یہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں۔ صحابہ ان کے ہاں حجت نہیں ہیں۔

(۱۵) صحاح ستہ میں کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر مشتمل ہو۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ہمارے دور کے اہلحدیث محدثین کے مسلک پر نہیں ہیں۔

(۱۶) ضعیف حدیث اور موضوع حدیث میں تقریباً وہی فرق ہے جو ضعیف آدمی اور مرے ہوئے آدمی میں ہے۔ مرا ہوا آدمی ہرگز یہاں رہنے کے قابل نہیں ہوتا۔ اسے دفن کر دیا جاتا ہے اور ضعیف آدمی لائق توجہ ہوتا ہے۔ موضوع حدیث جعلی حدیث ہوتی ہے اور ضعیف حدیث اپنے وجود میں ثابت ہوتی ہے، گو کمزور ہو۔ کئی دفعہ ضعیف حدیث کثرت طرق سے اتنی طاقت پا جاتی ہے کہ وہ حسن کے درجے میں آجاتی ہے۔ اسے حسن لغیرہ کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے کہ اگر کوئی غلط راوی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی مزید پڑتال کر لیا کرو۔ قرآن کریم نے اس کے تبیین کا حکم دیا ہے اس کے رد کر لے کا نہیں۔ اگر اس کی بات دیگر قرائن یا شواہد سے لائق اعتبار ٹھہرے تو اس ضعیف حدیث کو قبول کر لیا جائے گا۔ محدثین نے اسی نظریے سے صحاح ستہ میں ضعیف احادیث کو بھی جگہ دی ہے۔

آج کل جو لوگ ان کتابوں کو نئے سرے سے مرتب کر رہے ہیں اور ان سے ضعیف حدیثیں نکال رہے ہیں ان کی یہ ذہنیت ان محدثین سے ایک بغاوت ہے، اور ان کی کتابوں میں ایک ناجائز مداخلت ہے۔

(۱۷) تاریخ اسلام میں علم فقہ پہلے مرتب ہوا اور تدوین حدیث اپنے درجۂ کمال میں بہت بعد پہنچی ہے۔ ائمہ اربعہ پہلے ہوئے ہیں اور مؤلفین صحاح ستہ بعد میں۔ امام ابو حنیفہؒ کی ولادت ۸۰ھ اور وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی اور امام بخاریؒ نے ۲۵۶ھ میں وفات پائی۔ امت کو علم فقہ کی ضرورت پہلے سے ہی پڑ گئی تھی اور اس کی ضرورت سے کوئی عامی بھی مستغنی نہیں تھا۔ حدیث ایک ایسا علمی مرتبہ ہے جس کی عامی کو ضرورت نہیں ہوتی۔ اسے صرف اہل علم جانتے ہیں۔ لیکن طہارت اور نماز کے مسائل کو درجہ بہ درجہ جاننا اس کی ہر عامی کو بھی ضرورت ہوتی ہے۔ جب سے یہ امت چلی ہے علم فقہ ان کے ساتھ ساتھ چلا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ نماز کا پورا نقشہ حدیث کی کسی کتاب میں یکجا نہیں ہے۔ محدثین متفرق ابواب سے لے کر صلوٰۃ الرسول یا نماز پیغمبر مرتب کی جاتی ہے۔ صحیح بخاری میں کسی ایک جگہ پوری نماز نہیں ملتی، لوگ نماز سیکھنے اور سکھانے کے لیے رسالہ نماز خریدتے ہیں۔ نماز کی یہ

کامل صورت انہیں قرآن کریم یا کتبِ حدیث میں کہیں نہ ملے گی۔

(۱۸) صحاح ستہ کے راویوں کے حالات جو کتبِ رجال میں ملتے ہیں وہ جن محدثین سے منقول ہیں کئی مواقع پر ان محدثین نے ان راویوں کا زمانہ نہیں پایا ہوتا۔ اور نہ انہیں دیکھا ہوتا ہے۔ مثلاً دارقطنی امام ابو حنیفہؒ پر جرح کرتے ہیں، حالانکہ انہوں نے امام صاحب کا زمانہ نہیں پایا۔ خطیب بغدادیؒ بھی امام صاحبؒ پر جرح کرتے ہیں۔ انہوں نے بھی آپ کا زمانہ نہیں پایا۔ علم الرجال میں راویوں پر جو جرح و قدح ملتی ہے اس کا متصل سند سے ثابت کرنا اور جرح مفسر کے لیے صحیح سند سے واقعات پر جرح ثابت کرنا یہ بہت مشکل مرحلہ ہے۔ سوان ابواب میں زیادہ تر محدثین کی تقلید کی جاتی ہے۔ نئی تحقیق سے کام نہیں لیا جاتا ان ابواب میں حدیث پر اور تحقیقاتی کام کی ضرورت ہے۔ محدثین کی تقلید کرنے کو تحقیق نہیں کہا جا سکتا۔

(۱۹) اسلام میں فروعی مسائل پر جماعت بندی کرنا جائز نہیں۔ اقامتِ دین میں ٹکڑے ٹکڑے ہونا جائز نہیں ہے۔ قرآن کریم میں ہے :-

اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ۔ (پ

صحابہؓ میں رکوع کے وقت رفع یدین کرنے والے بھی تھے اور نہ کرنے والے بھی آمین آہستہ کہنے والے بھی تھے اور جہر کہنے والے بھی مگر انہوں نے ان فروعی امتیازات پر کہیں جماعت بندی نہ کی تھی۔ سوان مسائل کے امتیاز پر علیحدہ گروہ بندی کرنا ایک مذموم تفرقہ اور ایک کھلی بدعت ہے

دارالعلوم دیوبند کے سابق شیخ التفسیر اور جامعہ اشرفیہ لاہور کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی (ھ) ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعاً لست منھم فی شیء (پ الانعام ۱۶۰) جنہوں نے اپنے دین میں راہیں نکالیں نئی نئی اور ہو گئے کئی فرقے آپ کو ان سے کوئی کام نہیں کے تحت لکھتے ہیں :-

ائمہ مجتہدین کا اختلاف اس میں داخل نہیں۔ ان کا اختلاف اختلافِ رحمت تھا۔ جس طرح تمام صحابہ اصولِ دین میں متفق تھے اور

فروع میں کہیں کہیں مختلف تھے۔ اسی طرح ائمہ مجتہدین بھی اصولِ دین میں متفق رہے ہیں اور فروع میں کہیں کہیں مختلف رہے ہیں۔ البتہ غیر مقلدین کا گروہ ان الذین فرقوا دینھم کا مصداق ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ ہر غیر مقلد ایک مستقل مجتہد بنا ہوا ہے اور ہر مسئلہ میں وہ ایک جدا مذہب رکھتا ہے۔ ائمہ اربعہ کا اختلاف تو چار تک محدود تھا اور ان مدعیان عمل بالحدیث کے اختلاف اور افتراق کی کوئی حد ہی نہیں ہے۔ ہر غیر مقلد اپنی جگہ ایک مستقل امام اور مجتہد ہے اور دوسرے کی تقلید کو شرک سمجھتا ہے۔[۱]

غیر مقلدین امام بخاریؒ سے کس طرح مختلف ہیں۔ مولانا محمد ادریسؒ اس پر لکھتے ہیں :-

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کی کتاب الاعتصام میں اجماع اور قیاس کا دلیل شرعی ہونا کتاب و سنت سے ثابت کیا ہے۔ مگر غیر مقلدین کے نزدیک ادلہ شرعیہ صرف دو ہیں۔ ایک کتاب اور ایک سنت۔ وہ اجماع اور قیاس کی حجیت کے قائل نہیں اور نام اپنا انہوں نے اہل حدیث رکھ لیا ہے۔[۲]

تین طلاق کا ایک طلاق ہونا پہلے صرف شیعہ کا مذہب تھا۔ چاروں امام باوجود اپنے کئی فروعی اختلاف کے مسئلہ تین طلاق میں سب ایک تھے اور بوجہ اجماع یہ ایک اصولی مسئلہ تھا۔ اب اس میں یہ اہلحدیث بھی شیعہ کی لائن پر چل نکلے ہیں۔ مسئلہ تقلید میں بھی یہ شیعوں کے ساتھ ہیں جو صرف زندہ عالم کی تقلید کے قائل ہیں۔ فوت شدہ عالم کی تقلید وہ جائز نہیں سمجھتے۔

(۲۰) تاریخ اسلام میں خصوصاً قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں یہ کہیں نہیں ملتا کہ مذاہب اربعہ کے پیروؤں نے کبھی حنفیت۔ شافعیت۔ مالکیت یا حنبلیت کے نام پر علیحدہ علیحدہ تنظیمیں قائم کی ہوں یا ان ناموں سے علیحدہ علیحدہ فرقے بنائے ہوں۔ بطور فرقہ یہ سب ایک رہے ہیں اور ان کا ہمیشہ ایک ہی نام اہل السنۃ والجماعۃ رہا ہے۔ یہ اپنے اس نام سے معتزلہ و شیعہ اور کرامیہ و خوارج سے جدا

---

[۱] تفسیر معارف القرآن جلد ۲ صفحہ ۵ طبع ۱۹۷۹ء لاہور [۲] ایضاً صفحہ ۱۰۴

ہوئے تھے۔ یہ چار مذاہب فقہ چار راستے ہیں چار فرقے نہیں ہیں۔ پہاڑ پر چڑھنے کے چاروں طرف راستے ہوں تو عملاً کسی ایک راستے سے ہی چڑھتے ہیں۔ لیکن دوسرے راستوں کو غلط راستے نہیں کہتے۔ کیونکہ منزل ان کی بھی وہی ہوتی ہے۔ منزل پر پہنچ کر سب راستوں پر برابر کی نظر پڑتی ہے اور اسی میں اہل حق کے اتحاد کا راز مضمر ہے۔

اس دور کے اہل حدیث دوستوں نے اگر فروعی مسائل پر علیحدہ گروہ بندی کر رکھی ہے تو اس کا جواب ان سے لیں۔ اسلام میں فروعی مسائل پر گروہ بندی کرنے کا ہمیں کہیں جواز نہیں ملتا۔ انہوں نے اگر اس نام سے جماعت بنا رکھی ہے تو اس کا ثبوت ہم سے نہ پوچھیں ان سے پوچھیں۔ ہر شخص اور گروہ اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔

یہ آپ کے بیس سوالوں کے بیس جوابات ہو گئے۔

واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم

گذارش ترک تقلید نے مسلمانوں میں قادیانیت، نیچریت اور پرویزیت جیسے فتنے پیدا کیے ہیں۔ اگر اسے رد کرنے کے لیے سعودی عرب کے حنبلی علماء اور پاکستان کے حنفی علماء مل کر کام کریں تو آئندہ کسی نئے فتنے کا کوئی امکان نہ رہے گا۔ سعودی عرب کے علماء ومشائخ اہل السنۃ والجماعۃ ہیں اور وہ ہرگز غیر مقلد نہیں ہیں اس دور کے اہل حدیث ان کے خلاف غیر مقلد ہونے کا پروپیگنڈہ صرف اس لیے کر رہے ہیں کہ دنیائے اسلام کو مرکز اسلام سے اور عامۃ المسلمین کو ائمہ حرمین سے دور رکھا جائے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ سعودی عرب کے خلاف مبتدعین کے اس غلط پروپیگنڈے کا پوری علمی قوت سے سد باب کیا جائے۔

نوٹ سائل نے جوابات میں اختصار و ایجاز کی درخواست کی تھی۔ اس لیے ہم نے اپنے جوابات کی تائید میں حوالے نہیں لکھے نہ ہر مسئلے کی پوری وضاحت کی ہے۔ بعض سوالات میں الزاماً صورتِ حال سامنے رکھ کر بات کہی ہے سائل اگر کہیں ان پر کوئی تنقیحات اٹھائے تو ہم ان شاء اللہ العزیز ان پر کچھ مزید عرض کر

سکیں گے۔ اس فرصت سعیدہ میں چند باتیں معروض خدمت ہیں۔ امید ہے زیادہ اختصار پر اعتراض نہ فرمائیں گے۔ خیر الکلام ما قلّ و دلّ

هذا ماعندی و عند الناس ما عندهم و الله علیٰ ما اقول شهید. وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العٰلمین۔

ضعیف حدیث کا انکار نہ ہونا چاہیئے

کلمہ اسلام لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے الفاظ کسی صحیح حدیث میں نہیں ملتے۔ کلمۂ اسلام ثبوتاً اور معنیً دلائل قطعیہ ویقینیہ سے ثابت ہے۔ قرآن کریم میں کلمہ شریف کے دونوں جزو لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ در مختلف مقامات پر منزل ور ملتے ہیں۔ یہ کلمہ جیسا کہ یکجا پڑھا جاتا ہے کسی صحیح حدیث میں نہیں ملتا۔ حافظ ابن عساکر دمشقی (۵۷۱ھ) نے اسے یکجا حضرت علی المرتضیٰ رضؓ سے روایت کیا۔ اور محدث کبیر ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) نے اسے اس طرح یکجا حضرت امام حسن بصری (۱۱۰ھ) سے روایت کیا ہے۔

ضعیف حدیث اپنی جگہ ایک شرعی وزن رکھتی ہے اسے صرف اس صورت میں نظر انداز کیا جا سکتا ہے کہ اس کے مقابل کوئی صحیح حدیث یا کوئی قرآنی آیت (جو اپنے موضوع پر صریح ہو) موجود ہو۔ اگر اس کے مقابل کوئی صحیح یا حسن حدیث موجود نہیں تو ضعیف حدیث کو رد نہ کیا جانا چاہیئے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ دونوں مجتہد امام حدیث ضعیف کو قیاس پر مقدم رکھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ قیاس امام بخاری کے ہاں خود ایک دلیل شرعی ہے۔ ضعیف حدیث کا انکار دراصل کلمۂ اسلام کے یکجا ملنے سے انکار کی ایک سازش ہے نہ چاہیئے کہ کوئی غیر مقلد حدیث ضعیف کو کلیۃً بے وقار کرے۔ کلمۂ اسلام اس صورت میں امت کے چودہ سو سال کے اجماع سے ثابت ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) ائمہ اربعہ میں سے چوتھے امام ہیں۔ آپ امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) امام مسلم (۲۶۱ھ) امام ابوداؤد (۲۷۵ھ) کے اساتذہ میں سے ہیں آپ کی مسند مرویات حدیث کا انسائیکلوپیڈیا سمجھی جاتی ہے۔ اس میں کئی ضعیف حدیثوں کو دیکھ کر

یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ آپ کے ہاں ضعیف حدیثیں بھی فی الجملہ ایک وزن رکھتی ہیں. پھر کبھی ایک موضوع کی کئی روایات جو اپنی جگہ ضعیف ہوں مل کر ان کو درجہ حسن کے قریب لے آتی ہیں.

صحاح ستہ کی چار کتابوں سنن ابی داؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ کے مؤلفین نہایت اونچے درجے کے محدثین تھے. کیا انہوں نے اپنی ان کتابوں میں جو تغلیباً صحاح کہلاتی ہیں اور صحاح ستہ کا نام پاتی ہیں کیا ضعیف احادیث کو اپنے ہاں جگہ نہیں دی؛

سو جو لوگ ضعیف احادیث سے اس درجہ متنفر ہوں کہ انہوں نے ان کتابوں میں تصرف کر کے انہیں صحیح ابی داؤد اور ضعیف ابی داؤد یا صحیح ابن ماجہ اور ضعیف ابن ماجہ میں تقسیم کر دیا ہو. ان کے بارے میں تشدد کے سوا اور کس چیز کا گمان کیا جا سکتا ہے. فاعتبروا یا اولی الابصار.